JANUARY-1977
BHAKTI ANK

the OM Delhi

PRICE
Rs. 10/-

رسالہ **اوم** دہلی

کا سالنامہ سنہ ۱۹۷۷ء
بھگتی انک

چندہ سالانہ -/28 روپے وی۔پی منگوانے پر -/3 روپے زائد

قیمت فی پرچہ -/10 روپے

غیر ممالک سے سالانہ چندہ
- بذریعہ بحری ڈاک =/125 روپے
- بذریعہ ہوائی ڈاک =/200 روپے

رقم بذریعہ فارن پوسٹل منی آرڈر بھیجنے کی کرپا کریں۔ چیک یا پوسٹل آرڈر ارسال نہ کریں۔

چیف ایڈیٹر: گورکھ ناتھ نندہ
ایڈیٹر: برہمانند نندہ

شری برہمانند نندہ ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، مالک نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس گلی سوداگران بلی ماران دہلی سے چھپوا کر دفتر رسالہ اوم مکان نمبر 4062 اندرون بازار اجمیری گیٹ دہلی سے شائع کیا

بن بھگتی تن ہوسی چھار

گوربانی (گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۲۹)

سو کیوں بسرے جے گھال نہ مانیں
سو کیوں بسرے جن سب کچھ دیا
سو کیوں بسرے جِنیں اگن میں راکھے
سو کیوں بسرے جِنیں بِکھ تے کاڈھے
گور پورے ایہہ تت بجھایا
سا جن سنت کرو ایہہ کام
سمر سمر سُکھ پاؤ
بھگت بھاؤ تریے سنسار
سرب کلیان سُکھ نِت نام
سگل دُکھ کا ہووت ناس

سو کیوں بسرے جے کیتا جانے
سو کیوں بسرے جِنیں جیون دیا
گور پرساد کو برلا لاکھے
جنم جنم کا ٹوٹا گاڈھے
پربھ اپنا نانک جن دھیایا
آن تیاگ جپو ہری نام
آپ جپو اوراں نام جپاوو
بن بھگتی تن ہوسی چھار
بُڈھت جات پائے بسرام
نانک نام جپو گن تاس

رام جپو

بانی کبیر جی کی
گورو گرنتھ صاحب صفحہ 324

رام جپو جیا ایسے ایسے
دھرو، پرہلاد جپو ہر جیسے
دین دیال بھروسے تیرے
سب پریوار چڑھایا بیڑے
جا تس بھاوے تا حکم مناوے
اس بیڑے کو پار لنگھاوے
گور پرساد ایسی بدھ سمانی
چوک گئی پھر آون جانی
کہو کبیر بھج سارنگ پانی
اُر وار پار سب ایکو دانی

فہرستِ مضامین

ایشور بھگتی

جب اِنسان شُبھ کرم کرتے کرتے اپنے انتہ کرن کو مَل دوش سے رہت کر لیتا ہے۔ یعنی جب اِنسان کو نیکی کی بدولت صفائی قلب حاصِل ہوتی ہے اور دِل یکسُو ہو کر استغراق میں پہنچتا ہے، تو اُس میں ایک عجیب سرُورِ باطنی پیدا ہوتا ہے۔ جس کو سرگیہ سُدھانی یا پریم کہتے ہیں۔ اِس پریم کی اوستھا کو زبان ورنن نہیں کر سکتی۔ جن کو اِس سرُور کی جھلک نصیب ہو جاتی ہے، اُن کی نظر میں دُنیا کی کُل راحتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ تمام دُنیاوی خواہشیں نابُود ہو جاتی ہیں۔ دُنیاوی مزے ایسے پھیکے پڑ جاتے ہیں کہ پھر اُن کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی ؎

دیدار دِلرُبا کا دیوار قہقہا ہے
جس نے اُدھر کو جھانکا پھر وہ اِدھر کہاں ہے

ایسی سرُور اور مستی کی حالت کو پراپت ہُوا پُرش ہر ایک جاندار میں اور ہر ایک وستُو میں اپنے محبوب پریتم کو ہی دیکھتا ہے۔ اُس کے ہردے میں آنند کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ دُکھ اور مُصیبت کی دُنیا چین راحت ہو جاتی ہے۔ اُس کی اُپاسنا کا ڈھنگ کچھ نِرالا ہی ہو جاتا ہے۔ ستریہ کی اہنگتا ممتا اُڑ جاتی ہے۔ گیان کا اندھیرا مِٹ جاتا ہے۔ مَن اور بُدھی آتم سرُوپ میں محو ہو جاتے ہیں۔ تمام دُنیا کی قیوُد، مرنا، جینا، سُکھ، دُکھ، نفع، نُقصان، سردی، گرمی، بھُوک، پیاس وغیرہ وغیرہ سے کامل آزادی حاصِل کر کے اُس پریم بِتا پرماتما کی شرن کو پراپت ہوتا ہے جس بھگوان کو وہ پہلے کہیں آسمانوں میں بیٹھا ہُوا تصوّر کرتا تھا۔ اَب اپنے ہِردے میں اور سرُوتر پری پُورن ذرّے ذرّے میں ویاپک دیکھتا ہے۔

ذرّے ذرّے میں اُس کا ضیا ہے۔ پتّے پتّے میں اُس کا پتا ہے ؎
ڈالی ڈالی سے اُس کا اِشارہ، واہ واہ کیسا ہے سُندر نظارہ

پریم یعنی پربھو بھگتی کی لامحدُود دولت کو پا کر ہی اِنسان دُنیا بھر کے جانداروں سے محبّت کرنے لگتا ہے۔ اپنے ایک گھر کی محدُودیت کو تیاگ کر کے اِس وسیع دُنیا کو ہی اپنا گھر تصوّر کرتا ہے۔ اور اِس انمول رتن کو حاصِل کر کے اطمینانِ دِل اور سکُونِ قلب کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بے خود ہو کر فرطِ مسرّت میں یہ گاتا نظر آتا ہے :-

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری !

بتائیے ! اِس اوستھا کو پراپت کر کے کہاں مذہبی جھگڑے رہیں گے۔ کہاں فرقہ دارانہ کش مکش ہوگی ؛ وہ ہٹ دھرمی، وہ کٹر پن، وہ متعصبانہ نکتہ چینی، وہ تنگ خیالی اور تنگ نظری اور دِلی نفرت اور حقارت، وہ بے رحمانہ سلوک کہاں رہ سکتے ہیں ؟ مذہب اور دھرم کے نام پر جو بُرے کام ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہی کرتے ہیں جن کو اصلیت کی واقفیت نہیں ہوتی۔ اِس پریم رُوپی ثابندپایہ حقیقت اور صداقت کو حاصل کر کے منش اِن دُنیاوی توہمات اور تعصبات سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ فقیرانہ مذہب اختیار کرتا ہے۔ جس میں کوئی قید نہیں۔ ایسے پُرش کے ساتھ سب کی محبت ہوتی ہے اور سب اُس کو اپنا رہبر تصوّر کرتے ہیں۔ جیسے کبیر صاحب، گورو نانک صاحب، وغیرہ کو تصوّر کرتے تھے۔ مذہبی خیالات، مذہبی اصول اور مذہبی پابندیاں تب تک ہی رہتی ہیں جب تک یہ خود با اصول نہیں بنتا۔ یہ مذاہب دراصل پاکیزگی، ایمانداری، خود ضبطی، تمام مخلوق کے ساتھ محبت سکھانے کے لئے رائج ہوئے تھے۔ اگر انسان کے چال چلن میں یہ شُبھ گُن پیدا ہی نہ ہوں تو اِن مذہبی قانونوں اور پابندیوں کا کچھ لابھ نہیں۔ اگر ایک شخص سندھیا، اُپاسنا، گائتری، نماز، روزہ وغیرہ تو کرتا ہے۔ لیکن اُس میں پریم اور سچی ایشور بھگتی نہیں تو اُس کے یہ تمام کاریہ نشپھل ہی ہیں۔

پریم ہی سب کچھ ہے، کفر و مذہب دونوں کی حیثیت پریمی کے سامنے ایک جیسی ہے۔ پریم ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے آنے سے اِنسان کا دِل تمام خوبیوں کا بھنڈار بن جاتا ہے۔ پریم اِنسان میں اِس قِسم کی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے کہ جس کا شان و گمان تک نہیں ہوتا۔ پریمی پُرش دُنیا میں ایک فرشتہ ہے۔ اِس میں نہ رنج ہے نہ خوشی۔ اِس کی حالت ہمیشہ ساکن رہتی ہے۔ اِس کو دُنیا کی کوئی طاقت اپنے آدرش سے گرا نہیں سکتی۔ وہ اُس اننت (لامحدود) شکتی پرماتما کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ جو کہ منش جنم کا اصلی مقصد ہے۔

سالنامہ "بھگتی انک" جنوری اور فروری ۷۷ء دو ماہ کا پرچہ تصوّر کیا گیا ہے۔ ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ناظرین اِس کے لئے خط و کتابت نہ کریں۔

نارد بھگتی سُوتر

بھگتی کے اصُول

ہندوستانی فلسفے پر کئی درشن موجود ہیں۔ جن میں سے چھ تو بہت مشہور ہیں۔ ان درشنوں میں ہر ایک رشی نے زندگی اور ہستی کے متعلق اپنے اپنے خیالات کو عقلی ترتیب میں مرتب کیا ہے اور ان سب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک بات یا اصُول با دلیل کو کم از کم الفاظ میں اس طرح پر بیان کیا ہے کہ اس کی نظیر ادبی دُنیا میں اور کہیں نہیں دیکھنے میں آتی۔ بلفظ اَندک تریں و بمعنی بسیار تریں۔

چُونکہ یہ درشن مختلف نظامات فلسفہ ہیں۔ اِس لئے اگرچہ اُن کی بُنیادیں کشف Intuition پر مبنی ہیں۔ کیونکہ ہر ایک علم میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ مگر اُن کی بالائی عمارت عقلی آلات کے ذریعہ ہی تیار کی گئی ہے۔ اِس لئے یہ شاستر دِماغ کی راہ سے حقیقت تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

لیکن اگر یہ بات درست ہو کہ دِل عقل کی نسبت زندگی کے قریب تر ہے اور جب تک دِل مطمئن نہ ہو، صرف عقلی تسلّی کافی نہیں ہے۔ تب ایک ایسے درشن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو کہ دِل کی زبان میں تیار کیا گیا ہو۔ یعنی جس میں دماغ کو قائل کرنے کی بجائے دِل کو چھُونے والی باتیں موجود ہوں۔ دُوسرے الفاظ میں جس کے اندر خوراک کے متعلق قیاسات نہیں۔ بلکہ واقعی طور پر زندگی بخش خوراک پائی جائے۔

قدیم ہند کے ادبی خزانے جہاں عقلی دُنیا کو اپنے بے بہا جواہرات سے مالا مال کر سکتے ہیں۔ وہاں وہ اِنسانی دِل کے لئے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی خوراک مہیا کرتے ہیں۔ نارد بھگتی سُوتروں میں ایسا ہی امرت بھوجن پایا جاتا ہے۔ اہلِ دِل کے لئے اِن میں سے ہر ایک سُوتر بے انداز رُوحانی قیمت رکھتا ہے۔

نارد رشی کی ہستی روایتی دُنیا کا ایک عجیب معمہ ہے۔ آپ تقریباً ہر ایک لوک اور ہر ایک یُگ میں موجود پائے جاتے ہیں۔ وید، سمرتی، پُران، سنگھتا، جیوتش اور سنگیت وغیرہ سب شاستروں میں آپ دِکھ پڑتے ہیں۔ ساکھشات بھگوان وِشنو، شِو آدی سے لے کر گھور راکھشسوں تک آپ کا سنمان اور آدر کرتے ہیں۔ کہیں تو آپ ویاس، والمیک اور شکدیو ایسے مہاپُرشوں کو پرم تتو کا اُپدیش دے رہے ہیں۔ اور کہیں آپ فساد اور لڑائی جھگڑے کے لئے اکساتے میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ اور جہاں اور جب ضرورت ہو، آپ ترنت پہنچ جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ ساری باتیں آپ کی پُراسرار ہستی کو دقیقہ سنج محققین کی نگاہ میں ایک بہت ہی

دلچسپ اور بامعنی افسانہ قرار دینے کا میلان رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اور نارد بھکتی سوتروں کے زمانہ کی کھوج کی جائے تو اس بارے میں کوئی بیرونی قطعی شہادت نہیں ملتی۔ ہاں خود ان سوتروں کے اندر اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ یہ سوتر بھاگوت پران کے پیچھے رچے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر برندا بن کی گوپیوں کا ذکر آتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ان کی زبان ہی ظاہر کر رہی ہے کہ یہ سوتر زمانہ قدیم کی پیدائش نہیں ہیں۔ نیز ان میں شانڈلیہ گرگ، ویدویاس، شکدیو، بلی، ہنومان وغیرہ کے حوالہ جات بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں۔

نارد رشی کی ہستی کیسی ہی پُراسرار اور ان سوتروں کی پیدائش کا زمانہ کتنا ہی غیر یقینی کیوں نہ ہو، ان سوتروں کے اندر بھکتی کے جو راز کھولے گئے ہیں، وہ عالمگیر، ابدی اور عظیم عملی قیمت رکھتے ہیں۔ اس بھکتی درشن میں دوسرے درشنوں کی مانند بحث مباحثہ موجود نہیں بلکہ ایشور بھکتی کے تجربی اسباق کو اس وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ محتاج تشریح نہیں ہے۔ اہلِ دل کی نظر میں یہ درشن انمولیہ اور دُرلبھ رتنوں کا بھنڈار ہے۔

مگر ہم ذیل میں ان سوتروں کی تشریح اس لئے پیش کریں گے کہ اہلِ عقل بھی جو زندگی کے عمیق ترین پہلو کی طرف سے غافل ہو کر کیول گیان اور مکتی کو ہی زندگی کی انتہائی نعمتیں خیال کر رہے ہیں، عالمِ دل کی طرف متوجہ ہوں اور عقل اور دل کے درمیان موافقت پیدا کر کے کُلّی طور پر جینا سیکھیں۔

بھکتی کا سوروپ

अथातो भक्ति व्याख्यास्यामः ॥१॥

۱۔ اب ہم بھکتی کی ویاکھیا (تشریح) کریں گے۔

اس پہلے سوتر میں دیورشی نارد اپنی تصنیف کے موضوع کا اعلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اب ہم بھکتی (عشقِ الٰہی) کے اسرار کھولیں گے"۔ جس طرح روشنی اپنے آپ میں بند نہیں رہ سکتی اور چندن کی سگندھی سبھاوک ہی ہر طرف پھیلتی رہتی ہے۔ اسی طرح جہاں بھی زندگی موجود ہے وہ اپنی پختگی پر اپنا آپ دوسروں کو دینا چاہتی ہے۔ جسم اپنے بلوغت پر پہنچ کر اپنی زندگی آئندہ نسلوں کو دینے کے لئے بیتاب دیکھا جاتا ہے، اہلِ علم و فکر عقلی کمال حاصل کرنے پر دُنیا کو اپنے خیالات کا جدید سرمایہ دئے جاتے ہیں۔ صانع لوگوں کی زندگی جمالیات میں نئی پیدائش کا موجب ہوتی ہے۔ روحانی زندگی بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ان بھکتی سوتروں کی رچنا رشی کے بھکت جیون

کا اُچھالا ہی ہے۔ یعنی رشی اِن سوتروں کی راہ سے اپنی زندگی اور روشنی ساری منتقل جاتی کو سدا کے لیئے دینا چاہتے ہیں۔ اگر ناظرین انہیں سوتروں میں دیورشی کے ادھیاتم سپرش کو محسوس کر سکیں تو یہ بات بعین ممکن نظر آنے لگے گی۔ کہ

جہاں اور جب کبھی ضرورت ہو، نارد جی فوراً آن موجود ہوتے ہیں۔

सा त्वस्मिन परमप्रेमरूपा ॥२॥

۲- وہ (بھگتی) ایشور کے لیئے پرم پریم رُوپا ہے۔

دیورشی بھگتی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ ایشور کے لیئے برترین محبت کا نام بھگتی ہے۔ اس تعریف میں تین باتیں غور طلب ہیں:-

(ا) محبت (ب) ایشور کے لیئے (ج) برترین

محبت رُوحانی کشش ہے جو مادی کشش ثقل کی مانند قدرتی بات ہے۔ زمین کا ظہور سُورج سے ہُوا ہے اور وہ سُورج کی طرف مجذوب ہوئے بغیر رہ نہیں سکتی۔ ندیوں کا اصلی منبع سمندر ہے۔ اور وہ اُس کی طرف قدرتاً دوڑ رہی ہیں۔ درخت بیج سے نمودار ہو کر دم بدم بیج (پختہ پھل) کی طرف ہی نشوونما پانے کا میلان رکھتا ہے۔ اسی طرح ایشور جو کُل ہستی اور زندگی کا اصلی چشمہ ہے، تمام جیووں (ارواح) کا آخری مرجع ہے۔ ہر ایک رُوح کے اندر یہ جذبہ بہ قدرتاً موجود ہے۔ یہ جسمانی اور حیوانی خواہشات ہیں جو اس کشش کے عمل میں مانع ہو جاتی ہیں۔ جب اِن جسمانی اور حسی خواہشات سے رُوح صاف ہو جاتی ہے، وہ اپنی اصل کی طرف وہ برترین کشش محسوس کرتی ہے، جس کے مقابلے میں اور تمام جسمانی، حسی اور ذہنی جذبے ہیچ ہیں۔ یہ رُوحانی کشش کوئی فرضی یا وہمی بات نہیں ہے۔ بچے اور ماں مچھلی اور پانی، پرندے اور ہوا کی باہمی کشش اس کی مدھم سی تصویر پیش کرتی ہے۔ جب یہ کشش ظاہر ہوتی ہے تب نہ صرف اُس کے سامنے کوئی رکاوٹ ٹھہر سکتی ہے بلکہ خود رکاوٹیں ہی اِس کشش کو شدید ترین بنا دیتی ہیں۔ اور جو رُوحانی کشش بے شمار چیزوں کی اُلفت میں بٹ کر بہت کمزور ہو رہی تھی، وہ سب علائق چھوڑ کر ندی کی دھارا کی مانند بھگوان کی طرف لگاتار بہنے لگتی ہے۔ رِدیداس جی اسی پریم رُوپا بھگتی کا ورنن کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

سانچی پریت مادھو تم سنگ جوڑی　　　تم سنگ جوڑ اور سنگ توڑی

अमृत स्वरूपा च ॥3॥

۳- اور امرت سوُرُوپا بھی ہے۔

یہ بھگتی (رُوحانی کشش) غیر فانی ہے۔ کیونکہ یہ غیر فانی ہستیوں کے درمیان ہوتی ہے۔ ایک

طرف پریم کرنے والی رُوح اَمر ہے۔ اور دُوسری طرف اس کا پریم آسپد (محبُوب) بھی ہمیشہ اور ترکال آباد رہا ہے۔ اِنسانی وجُود کے فانی اجزا فانی چیزوں کی طرف ہی کشش رکھتے ہیں۔ جیسے جسم اور خوراک، پھیپھڑے اور ہَوا۔ آنکھیں اور شکلیں، کان اور آوازیں، سب کے سب تغیّر پذیر اور فانی ہیں۔ دیکھتے دیکھتے رُوپ اور صُورتیں ہٹتی چلی جاتی ہیں۔ اگر وہ کچھ عرصہ قایم بھی رہیں، خود بینائی ہی جواب دینے لگ جاتی ہے۔ واسنا اور بھگتی میں یہی بھید ہے۔ واسنا ست اور است کے درمیان ہُوا کرتی ہے۔ اور بھگتی ست (جیو آتما) اور ست (پرم آتما) کے درمیان۔ اِسی لِئے بھگتی کو امرت سوُرُوپا کہا گیا ہے۔ اَست پدارتھ کی واسنا ہی موت ہے۔ اور ست وستُو سے پریم ہی امر جیون ہے۔

امرت کے معنی نہایت گہری مٹھاس اور آنند کے بھی ہیں۔ پیاری شے کی یاد اور ملاپ میں سدا آنند ہُوا کرتا ہے۔ اور جسقدر باہمی کشش زیادہ ہوگی اُسی قدر ملاپ کا آنند بھی زیادہ ہوگا۔ چُونکہ رُوحانی کشش کے برابر کوئی کشش نہیں ہے۔ اِس لِئے ایشور بھگتی پرم آنند سوُرُوپ ہے۔ اِس جیوت آنند (زندہ سرُور) کا اُچھالا ہی بھگت بانی میں مُکتی کا نرادر کرنے سے بھی ذرا نہیں جھجکتا۔ اور گیانی اور یوگی پُرشوں کو جو صرف مُکتی کے طالب ہوتے ہیں، حیران کرتا ہے۔

اَس وِچار ہری بھگت سیانے مُکتی نرادر بھگتی لبھانے

(تُلسی داس جی)

यल्लब्ध्वा पुमान् सिद्धो भवति, अमृतो भवति, तृप्तो भवति ॥४॥

۴۔ جسے پا کر منش سِدّھ ہو جاتا ہے۔ اَمر ہو جاتا ہے (اور) ترپت ہو جاتا ہے۔

اِس پرم پریم رُوپا اور امرت سوُرُوپا بھگتی کو پا کر انسان کمال۔ بقا اور اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔ یہاں کمال سے مُراد غیر معمولی طاقتوں اور کرامتوں یا مُکتی کا حصُول نہیں ہے بلکہ کُل ہستی، طاقت اور زندگی کے بھنڈار ایشور کے ساتھ پریم میں اِس طرح مِل جانا کہ اپنا سب کچھ ایشور کا اور ایشور اور اُس کا سب کچھ اپنا ہو جائے۔ یہ شخصی کمال نہیں بلکہ کمالِ عشق و بے خودی ہے۔ جب بھگت اپنا آپ اور اپنا سب کچھ بھگوان کے ارپن کر دیتا ہے۔ تب اس سمرپن (تفویض) کے ساتھ ہی بھگوان بھگت کے بس میں آجاتے ہیں۔ یہی حقیقی کمال ہے۔ سب کچھ دینے سے سب کچھ ہی پایا جاتا ہے۔ یہ رُوحانی سودا مقدُور سے نہیں بلکہ صفت سے تعلق رکھتا ہے اور اپنا قطرہ دینے سے سمندر مِل جاتا ہے۔ جس طرح بچہ ماں کی گود میں بیٹھتے ہی ماں کی سب معلُوم اور نا معلُوم طاقتوں کو اپنے ساتھ پاتا ہے، اِسی طرح بھگت بھی اپنی شخصی طاقتوں یا مقبُوضات کا خیال چھوڑ کر اپنا آپ بھگوان کو سونپتا ہُوا بھگوان کو اپنا لیتا ہے۔ اِسی لیے کہا گیا ہے کہ دُنیا میں سب سے بڑی طاقت محبت ہے۔ پریمی بھگت مُکتی یا سِدھیوں کو کبھی نہیں ڈھونڈتا۔ وہ خود بخود ہی بھگت کے

رُوبرو حاضر ہوکر شرف قبولیت کے لیئے التجا کرتی ہیں۔

بھگت امر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فانی چیزوں سے دِل نہیں لگاتا۔ فانی چیزوں کی محبت ہی تو موت کو پیدا کرتی ہے۔ بھگت کا رشتہ صرف بھگوان کے ساتھ اور بھگوان کی راہ سے کُل موجودات کے ساتھ ہوتا ہے۔ براہ راست کسی فانی شے کے ساتھ وہ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ کُل چیزوں اور حالات کو بھگوان سے اور بھگوان میں دیکھتا ہے۔ اور چونکہ واسدیو سروتر سرشٹ داپی پُورن ہو رہا ہے، اِس لئے بھگت سدا جیتا ہے۔ اور موت کا خوف نہیں رکھتا۔

صرف ایشور کو پانے پر ہی جیو کو پُورن ترپتی حاصِل ہو سکتی ہے۔ ایشور کے سوا اور تمام چیزوں کے ساتھ انسان جُزوی تعلقات رکھتا ہے۔ مثلاً آنکھ کا تعلق صرف شکلوں اور رنگوں کی دُنیا سے ہے اور کان کا صرف آوازوں کی دُنیا سے۔ یہی حال تمام حواس اور ذہنی طاقتوں کا ہے۔ مگر انسانی وجُود کے مرکز میں جو ایک (جیو) موجُود ہے۔ اُس کا تعلق کُل کے ساتھ ہے۔ بھگوان ہی اِس ہستی کے ہر ایک نکتہ کو چھُو رہے ہیں۔ اِس لیئے رُوح جب تمام جزوی اور عارضی رشتوں کی طرف سے مُنہ موڑ کر یکدلی اور یک نظری سے بھگوان کی طرف متوجہ ہوتی ہے، تب اُس کی ہستی اپنے ہر پہلو میں تسکین کامل پاتی ہے۔

यत्प्राप्य न किञ्चिद्वाञ्छति न शोचति न द्वेष्टि न रमते नोत्साही भवति ॥५॥

۵ ۔ جسے پاکر منُش کسی بھی وستو کی نہ اِچھّا کرتا ہے، نہ شوک کرتا ہے، نہ دویش کرتا ہے، نہ وہ کسی وستو میں دِل لگاتا ہے اور نہ اُسے اُتساہ ہوتا ہے۔

بھگت اپنے پریتم کے پریم میں دِن رات مگن رہتا ہُوا کسی بھی شے کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ پُورن رُوپ سے ترپت ہوتا ہے۔ خواہش اندرُونی خلا اور کمی کی علامت ہے۔ اور بھگت تو خودی سے بالکل خالی ہو کر بھگوان سے پُر ہوتا ہے۔ اِس لیئے اُس کے دِل میں کسی اور شے کی خواہش کے لیئے گنجائش ہی نہیں ہُوا کرتی۔

اور چونکہ اُس کی ساری محبت اور سب طرف سے سمٹ کر بھگوان کی طرف اٹوٹ دھارا میں بہا کرتی ہے۔ اِس لیئے نہ تو وہ کسی شے سے اُلفت رکھتا ہے اور نہ ہی کسی شے یا حالت کے جُدا ہونے یا گذر جانے کا اُسے افسوس ہوتا ہے۔ کُل شوک کا بیج آسکتی (اُلفت) ہے اور آسکتی کا بیج واسنا ہے۔ بھگت سوبھاؤ سے ہی واسنا، آسکتی اور شوک سے بَری رہتا ہے۔

بھگت کی درشٹی میں سارا جگت ہی بھگوان کی پریم لیلا ہے۔ وہ ہر شے اور ہر حالت کی تہ میں صرف ہستی Substance ہی نہیں بلکہ محبت دیکھتا ہے۔ اِس لیئے وہ سب کو پریم درشٹی سے دیکھتا اور سب گھٹناؤں میں بھگوت کرپا انُوبھو کرتا ہے۔ اور کسی حالت میں بھی کسی سے نفرت نہیں کرتا۔

جس نے امرت چکھا ہے وہ وِشے بھوگ کو راکھ کی مانند بے لذّت جانتا ہے۔ آتم رس سے ترپت ہونے پر ترلوکی کے سُکھ نرس معلوم ہوتے ہیں۔

ہری بن کچھو نہ لاگئی بھگتن کو میٹھا　　آن سواد سبھ پھیکیا کر نیتوں ڈیٹھا
آن رسا دِیسہہ سبھ چھار　　نام بنا نِہپھل سنسار
(گورو نانک)

اِس لئے ایشور انوراگی کا ویراگیہ نریتن اور سوبھاوِک ہوتا ہے۔ گیانی وِشیوں کی طرف سے من کو ہٹانے کے لئے اِن میں دوش درِشٹی بڑھاتا ہے اور راگ کا مُقابلہ دویش سے کرتا ہے۔ مگر پریمی بھگت ہر شے میں پرم سوندریہ کا درشن کرتا ہُوا بھی نرلیپ رہتا ہے۔ اور بیرونی لذّات کے لئے ذرا بھی دِلچسپی اور سرگرمی نہیں رکھتا۔ کیونکہ اُس کی نظر سدا انیک میں ایک پر لگی رہتی ہے۔

رومم رومم ہری رم رہے رہی نہ تن کی سُدھ

यज्ज्ञात्वा मत्तो भवति स्तब्धो भवति आत्मारामो भवति ॥६॥

۶۔ جسے جانکر منُش اُنمت (مست) ستبدھ (شانت) اور آتمارام (آتم رس میں سنتُشٹ) ہو جاتا ہے۔

بھگتی رس وہ مستی پیدا کرتا ہے جس کے لئے خُمار نہیں ہے اور سب نشے اپنا ریَی ایکشن (پرتی کریا) رکھتے ہیں۔ اور عارضی سُکھ کے بعد دیر تک رہنے والا دُکھ لاتے ہیں۔ مگر بھگتی کا نشہ ایک رُوحانی سرور ہے جو پرم پوتر اور گیان سے بھرا ہے۔ یہ ظاہری بے ہوشی دراصل کمال ہوش ہوتا ہے۔ یہ زِندگی کی خوشی ہے، دُکھ کی فراموشی نہیں۔ یہ ظہور کی طرف سونا ہے اور حقیقت کی طرف جاگنا۔ اپنے اندر ہی پریم امرت کو پی کر بھگت شانت ہو جاتا ہے۔ اُس کا من وِشیوں کی طرف دوڑتا ہی نہیں۔ اِس نج دھن کو پا کر من کی وہ کنگالتا جو اُسے وِشیوں میں بھٹکاتی تھی دُور ہو جاتی ہے۔

مائی میں دھن پایو ہری نام　　من میرا دھاون تے چھوٹیو، کر بیٹھو وِشرام
(گورو نانک)

جب تک یہ آتم دھن پراپت نہ ہو من کسی حیلے سے بھی شانت نہیں ہوتا۔ ہٹھ اور جبر سے روکا ہُوا من بعد میں ساری کسر نکال لیتا ہے۔ مگر ہری رس کی پراپتی پر من کہتا ہے۔

کِت جائیے رے گھر لاگو رنگ

بھگت کا اپنا من ہی سورگ مے ہو جانے سے وہ اپنے آپ میں ہی سنتُشٹ رہتا ہے جس طرح بھکھرا منُش دوارے دوارے بھٹکا کرتا ہے، اِسی طرح جسے نج گھر میں وِشرام نہیں مِلا وہ ہر کشش میں ایک شے سے دُوسرے وِشے کی طرف بھاگتا ہے۔ اپنے آپ میں بھگتی رس اور پریم امرت کا لطف ہوتے ہوئے من

کسی اور طرف تکتا ہی نہیں۔ اپنے آپ میں مسرور ہوتا ہی سچّی پورنتا ہے۔ کچھ ملنے یا اپنے آپ سے باہر کچھ پالینے میں کوئی پورنتا نہیں۔ بھکت اپنے ہردے میں ہی بھگوان کا درشن کرتا ہوا پھول پہ بیٹھے ہوئے بھونرے کی مانند سدا سنتشٹ رہتا ہے۔

नहि स्वात्मा रामं मा विषय मृग तृष्णा भ्रमयति।

اپنے آپ میں چین پانے والے کو وشیوں کی مرگ ترشنا (سراب) نہیں بھٹکاتی۔

پریم کی وِشدّھتا

सा न कामयमाना निरोधरूपत्वात ॥ ७॥

۷۔ (وہ پریما بھکتی) کامنایکت (باخواہش) نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ نِرودھ سوروپا (تیاگ روپ) ہے۔

پورن پریم واسنا رہت ہوتا ہے۔ عشق اور غرض کا میل ہی نہیں۔ غرض جس قدر بڑھتی ہے، پریم گھٹتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف غرض جس قدر دور ہوتی ہے، پریم اسی قدر نمودار ہوتا ہے۔ پرمارتھ تو دور رہا، بیوہار میں بھی یہ بات ٹھیک بیٹھتی ہے۔ جب ہم کسی شخص کے ساتھ اپنی کسی غرض کے لئے پیار کرتے ہیں، تب دراصل اس شخص کے ساتھ پیار نہیں ہوتا، اپنی غرض مطلوب ہوتی ہے۔

اس لوک میں دھن، سنتان، کیرتی اور پرلوک میں سورگ کی اچھا سے ایشور بھگتی کرنا دراصل بھگتی نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی تجارت ہے۔ سچا پریم وہی ہے جو اپنے پریتم کے لئے ہی کیا جائے۔ اور اس میں کسی نزدیک یا دور کی غرض کا عنصر موجود نہ ہو۔ عشق وہ آگ ہے جو معشوق کے سوا سب کچھ ہی بھسم کر ڈالتی ہے یا ایک ظالم اژدہا ہے جو ماسوائے محبوب سب کو ہڑپ کر لیتا ہے۔ دراصل ہر ایک جیو (روح) اپنے سوروپ میں روشنی اور محبت ہے۔ لیکن جب وہ محبت کسی ایک شے پر محدود ہو کر خواہش کی صورت اختیار کرتی ہے تب اس کا بہاؤ رک جاتا ہے۔ لیکن جب جیو تمام کامناؤں کو چھوڑ دیتا ہے۔ تب اس کی محبت بے رکاوٹ دھارا کی مانند بہنے لگتی ہے۔ بے خواہشی میں ہی کمال عشق ہے۔ اور بے اختیاری میں کمال آزادگی۔ بھکتی (دنیا و عاقبت کی لذات) تو کجا اپنی بھکت پانچ پرکار کی (سالوکیہ۔ سارشٹی۔ سامیپیہ۔ ساروپیہ۔ سایُجیہ) مکتی بھی چھوڑ کر پریم سوروپ، بھگوان کے نرمل پریم میں ہی مگن رہتا ہے اور گاتا ہے۔

ایہہ ہمرے کرپا کیجے

رانی مکرند چرن کمل ستوں من بار بار ایہہ رہیجے　　آن جلا سے کاج نہ کچھوئے ہری بوند چاتک کو دیجے

بن ملیے ناہیں سنتو کھا پیکھ درسن نانک دیجے

خالص بھگتی ہمیشہ نرودھ روپا ہوتی ہے۔

निरोधस्तु लोकवेदव्यापारन्यास: ॥ ८ ॥

۸ - نرودھ کے معنی ویدک اور لوکک کرموں کا تیاگ ہیں۔

عام لوگ اپنی زندگی میں دو طرح کے کام کیا کرتے ہیں (ا) سنمارت :۔ دُنیوی قانون کے مطابق دُنیا کے کام (ب) شروت :۔ وید کی تعلیم کے موافق دھرم کے کارج۔ لیکن بھکت تو لوک اور پرلوک کی کوئی بھی کامنا نہ رکھتا ہوا اپنا آپ سمپورن روپ سے بھگوان کے حوالے کر کے بھگوت پریرنا سے بھگوت آدیش کا ہی پالن کرتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں رہنمائی اور تحریک بھگوان سے حاصل کرتا ہے۔ اور انتریامی کے ہاتھ میں یَنتر سمان ہو جاتا ہے۔ یہ نرودھ (تیاگ) بیرونی چیزوں کا نہیں بلکہ اپنی خودی اور ارادے کا تیاگ ہے۔ جب تک خودی اور خود غرضی موجود ہیں، ہر پہ دُنیوی اور مذہبی قانون کا ڈنڈا رہے گا۔ خودی اور فاعلیت کی پوٹ سر پر سے اُترتے ہی وہ آپ ہی نہیں رہتا باہر کے قانون کی پابندی کون کرے گا؟

جیوں بھاوے تیوں کھیل کھلاوے　　نانک درشٹی اور نہ آوے

جیوں تم راکھو تیوں ہی رہنا　　جو تم کہو سوئی ہم کرنا　　(گورو نانک)

بھکت گیانی کوی سُندر داس جی اس حالت کی تصویر یوں کھینچتے ہیں :—

نہ لاج تین لوک کی نہ وید کو کہیو رے　　نہ سنک بھوت پریت کی نہ دیو جچھ سے ڈرے

سُنے نہ کان اور کی درسے نہ اور اچھنا　　کہے نہ بات اور کی سُبھکتی پریم لچھنا

رنگ ہیں رنگ رو میں چُپ بھی کر جاہیں　　پرواہ ناہیں کسے کیری باجھ سچے ناہیں!

(آساوی وار)

तस्मिन्ननन्यता तद्विरोधिषूदासीनता च ॥ ९ ॥

۹ - صرف اُس پریتم بھگوان کے ساتھ ہی پریم اور اِس (پریم) کو روکنے والی باتوں کی طرف اُداسینتا (بے توجہی) کو بھی نرودھ کہا جاتا ہے۔

بھگتی مارگ میں تیاگ دو پہلو رکھتا ہے۔ (ا) مثبت :— کیول بھگوان کے ساتھ پریتی۔ (ب) منفی :— اس پریتی کی راہ میں حائل ہونے والی چیزوں کی طرف توجہ ہی نہ دینا۔ بھکتی کا تیاگ اپنی مکتی کے لیے نہیں بلکہ کیول بھگوت پریم کے لیے خود بخود ہو جاتا ہے۔ کیا نہیں جاتا۔ جب اُس چت چور (دلبر) نے بھکت کے

من کو ہی چرا لیا۔ تب اور سب کچھ اپنے آپ چھوٹ جاتا ہے۔ اس میں ہٹھ اور یتن کو دخل ہی نہیں ہے جس طرح سمندر کا جل سورج کی گرمی سے اور سب عناصر سے جدا ہو کر اپنی خالص صورت میں ہوا میں اٹھتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہی بھکت بھگوت پریم کی کشش سے سب کے درمیان رہتا ہوا بھی روحانی طور پر سب سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ بات نا ممکن ہے کہ ایشوری پریم اور دنیوی چیزوں کے لئے رغبت مل کر رہ سکیں۔ ع

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں — ایں خیال ست و محال ست و جنوں

अन्याश्रयाणां त्यागोऽनन्यता ॥ १० ॥

۱۰۔ اور سب سہاروں کو چھوڑ دینے کا نام ہی اننیتا (ترکِ ماسوا) ہے۔

جب تک من بھگوان کے سوا کسی اور وستو، شکتی، پرش یا دیوی دیوتا کا سہارا لے رہا ہے، تب تک وہ پریما بھکتی سے کورا ہے۔ بھکت تمام دوسری چیزوں اور خود اپنی طاقتوں اور تدبیروں کا سہارا بالکل چھوڑ کر کیول بھگوان کے آشرت ہوتا ہے اور گاتا ہے۔

پربھو جی! تو میرے پران آدھارے — نمسکار ڈنڈوت بندنا انک بار جاؤں بلہارے
تو میری اوٹ بل بدھ دھن تم ہی تو میرو پریوارے — اٹھت بیٹھت سووت جاگت ایہہ من تجھے چتارے
ایکو اوٹ ایکو آدھار (سکھمنی صاحب)

جب تک بھگوان کے بنا کسی اور شے کا سہارا ہے تب تک من مندر خالی ہی نہیں کہ اس میں بھگوان کا پرویش ہو سکے۔ ع

خانہ خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود — کیں ہوسناکاں جگہ را جائے دیگر مے کنند
اور اوٹ میں سگلی تیاگی، اک تیری اوٹ رہا ہیے (گورو نانک)
ایک بھروسے ایک بل ایک آس وشواس — ایک رام گھنشیام ہت چاتک تلسیداس

लोके वेदेषु तदनुकूलाचरणं तद्विरोधिषूदासीनता ॥ ११ ॥

۱۱۔ لوکک اور ویدک کرموں میں بھگوان کے انوکول کرنا ہی اس کے پرتیکول وشیوں میں اداسینتا ہے۔

دنیاوی کاموں اور مذہبی رسوم کو ترک کر کے بھی اگر ہماری توجہ ان پر نکتہ چینی یا ان سے پرہیز کی طرف لگی رہے تو یہ سچی اداسینتا نہیں ہے۔ پریما بھکتی کی اداسینتا سے یہ مطلب ہے کہ بھکت لوک اور وید کے کاریوں میں جو کچھ بھی کرتا ہے، وہ بھگوت پریتی سے پریرت ہو کر کرتا ہے اور اپنے لئے پھل کی آشا کو چھوڑ کر سب کرم بھگوان کے ارپن کر دیتا ہے۔ ایسا کرنے پر وہ ان تمام کاریوں سے جو بھگوت پریم کے ورودھی ہیں، خود بخود ہی اداسین

ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کی ساری توجہ بھگوت پراپتی اور بھگوت سیوا میں لگ جاتی ہے۔ یہ اُداسینتا پریم کی ہے، ویراگیہ کی نہیں۔ سہج ہے یتن ساددھیہ نہیں۔ اور اس کی پیدائش بھگوت گُن گان سے ہوتی ہے۔ وِشیوں میں دوش درشٹی (عیب بینی) سے نہیں۔

भवतु निश्चयदाढर्यादूर्ध्वं शास्त्ररक्षणम् ॥१२॥

۱۲۔ اُس پریم کو پانے کا مَن میں درِڑھ نشچے ہونے پر بھی شاستر میں بتلائے ہوئے کرموں کو کرتے رہنا چاہیئے۔

اگرچہ پریم مارگی سادھک شاستروں کی وِدھی نشیدھی (امر و نہی) سے اُوپر اُٹھ کر کیول بھگوت پریرنا سے ہی پریرت ہو کر جینے کی ٹھان چُکا ہے اور اپنے ترک اور اختیار کو اپنے پریم مارگ کی رُکاوٹیں جانتا ہے تو بھی دیورشی تاکید کرتے ہیں کہ اُسے اپنے اِرادے سے کبھی شاستر وِدھی اور نشیدھ کا اُلنگھن نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں جب کیول بھگوت پریتی لابھ ہونے پر وِدھی نشیدھ کی سُدھ ہی نہ رہے تو اور بات ہے۔ اس پریتی کو حاصل ہونے اور اس میں اور سب کچھ بھول جانے سے پہلے شاستر مریادا کو چھوڑ بیٹھنا ایک بڑی بھول ہے۔ جس کا نتیجہ اگلے سُوتر میں بتلایا گیا ہے۔

अन्यथा पातित्याशङ्कया ॥१३॥

۱۳۔ ورنہ گِر جانے کا اندیشہ ہے۔

جب تک بھگوت پریم میں اور سب کچھ بلکہ اپنا آپ بھی بھول جانے سے سہج اور سوبھاوک دِوّیہ جیون کی پراپتی نہ ہو جائے، شاستر مریادا سے بے پرواہی گراوٹ کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لیئے جب تک پندارِ خودی اور اِرادہ موجود ہیں تب تک شاستر نیم کا پالن کرتے رہنا چاہیئے۔ ورنہ اپنے اِرادے اور تدبیر سے بعض ایسے کاموں کا ارتکاب مُمکن ہے جو پریم آکاش میں جیو کے پرواز کو روک کر نیچے وِشے بھُومی کی طرف گرانے والے ہوں گے۔ پریم مارگ کی پھسلن مشہور ہے۔ ذرا سی غلطی بھی سورگ سے رساتل میں پہنچا دیتی ہے۔

लोकेऽपि तावदेव किन्तु भोजनादिव्यापारस्त्वाशरीरधारणावधि ॥१४॥

۱۴۔ لوک کے کرموں کو بھی تب تک کرنا چاہیئے، جب تک کہ باہر کی سُدھ باقی ہے۔ لیکن بھوجن آدی ویاپار تب تک جاری ہی رہیں گے۔ جب تک کہ شریر چھُوٹ نہیں جاتا۔

اگرچہ جذبۂ عشق میں بالکل ہی محو ہو رہنے پر (امر و نہی) کا خیال ہی نہ رہے گا۔ مگر جب تک جسم

ہے، کھانا وغیرہ ضرورٔیاتِ جسمانی کو پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ اُن کے بغیر خود زندگی ہی قایم نہیں رہ سکتی۔ اور اِس بارے میں غافل ہونا جسم کے اندر بیماریوں کو پیدا کر کے بھگوان کی طرف توجہ کے سہج بھاؤ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اور اگرچہ اِن باتوں میں خاص دلچسپی نہ رہے گی۔ مگر عادتاً یہ کام جاری ہی رہیں گے۔ اِس لئے اِن ضرورٔیات سے غافل ہونے کو کمالِ عشق کی علامت سمجھنا ایک مضر بھول ہے۔

بھکتی کے لکشن اور اُداہرن

(علامات اور مثالیں)

بھکتی کے سوُروپ اور پریم کے کیولیہ اور وِشُدھ بھاو کا ذکر کرنے کے بعد اب بھکتی کی علامات بتلاکر اس کی مثالیں پیش کی جائیں گی۔

तल्लक्षणानि वाच्यन्ते नानामतभेदात ॥१५॥

۱۵۔ اب بھکتی کے لکشن بھِنّ بھِنّ متوں کے انوسار بتلائے جاتے ہیں۔

پہلے دوسرے بھکت رشیوں کے مت بتلاکر دیورشی نارد جی اِس بارے میں اپنا مت پرگٹ کریں گے۔

पूजादिष्वनुराग इति पाराशर्य: ॥१६॥

۱۶۔ پراشر رشی کے بیٹے وید ویاس جی کے مت میں (بھکتی کا لکشن) پوجا آدی میں انوراگ ہے۔

وید ویاس جی کے مت میں بھگوان کی پرتیما (مورتی) یا وشوروپ میں اپنے تن من اور دھن سے پوجا آدی کرنے کی لگن کا نام ہی بھکتی ہے۔ اِس بھکتی درشن کے شروع میں بتلا آئے ہیں کہ صرف اکھشر گیان ہی سمجھے اور آشا کو جنم دیتا ہے۔ اکھشر گیان مکرت کرتا ہے۔ لیکن اکھشراتیت پرشوتم کا گیان پوجا بھاو (ادب — Reverence) کو اُبھارتا ہے۔ شو بھاو سے ہی منش ستیہ، شو، سُندر کی پوجا کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اس پوجا کا بڑھتا ہوُا شوق ہی بھکتی کا ماپ ہے۔

कथादिष्विति गर्ग: ॥१७॥

۱۷۔ گرگ (آچاریہ) بھگوت کتھاؤں کو سننے کی لگن کو بھکتی کا لکشن بتلاتے ہیں۔

پیارے کی کتھا (تذکرہ) سدا ہی پیاری ہوا کرتی ہے۔ سارا جگت بھگوت مورتی ہے۔ اور اس کا سارا بیاپار بھگوت کتھا ہی ہے۔ بھکت جن ہر ایک روپ، وستو اور گھٹنا میں بھگوان کی ستا (ہستی) منگل (بھلائی) اور سوندریہ (جمال) دیکھتے ہوئے دمبدم اپنے بھکتی بھاؤ کو بڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔ اور اوتاروادی لوگ بھی اپنے اشٹ اوتار کی جیون لیلا، پربھاؤ، رہسیہ اور مہما کی بار بار کتھا کرنے اور سننے کا امٹ شوق رکھتے ہیں۔ ان کی درشٹی سارے جگت بیاپار میں بھگوان کی آنند لیلا پر ہی رہتی ہے۔ اور وہ اپنی زبان اور کانوں کو بھگوت کتھا کے امرت سے پوتر کیا کرتے ہیں۔

आत्मरत्यविरोधेनेति शाण्डिल्यः ॥ १८ ॥

۱۸۔ شانڈلیہ رشی کے مت میں اپنے سوروپ میں لگاتار رت اور مگن رہنا بھکتی ہے۔

بھکتی کی اس تعریف کے مطابق بھکتی اور گیان میں کوئی بھید ہی نہیں ہے۔ کیونکہ گیان مارگی سدا آتم چنتن میں لگا رہتا ہے۔ نج آتما کو چھوڑ کر لوک یا پرلوک کے وشے کی بھی واسنا نہیں رکھتا۔ وہ اپنے واستو سوروپ میں ہی آنند کو ڈھونڈتا اور پاتا ہے۔ آتما سے بھن وہ کسی بھی پدارتھ کی تلاش نہیں کرتا اور اس سوتر میں شانڈلیہ رشی جی نے بھی بھکتی کی یہی تعریف کی ہے کہ بھکت لگاتار اپنے آپ میں ہی مگن رہتا ہے۔ شنکر آچاریہ جی نے بھی بھکتی کی یہی تعریف کی ہے۔

मोक्ष कारण सामग्र्यां भक्तिरेव गरीयसी ।
स्व स्वरूपानु सन्धानं भक्तिरित्यभिधीयते ॥

"موکھش کے ذریعوں میں سب سے افضل ذریعہ بھکتی ہے۔ اپنے سوروپ کی کھوج کو ہی بھکتی کہتے ہیں"

پرشوتم اکشر اتیت پرماتما کوئی غیر یا بیرونی درشیہ نہیں ہے۔ بلکہ سب کا اپنا آپ ہے۔ وہی نرگن سوروپ ہے۔ سب کا انتر آتما ہے۔ اور وہی سگن سوروپ میں جگت کے روپ میں ساتربیت ہوتا ہے۔ باہر اس کا پرکاش اور رنتیہ لیلا ہے۔ اندر وہ آپ ہے۔ وہی ہر ایک کی ہستی کی ہستی، ہر ایک جان کی جان اور ہر روشنی کی روشنی ہے۔

नारदस्तु तदर्पिताखिलाचारिता तद्विस्मरणे परमव्याकुलतेति ॥ १९ ॥

۱۹۔ لیکن نارد جی کے مت میں بھکتی کا لکشن ہے اپنے سب کاموں کو بھگوان کے ارپن کرنا۔

اور بھگوان کو بھول جانے پر پرم ویاکُل (نہایت بیقرار) ہونا۔

دیورشی ناردجی کی رائے میں بھکتی کے دو عناصر ہیں :۔

(ا) تن، وچن اور من سے جو کچھ بھی کیا جائے، اُس میں اپنے ذاتی مان اپمان، جیت ہار، سُکھ دُکھ، استُتی، نِندا اور نفع و نُقصان کا کوئی خیال نہ رکھتے ہوئے کیول بھگوان کی پراپتی کے لئے اُس کے ارپن کردینا۔ یہ عملی زندگی کی بھگتی ہے۔ بھکتی کے اِس بھاو کو لے کر مہاتما کارلائیل کہتا ہے :۔ Action is worship. (کام ہی عبادت ہے)۔ اِس عملی عبادت کو چھوڑ کر صرف خیال اور جذبے سے ایشور بھکتی کرنا سارے وجُود کی بھکتی نہیں اور اِس لئے مکمل اور پوری بھکتی نہیں۔ دُنیا میں ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ صرف ایشور کی یاد اور محبت کو ہی بھکتی جان کر خودغرضانہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر اِس تعریف کی رُو سے اُن کی بھکتی بالکل یکطرفہ ہے۔ محبت اور اپنانے کا اصلی امتحان تو عملی زندگی میں ہوتا ہے۔

(ب) لگاتار بھگوان کی یاد میں رہنا اور ذراسی فراموشی کی حالت میں پانی سے باہر مچھلی کی مانند تڑپنے لگ جانا۔ اگر فراموشی کی حالت میں کوئی تکلیف نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بھکتی صرف خیالی ہے اور جذباتی طبیعت پر پریم کا رنگ نہیں چڑھا۔

اِنسانی ذہن کے تین پہلو ہیں :۔ خیال (سنکلپ)، جذبہ (بھاو) اور ارادہ (اِچھا) بھکتی کی یہ تعریف اِن تینوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اِس کے مُطابق بھکت بھگوان کے ساتھ اپنے گیان، بھاو اور اِچھا کے ذریعہ ہردم جُڑا رہتا ہے۔ اور اِس لئے یہ تعریف مُکمل ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو بھی بھکت سے وِیکت (الگ) نہیں رہنے دیتی۔

अस्त्यवेमेवम्　　॥ २० ॥

۲۰۔ ٹھیک ایسا ہی ہے۔

اِن سُوتروں کا مؤلف (سنگرہ کرتا) کہتا ہے کہ ناردجی نے بھکتی کی جو تعریف کی ہے، وہی درست اور مکمل ہے۔

اِس پریم بھکتی کی مثالیں

यथा ब्रजगोपिकानाम ॥ २१॥

۲۱۔ جیسے برج گوپیوں کی۔

برج گوپیوں کی بھگوان کرشن میں جو بھگتی تھی، اس میں بھگتی کے مذکورہ بالا دونوں عناصر پورے طور پر موجود پائے جاتے ہیں۔ جب اُدھوجی نے گوپیوں کو یوگ کرنے کے لیئے کہا، تو وہ جواب میں کہتی ہیں " اُدھوجی! یوگ انھیں جاکر سکھلاؤ جہاں شیام سُندر کا وِیوگ ہو۔ یہاں تو دیکھو، سدا ہی یوگ ہے۔ ہمارا پیارا شیام سدا ہی ہمارے ساتھ رہتا ہے"۔

شریمد بھاگوت میں بھگوان کرشن خود فرماتے ہیں :- " اے گوپیو! تم نے میرے لیئے گھر بار کی سخت بیڑیوں کو توڑ کر میرا بھجن کیا ہے۔ تمہارا کاریہ سرو تھا نردوش (بے عیب) ہے۔ میں دیوتاؤں کی لمبی عمر تک بھی تمہارے اس قرض کو اُتار نہیں سکتا۔ تم اپنی اُدارتا (دریا دلی) سے ہی مجھے اس قرض سے چھڑا سکتی ہو"۔

بھاگوت میں گوپیوں کی عملی زندگی کے متعلق کہا گیا ہے :- " جو گوپیاں گایوں کا دودھ دوہتے، دھان وغیرہ کوٹتے، دہی بلوتے، آنگن لیپتے، بالکوں کو جھلاتے، روتے بچوں کو لوری دیتے، گھر میں چھڑکاؤ کرتے یا جھاڑو دیتے وقت پریم بھرے دل اور آنسو بھری آنکھوں سے اور گدگد بانی سے شری کرشن کے گُن گانے میں لگی رہتی ہیں، وہ بھگوان میں چِت لگانے والی گوپیاں دھنیہ ہیں"۔

شری کرشن اور گوپیوں کی کتھا کے ذریعہ بھگتی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، وہ ہر پہلو سے مکمل ہے۔ مہا پربھو شری چیتنیہ دیو نے اسی لیئے گوپیوں کو " پریم مارگ کا گورو " مانا ہے۔

तत्रापि न माहात्म्यज्ञानविस्मृत्यपवादः ॥२२॥

۲۲- لیکن اس (گوپیوں کی بھگتی) پر بھگوان کے مہاتمیہ گیان (احساس عظمت) کی وِسمرتی (فراموشی) کا کوئی دوش نہیں لگایا جا سکتا۔

بعض کا خیال ہے۔ احساس عظمت اور محبت دونوں یکجا نہیں رہ سکتے۔ پریما بھگتی کے لیئے بھگوان کے پربھاو رہسیہ اور مہما کا خیال ایک رکاوٹ ہے۔ کیونکہ بھگوان کے ایشوریہ اور مہما کا خیال بھگت کے دل پر ہیبت پیدا کرکے پرسپر پریم کی سہج لیلا ہونے نہیں دیتا۔ اس خیال کے لوگ بھگوان کے اننت بھاو۔ پورنتا اور سرو شکتیمان تا آدی گنوں کی طرف درشٹی دینا پسند نہیں کرتے اور پربھو کہنے کی بجائے اُسے اپنا سکھا جانتے ہیں۔

مگر سوتر کار اس خیال کی تائید نہیں کرتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ گوپیوں کے پریم میں بھگوت مہاتمیہ کا گیان برابر موجود تھا۔ یعنی وہ بھگوان صرف اپنا پریتم ہی نہیں بلکہ بھگوان بھی ہے، ایسا جانتی ہوئی اُس کی مہما کے گیت گاتی تھیں۔ اگر پریم بھگوان کے اننت ایشوریہ کو سہار نہیں سکتا، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بھگوان سے پریم کرنے کے لیئے اُس کے کئی بھاووں Aspects کی طرف سے آنکھوں کا بند کرنا

ضروری ہے۔

तद्विहीनं जाराणामिव ॥२३॥

۲۳۔ اِس (مہاتمیہ گیان) کے بنا تو بھگتی یاروں کی محبّت کی مانند ہوگی۔

اگر بھگوان کو بھگوان جان کر اُس سے پریم نہیں کیا جاتا تو یہ صرف جذباتی کھیل ہے۔ رُوحانی محبّت نہیں۔ کیونکہ رُوحانی محبت میں ظاہرا بے ادبی کے اندر گہرا ادب Reverence موجود رہتا ہے اِس ادب کے بغیر صرف جذباتی کشش کوئی اعلیٰ قیمت نہیں رکھ سکتی۔

بھگوان کا ارتھ ہے بھگ والا۔ بھگ چھ ہیں (ا) کُل الشوریہ (ب) کُل دھرم (ج) کُل یش (د) کُل شری (شوبھا) (ر) کُل گیان (س) کُل ویراگیہ ـــ جن لوگوں میں اِن بھگوں کی دھندلی سی جھلکیں بھی پائی جائیں، اُنھیں ہی لوگ مہان اور بڑا ماننے لگ جاتے ہیں۔ اگر بھگوان کے اِن بھگوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو اِس کے ساتھ محبت بھی جنسی محبت Sexual Love پر کوئی فوقیت نہ رکھے گی۔ کیونکہ اِس میں ادب اور احترام کا عنصر غیر موجود ہوگا۔

بھگتی ہین آتم گیان میں یہی کمی ہے کہ اِس میں آنند اور مُکتی تو پائے جاتے ہیں۔ لیکن شردھا کا عنصر موجود نہیں ہوتا۔ پرشوتم گیان ہی منش کے اندر شردھا بھگتی پیدا کر کے خالی مُکتی کو ہیچ قرار دیتا ہے۔

नास्त्येव तस्मिंस्तत्सुखित्वम् ॥२४॥

۲۴۔ اُس (یاری) میں پریتم (محبوب) کے سُکھ میں سُکھی ہونے کا بھاو نہیں پایا جاتا۔

اِس سُوتر میں رشی شہوانی اور رُوحانی محبت کا فرق دکھلاتے ہیں۔ شہوانی محبت (کام) ہمیشہ اپنے سُکھ کے لئے ہوتی ہے۔ کامی پُرش دُوسرے کو اپنے سُکھ بھوگ کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ مگر رُوحانی محبت اپنے محبوب کو سُکھ دیتی ہے، اُس کے لئے سب دُکھ اُٹھاتے اور اُس کے سُکھ میں سُکھی ہونے کی صفت رکھتی ہے۔ گوپیوں کا بھگوان شیام کے ساتھ پریم کا رُوپ نہ تھا۔ اُنھوں نے تو اپنے تن، من رُوپ، جوبن، بُدھی، پران اور دھن کو بھگوت پُوجا کی سامگری بنا رکھا تھا اور وہ بھگوان کی پرسنتا میں ہی پرم سُکھ انُبھو کرتی تھیں۔ کام واسنا ہمیشہ انگ سنگ (مصاحبت) کے لئے بیقرار ہوتی ہے۔ مگر گوپیوں میں اِس خواہش کی بُو تک نہ تھی۔

کام اور پریم میں بڑا انتر (فرق) ہے۔ کام اندھ تم (اندھیرا) ہے، پریم سُورج ہے۔ کام سوارتھی ہوتا ہے، پریم اپنا آپ دان کرتا ہے۔ کام سُکھ لے کر تسلّی پاتا ہے مگر پریم سُکھ دے کر سپھل ہوتا ہے۔ کام

بھنور ہے۔ پریم ندی ہے۔ کام کو ئلہ ہے اور پریم ہیرا۔

گوپیوں کی مثال پیش کر کے پریم روپا بھگتی کے چار ضروری اجزاء کی وضاحت کی گئی ہے۔

(ا) بھگوان کو اپنا سب کچھ ہی سونپ دینا۔

(ب) بھگوان کے بھول جانے پر نہایت بیقرار تڑپ کا پیدا ہونا۔

(ج) بھگوان کے مہاتمیہ کا یتھارتھ گیان۔

(د) بھگوان کی پرسنتا میں سکھ انوبھو کرنا اور اس کے سکھ میں سکھی ہونا۔

پریم روپا بھگتی پھل روپا ہے

सातु कर्मज्ञानयोगेभ्योऽप्यधिकतरा ॥२५॥

(۲۵) وہ تو کرم گیان اور یوگ سے بھی بڑھ کر (افضل) ہے۔

کرم۔ گیان۔ یوگ بھگوت پراپتی (وصالِ یاری) کے سادھن ہیں۔ مگر بھگتی (پریم) آپ ہی پھل روپ ہے۔ کیونکہ بھگوان کا واستو سوروپ پریم ہی ہے۔ جتنا پریم اتنا ہی ساکھشات انوبھو۔ بھگتی کا دوار سب کے لئے کھلا ہے۔ کرم، گیان اور یوگ کے لئے وشیش سامرتھ (خاص قابلیت) چاہیئے۔ لیکن بھگتی تو ایک کمزور، بیمار اور کم سمجھ انسان بھی کر سکتا ہے۔ بھگتی میں ادھیکار بھید نہیں ہے۔

جات پات نہ پوچھے کوئی　　　　ہری کو بھجے سو ہری کا ہوئی

بھگتی مارگ میں گرنے کا اتنا اندیشہ نہیں جتنا کہ اور مارگوں میں۔ یہ سہج سادھن ہے اور آپ ہی سدّھی روپ ہے۔

بھگوان کسی بھی اور سادھن سے وش میں نہیں آ سکتے۔ کیول وشدھ پریم سے پرے جا کر اپنے بھگتوں کے داس اور آشرے بن جاتے ہیں۔

نا تو آویں وس بہت گھناونے　　　　نا تو آویں وس وید پڑھاونے

نا تو آویں وس تیرتھ ناہیے　　　　نا تو آویں وس دھرتی دھاہیئے

نا تو آویں وس کتے سیانپے　　　　نا تو آویں وس بہتا دان دے

سبھ کو تیرے وس۔ اگم اگوچرا　　　　تو بھگتاں کے وس، بھگتاں تان تیرا

(گورو نانک)

اے اگم اگوچر! تو بہت چھو چھو کرنے۔ وید پڑھنے، تیرتھ سنان کرنے۔ پرتھوی پر گھومنے اور دانائی اور

دان وسخاوت سے بس میں نہیں آسکتا۔ سب کچھ تیرے بس میں ہے (مگر) تو بھگتوں کے بس میں ہے۔ اور انھیں تیرا ہی سہارا ہے۔

फलरूपत्वात ॥२६॥

۲۶۔ کیونکہ (پریما بھکتی) پھل روپا ہے۔

جس بھکتی کو گیان پراپتی کا ایک عارضی وسیلہ خیال کیا جاتا ہے وہ پریما بھکتی نہیں بلکہ اُپاسنا ہے۔ جو من کا وکشیپ (چنچلتا) دور کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ پریم روپا بھکتی تو سارے سادھنوں کا آخری پھل ہے۔ مگر اہل عقل گیان پر ٹھہر جاتے ہیں۔ اور عشق کی بلندی سے بہت نیچے رہتے ہیں ؎

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقل ست
کسے آں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

(حافظ شیرازی)

ईश्वरस्याप्यभिमानद्वेषित्वाद् दैन्यप्रियत्वाच्च ॥२७॥

۲۷۔ ایشور کو بھی ابھیمان (تکبر) سے دویش (نفرت) ہے۔ اور اُسے دینتا (انکسار) پیاری ہے۔

در اصل بھگوان کو کسی بھی پرانی کے ساتھ راگ دویش نہیں ہے۔ جب ہم اپنے تکبر سے اپنے اوپر زندگی اور برکت کا دروازہ بند کر کے ٹھوکریں کھاتے ہیں، تب ہم اس دکھ اور محرومیت کو بھگوان کے دویش سے منسوب کرتے ہوئے اُسے درپ ہاری کا نام دیا کرتے ہیں۔ اور جب اپنی انکساری سے کشائش محسوس کرتے ہیں۔ تب اُسے رحمت اور کرپا کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ بھگوان سم درشی ہیں۔

اپنے وجود میں ظاہر ہونے والی خوبیوں کو اپنے آپ سے منسوب کرنے کا نام ابھیمان یا تکبر ہے۔ یہ تکبر چشمۂ کل سے ہمیں بے تعلق کر دیتا ہے۔ اور خوبیوں کے ہوتے ہوئے بھی انھیں بھگوان کا دان سمجھنا سچی نمرتا ہے۔ یہ نمرتا ہمیں اپنی اصل سے واصل کر کے دمبدم نئی سے نئی برکات لاتی ہے۔ اسی لیے صوفی کہتا ہے ؎

زور را بگذار زاری را بگیر　　رحم سوئے زاری آید اے فقیر
گر کنی زاری بیابی رحم او　　رحم او در زاری خود باز جو

(مثنوی شریف)

کر کرپا جس کے ہردے گریبی بساوے　　نانک ایہاں مکت آگے سکھ پاوے

(سکھمنی صاحب)

سبد کی رین ہوئے ایہہ منوا سگلے ولیسہہ میت پیارے
سبد مدھے رویا میرا ٹھاکر واں دیت سبد جیہ جن تارے
(گورو نانک)

بھگت کبیر کہتے ہیں : ———

ہری بھیئو کھانڈ ریت میں بکھری ہستی چُنیو نہ جائی!
کہہ کبیر گُل جات پات تج چیونٹی ہوئے چُن کھائی!

یعنی بھگوان ریت میں بکھری کھانڈ ہیں جو ہاتھوں سے چُنی نہیں جاتی۔ میں، کُل، اور جات پات کا سب ابھیمان چھوڑ چیونٹی بن کر اُسے کھا رہا ہوں۔ پریم رُوپا بھگتی کے سوا باقی سب سادھن زور سے تعلق رکھتے ہیں۔ کرم میں قوتِ ارادی۔ گیان میں عقل اور یوگ میں یکسوئی قلب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مگر اس بھگتی میں کیول ماتر بھگوان ہی سہارا اور بل ہوتے ہیں۔ کیونکہ خودی اور خدا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

(مو نادیں نال دِرودھ ہے لبھہ نہ اِک کٹائے)

तस्या ज्ञानमेव साधनमित्येके ॥२८॥

۲۸۔ بعض آچاریہ کہتے ہیں کہ اس (بھگتی) کا سادھن گیان ہی ہے۔

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جسے ہم جانتے ہی نہیں، اُس کے ساتھ پریم کرنا ممکن نہیں ہے۔ بھگت جانتا ہے کہ بھگوان سب کے سوامی، جگت کو پیدا کرنے، پالنے اور مٹانے والے، سروگیہ، سروشکتیمان، سروآتما، سرو ساکشی، سرو آدھار، سرو دیاپی اور نِردکار ہیں۔ کیول بھگوان کا نام سُننے سے شردھا نہیں ہو سکتی۔ شردھا سے ہی پریتی اور پریتی سے بھگتی کی پراپتی ہو سکتی ہے۔ پس شردھا بنا بھگتی اور گیان بنا شردھا کا ہونا اسمبھو ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بھگت کو بھگوان کا ادویت گیان بھی حاصل ہو۔ کیول اُس گنی کے گنوں کا ایک حد تک جاننا لازمی ہے۔

अन्योन्याश्रयत्वमित्यन्ये ॥२९॥

۲۹۔ اور آچاریوں کا خیال ہے کہ بھگتی اور گیان ایک دوسرے پر سہارا (انحصار) رکھتے ہیں۔

بعض نے پریم اور گیان کو ایک دوسرے کے سہارے مانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح آنکھ، چہرے کے بغیر نہیں دیکھ سکتی اور چہرہ آنکھوں کے بغیر اندھا ہوتا ہے۔ روشنی گرمی کے سوا بے جان ہے اور گرمی روشنی کے سوا بے حُسن ہے اور دل اور پھیپھڑے ایک دوسرے کے تعلق میں ہی معنی اور ہستی رکھتے ہیں۔

اسی طرح گیان اور پریم ایک دوسرے کے بغیر وجود نہیں رکھتے۔ جاننے کے بعد ہی محبت ممکن ہے۔ اور

محبت کے بغیر ہم کسی طرف متوجہ ہی کیوں ہوں گے؟

स्वयं फलरूपतेति ब्रह्मकुमार: ॥३०॥

۳۰۔ مگر برہم کمار (سنت کمار اور نارد جی) کہتے ہیں کہ بھکتی آپ ہی پھل روپ ہے۔

بھکتی وسیلہ نہیں، خود مقصد ہے۔ بھگت کیول پریم کے لئے ہی پریم کرتا ہے، کسی پھل کیلئے نہیں۔ جب تک پھل کی آشا ہے تب تک بھگتی کا سوانگ ہی ہے۔ کیونکہ اس کی تہ میں خودی اور خود غرضی کے سوا کچھ نہیں۔ پریمی بھگت، بھکتی، شکتی، سدھی یا مکتی کی مطلق پرواہ نہیں رکھتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بھکتی ترالمب (بے سہارا) وستو ہے۔ کسی کا بھی سہارا نہیں رکھتی۔ گیان وگیان اس کے آدھین ہیں۔ وہ آپ سوتنتر ہے۔

سو سوتنتر اولمب نہ جانا   تیہی آدھین گیان وگیانا

(تلسیداس جی)

राजगृहभोजनादिषु तथैव दृष्टत्वात ॥३१॥

न तेन राजपरितोष: क्षुधाशान्तिर्वा ॥३२॥

۳۱-۳۲:- راج گرہ اور بھوجن آدی میں ایسا ہی دیکھا جاتا ہے۔ نہ اس سے راجہ ہی پرسن ہوتا ہے۔ اور نہ اپنی بھوک مٹتی ہے۔

مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ نرے گیان سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ راج محل کو جاننے سے اس میں بسنے والا راجا تو پرسن نہیں ہو جاتا یا صرف بھوجن کو ساکھشات دیکھ لینے سے بھوک تو مٹ نہیں جاتی۔

دماغ جان کر عقلی تسلی اور یقین حاصل کر سکتا ہے۔ مگر محبت کے بغیر بھوکا ہی مرتا ہے۔ گیان سے ہم بھگوان اور اس کی وبھوتی سے متعلق جانتے ہیں۔ مگر پریم سے خود بھگوان کی پراپتی ہوتی ہے۔

مغربی دنیا کا ایک مشہور عاشقِ حق کہتا ہے:-

He may be gotten and holden by thought never.

"بھگوان کبھی خیال سے پایا اور پکڑا نہیں جا سکتا"

بھگوان خود بھگوت گیتا میں فرماتے ہیں:-

समोऽहं सर्वभूतेषु न मे द्वेष्योऽस्ति न प्रिय: ।

ये भजन्ति तु मां भक्त्या मयि ते तेषु चाप्यहम् ॥

"میں سب جانداروں میں یکساں طور پر موجود ہوں۔ نہ مجھے کسی سے نفرت ہے اور نہ کسی سے اُلفت۔ لیکن جو بھکتی کے ساتھ میرا بھجن کرتے ہیں، وہ مجھ میں ہیں اور میں اُن میں ہوں۔"

तस्मात्सैव ग्राह्या मुमुक्षुभिः ॥३३॥

۳۳ - اس لئے مُکتی چاہنے والوں کو بھکتی ہی گرہن کرنی چاہیئے۔

اکثر لوگ سنسار بندھن سے مُکت ہونے کے لئے کرم یوگ، گیان یوگ یا راج یوگ کا سہارا لیا کرتے ہیں۔ سوتر کار فرماتے ہیں۔ مُکتی چاہنے والوں کو بھی بھکتی مارگ پر چلنا چاہیئے۔ کیونکہ اس مارگ پر چلنے سے بلا محنت مُکتی خود بخود ہی مل جاتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص بچھیری والی گھوڑی خرید کرے۔ تو گھوڑی کے سودے کے ساتھ بچھیری مل ہی جائے گی۔ اسی طرح ایشور بھکتی کرنے سے بھگوت پراپتی کے ساتھ مُکتی مُفت میں مل جاتی ہے۔ اسی لئے بھگت لوگ مُکتی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

مُکتی نرادر بھکتی لُبھانے

گورو نانک دیوجی بھی گیانیوں کو بھگتی کا اُپدیش دیتے ہیں۔

گور کی متی تو لیہہ ایانے بھکتی بنا بہو ڈوبے سیانے

(سُکھمنی)

بھگتی کے سادھن اور ست سنگ کی مہما

तस्याः साधनानि गायन्त्याचार्याः ॥३४॥

۳۴ - آچاریہ گن اُس بھکتی کے سادھن بتلاتے ہیں۔

ततु विषयत्यागात् सङ्गत्यागाच्च ॥३५॥

۳۵ - وہ (بھکتی سادھن) وشے تیاگ (ترکِ لذات) اور سنگ تیاگ (ترکِ اُلفت) سے ہوتا ہے۔

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ چونکہ جیو پریم سوروپ بھگوان کا ہی ایک انش ہے۔ وہ گویا سورج ہیں اور یہ ایک کرن۔ وہ ساگر ہیں اور یہ ایک بوند۔ اس لئے جیو کا نج سوبھاؤ پریم ہی ہے۔

یہی پریم جب وشیوں کی طرف بہتا ہے، بھگوان سے دُور کرتا ہے۔ اور کام کہا جاتا ہے۔ اور جب یہی پریم سب دِشئے سُکھ اور دِشئے آسکتی چھوڑ کر بھگوان کی طرف رُخ رکھتا ہے، دِوّیہ پریم کہلاتا ہے۔ کام اور ایشور بھگتی میں رُخ کا فرق ہے، اصلیت کا نہیں۔ پریم کو وشیوں سے ہٹا کر بھگوان میں لگانا ہی بھگوت پراپتی کا سہج مارگ ہے۔

رَبّ دا کی پاونا　　　ایدوں پُٹ کے اودے لاونا

(بُلھا شاہ)

لیکن ایشور بھگتی کے لئے صرف وِشیوں کو بیرونی طور پر ترک کر دینا کافی نہیں۔ دِل سے بھی اُن کی اُلفت کا دُور ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پریم دھارا بھگوان کی طرف نہ بہہ سکے گی۔ دُوسرے لفظوں میں وِشیوں کا تیاگ صرف بیرونی نہیں بلکہ اندرُونی بھی ہونا چاہیئے۔

دِل سے ہی بیرونی لذات کی کشش اور اُلفت دُور ہونے پر بھگوان کی طرف رُوحانی کشش خودبخود اِس طرح نمودار ہو جاتی ہے۔ جیسے چندن سے میل اُتارنے پر اُس کی خوشبو۔

یہ عام تجربے کی بات ہے کہ جدھر شوق کے ساتھ توجہ لگائی جائے اُدھر من کا جھکاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ بھگت کو چاہیئے کہ اِن وِشیوں کی طرف، جو بھگوان کے بُھلانے کا باعث ہوتے ہیں، چھوڑ کر بھگت درشن، کیرتن، کتھا شروَن میں اپنی اِندریوں کو لگائے۔ تن اور من بیکار رہنے کی بجائے بھگوت پُوجا اور سیوا میں ہی لگے رہیں۔

بھگتی کی پُورنتا اِسی بات میں ہے کہ جیو بھوگتا ہونے کی جگہ آپ بھگوان کا بھوگیہ ہو جائے۔

अव्यावृतभजनात ॥ ३६ ॥

۳۶۔ لگاتار بھجن سے (بھگتی کا سادھن ہوتا ہے)۔

بھگتی سادھن کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ ساری زندگی کا رُخ سنسار سے بھگوان کی طرف پلٹ جائے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تیل دھارا کی مانند ساری زندگی کا بہاؤ بھی بھگوان کی طرف جاری رہے۔ ورنہ بھگتی کے سپھل ہونے میں نہ صرف دیر ہوگی بلکہ وِگھن پڑنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ بھگوان کو بھول جانے سے من وِشیوں کی طرف دوڑنے کے سِوا کوئی چارہ نہ رکھے گا۔ صرف بھگوت پریتی کو پانے کو پانے کے لئے نہیں بلکہ بھگوت پریتی کا لابھ کر چکنے پر بھی لگاتار بھجن ضروری ہے۔ بھگتوں کے بھجن کا تار کبھی نہیں ٹُوٹتا۔

میرا کا لال ع سوں پریت بنی

توڑی نہ ٹُوٹے، چھوڑی نہ چھُوٹے، ایسی مادھو کھینچ تنی

بار مبادہ پربھو جیئے !　　　پی امرت ایہہ من تن دھرییئے

نام رتن جن گورمکھ پایا — تس کچھ اور نہیں درشٹا یا
نامو دھن نامو روپ رنگ — نامو سکھ ہری نام کا سنگ
نام رس جو جن ترپتانے — من تن نامہ نام سمانے
اُٹھت بیٹھت سووت نام — کہو نانک جن کے سد کام

(سکھمنی صاحب)

سواس سواس سمرن کرے یہ اُپائے اتی نیک

(کبیر صاحب)

ہر ایک سانس ہری نام اور من ان تینوں کے میل سے بھگوت پراپتی ہوتی ہے۔

"اے ارجن! جو پُرش مجھ میں اننیہ چت ہو کر لگاتار میرا سمرن کرتا ہے، اس نتیہ یکت یوگی کے لئے میں سُلبھ ہوں۔" (بھگوت گیتا)

بھگوت گیتا میں من کو بھگوان میں لگانے کے دو سادھن بتلائے گئے ہیں۔

(۱) وشیوں کا تیاگ (ویراگیہ) (۲) بھگوان کا لگاتار بھجن ابھیاس۔

اگر من لگاتار بھگوان کی طرف نہ لگ سکے تو ہری نام کا جپ زبان پر یا سانسوں کے ساتھ جاری رہنا چاہیئے۔ ابھیاس کے بل سے کچھ عرصہ کے بعد یہ بھجن سہج اور سوبھاوک روپ دھارن کرلے گا۔ اور پھر زندگی کے سارے کام ہی بھجن روپ ہو جائیں گے۔

लोकेऽपि भगवद्गुणश्रवण कीर्तनात ॥३८॥

۳۸- لوک (دنیا) میں بھی بھگوت گُن گانے اور سُننے سے (بھگتی سادھن سمپن ہوتا ہے)

زبان اور کان زندگی میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔ زبان پر جس بات کا چرچا رہے گا اور کان سے جس بات کو بار بار سُنا جائے گا، من میں اُسی کا ہی خیال رہے گا۔ اور باقی اندریاں بھی من کے پیچھے پیچھے اُس بات کی طرف ہی جائیں گی۔

اس لئے مُکھ کو بھگوان کا نام جپنے اور بھگوت گُن، لیلا گانے میں اور کانوں کو ہری نام کتھا کیرتن سُننے میں لگائے رکھنا چاہیئے۔ جب تک ہماری اندریاں وشیوں میں لگی رہتی ہیں، من بھگوان کی طرف نہیں لگ سکتا۔ تلسی داس جی فرماتے ہیں:—

جن ہری کتھا سُنی نہیں کانا — شرون رندھر اہی بھون سمانا
جو نہہ کریں رام گُن گانا — جیہہ سو دادر جیہہ سمانا

جن کے کان ہری کتھا نہیں سُنتے، وہ سانپ کے بِل کی مانند ہیں۔ اور جو زبان رام گُن نہیں گاتی وہ مینڈک کی جیبھ کے سمان ہے۔

جس طرح سورج پربت کی گپھا کے اندھیرے کو اور ہوائی طوفان، بادلوں کو مٹا دیتا ہے، اسی طرح ہری نام کیرتن گان، اور سمرن سارے پاپ بھسم کر دیتا ہے۔ نام کی ایک چنگاری پاپوں کے بے انداز ایندھن کو راکھ کرنے کے لیئے کافی ہوا کرتی ہے۔ ورتمان منووگیان مانتا ہے کہ دو چیزیں زندگی کو ڈھالنے میں بڑا اثر رکھتی ہیں (۱) آتم سوچنا (Auto suggestion) اور (۲) پرسوچنا (suggestion) نام جپنا اور ہری کتھا آتم سوچنا ہے۔ اور ہری نام کیرتن کا سننا پرسوچنا ہے۔ یہ دونوں ہی من کو بدلنے کے موثر ذریعے ہیں۔ خاصکر جب شردھا بھگتی کے ساتھ نام اچارن اور ہری گن گان کیا جائے تو اس کے پربھاو کا ٹھکانا ہی کیا؟

گوسائیں تلسی داس جی کہتے ہیں:-

دوس جاسو نام ہر کہہ رہیں جنم انیک سنچیت اگھ نہ رہیں
سادر سمرن جے نر کرہیں بھو وارِدھی گوپد اِو ترہیں

"اگر بے اختیار بھی زبان سے ہری نام نکل جائے تو بھی انیک جنموں کے پاپ نشٹ کر دیتا ہے۔ لیکن اگر آدر کے ساتھ نام جپا جائے تو سنسار ساگر سے پار ہونا ایسا ہی سہل ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک گوپد سے۔

मुख्यतस्तु महत्कृपयैव भगवत्कृपालेशाद्वा ॥३८॥

۳۸۔ خاصکر مہاپرشوں کی کرپا سے یا بھگوت کرپا کے لیش ماتر سے۔

اس سوتر میں ایک ایسا سادھن بتلایا گیا ہے، جس کے کرنے سے پہلے بیان کیئے ہوئے سادھن خود بخود ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے مہاپرشوں کی کرپا۔ مہاپرشوں کی سیوا میں رہنے سے ہر دم آنکھ اور کانوں پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ من بنا یتن اپنے آپ ہی بھگوان کے سمرن میں لگا رہتا ہے۔ ایسے مہاپرشوں کے بارے میں ہی کہا گیا ہے۔

سنت سجن من ہیت سے لائیں پربھو سوں رنگ جیو
تن سوں پریت نہ ٹوٹی کبھوں نہ ہووے بھنگ جیو
(گورو نانک)

مگر یہاں مہاپرشوں سے مراد سداچاری، گیانی یا سِدھ یوگیوں سے نہیں، بلکہ ان پریمی بھگتوں سے ہے جو چت کی شدھی کے ساتھ ہی بھگوت پریم میں رنگے ہوتے ہیں۔ اور آٹھوں پہر بھگوت چنتن میں مگن رہتے ہیں۔ شریمد بھاگوت میں ایسے ہی ست سنگ کی مہما یوں کہا گیا ہے۔

"اے اودھو! دوسرے سارے سنگوں (تعلقات) کو دور کرنے والے ست سنگ میں میں جیسا وشی بھوت ہوتا ہوں، ویسا یوگ، گیان، دھرم، وید پاٹھ، تپ تیاگ، اشٹاپورت، دکشنا، برت، یگیہ،

تیرتھ، یَم اور نیم، کسی سے بھی نہیں ہو سکتا"۔

سادھ سنگ وڈ بھاگی پائیے　　سادھ کی سیوا نام دھیائیے
سادھ کے سنگ ناہیں کچھ گھال　　درشن بھیٹت ہوت نہال (سکھمنی)
لکھ سیانپ جے کری لکھ سیئوں پریت ملاپ　　بن سنگت سادھ نہ دھرایا بن ناوئیے دُکھ سنتاپ
(گورو نانک)

یا بعض نیک بختوں پر ذراسی بھی بھگوت کرپا ہونے سے بھکتی پراپت ہوتی ہے۔ مہرشی دیویندرناتھ اور انیک بھکتوں کے جیون بھگوت کرپا کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

بر بندہ ناگہانی کردی نثار رحمت　　جز لطفِ بے حد تو آں راسبب ندیدم
(شمس تبریز)

بھگوت کرپا ایک بالاتر از عقل (Alogical) سچائی ہے کیونکہ عقل قانون سے پرے نہیں جا سکتی اور اس لئے آزادی کو سمجھنے میں قاصر ہے۔ تجربہ اسے ثابت کرتا ہے۔

جس تُوں تو جنائیں سوئی جن جانئے　　ہری گن سد ہی آکھ بکھانئے
(گورو نانک)

मद्दत्सङ्गस्तु दुर्लभोऽगम्योऽमोघश्च ॥३९॥

۳۹۔ مہاپرشوں کا سنگ دُرلبھ۔ اگمیہ اور اموگھ ہے۔

مہاپرشوں کے سنگ سے کیول انتہ کرن کی شُدھی ہی نہیں ہوتی، بلکہ گیان اُجارا ہو کر دل میں پریم امرت چھلکنے لگتا ہے۔ تتو گیان اور پریم ایسے سنگ سے ہی پراپت ہو سکتے ہیں، ایسے مہاپُرش بہت وِرلے ہونے سے ان کا سنگ ایک دُرلبھ بات ہے۔

جنی وِسنڈڑی میری دُرمت وِنجے متر اساڈڑے سیئی
ہوں ڈھونڈیدی جگ سبایا جن نانک وِرلے کیئی

ایسے مہاپُرشوں کی پہچان بہت مُشکل ہے۔ کیونکہ مہانتا اور ہری بھگتی کا سوانگ بھرنے والوں کی دُنیا میں کمی نہیں ہے۔ مہاپُرشوں کو مہاپُرش ہی پہچان سکتے ہیں۔

ایسے ست سنگ کا اثر بے خطا ہوتا ہے۔ خواہ وہ بے خبری میں ہو۔ رُوحانیت بھی ایک متعدی شے ہے اس کی چھوت اپنا اثر ڈالے بنا نہیں رہتی۔

پارس میں اور سنت میں بڑا انترو جان (فرق)　　وہ لوہا کنچن کرے، ہری جن آپ سمان (کبیر جی)

جاگتے یا سوتے ہُوئے دُھوپ سینکیں اور اس کا اثر نہ ہو، یہ بات ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح ست سنگ کا

پربھاؤ اٹل ہے۔

लभ्यतेऽपि तत्कृपयैव ॥४०॥

۴۰ - وہ بھی اُس کی کرپا سے پراپت ہوتا ہے۔

بھگوت کرپا دو طرح سے کام کرتی ہے۔

(ا) براہ راست :- دُنیا میں ایسے بھگت بھی ہوتے آئے ہیں جو بنا ست سنگ کے ہی پریم دھن سے پریم دھنی ہو گئے تھے۔

(ب) بالواسطہ :- ست پرشوں کی راہ سے جو پریم پدارتھ ہاتھ لگتا ہے، اُس کے مول میں بھگوت کرپا ہی ہوتی ہے۔ جب ہم پھول سے سُگندھی سونگھتے ہیں تو اس کی تہ میں وہی زندگی کام کر رہی ہے جس نے پھول کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے یہ بات دونوں طرح ہی درست ہے کہ سنت جنوں کی راہ سے بھگوت کرپا پراپت ہوتی ہے اور بھگوت کرپا سے ست سنگ پراپت ہوتا ہے۔

بن ہری کرپا ملیں نہیں سنتا
(تلسی داس جی)

तस्मिंस्तज्जने भेदाभावात् ॥४१॥

۴۱ - بھگوان اور سنت جنوں میں کوئی بھید نہیں ہے۔

بھگت بھگوان کے ہردے ہیں اور بھگوان بھگت کے ہردے میں بستے ہیں۔

"سادھو میرے ہردے ہیں اور میں اُن کا ہردے ہوں" (بھاگوت)

ہری ہری جن دو ایک ہیں بِبھ بچار کچھ ناہیں
جل سے اُپجے جیوں ترنگ جل ہی بِکھے سمانہہ (گورو نانک جی)

بھگوان جل ہیں اور سنت جن ترنگ۔ دونوں میں کوئی انتر نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے سنت درشن ہری درشن ہی ہے۔ آپ نراکار بھگوان ہی سنت مورتی میں پرگٹ ہوتے ہیں۔

اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ۔ گر ظن نیک واری در اولیا چہ باشد

ہری کا سیوک سو ہری ہی جیہیا (گورو نانک دیوجی)

तदेव साध्यतां तदेव साध्यताम् ॥४२॥

۴۲ - اُس (ست سنگ) کا سادھن کرو۔ اُس کا سادھن کرو۔

لوگ رحمتِ ایزدی کی اشاعت کے زندہ مرکز (Radiating centres) ہوتے ہیں۔ بھگوان کے دوّیہ پریم کا ساکھشات درشن کرنا چاہو تو سنتوں کا درشن کرو۔ دِوّیہ جیون کی ابھلاشا ہے تو اُن کے سپرش میں آؤ۔ ست سنگ کے بنا بھگوت پریم کا رہسیہ ملتا ہی نہیں۔

مہا پوتر سادھو کا سنگ		جس بھیٹت پربھ لاگے رنگ
(نانک دیوجی)

چندن کا بروا بھلا بیڑھیو ڈھاک پلاس		اوہ بھی چندن ہوئے رہے بسے جو چندن پاس
(کبیرداس جی)

سنتوں کے پوتر درشن، سپرش اور سمبھاشن کی کیمیائی تاثیر کو صوفی یوں بیان کرتا ہے۔

از لطافت سنگ ہارا چوں ہبا رقصاں کنند		وز حلاوت زہر ہارا چوں شکر شیریں کنند
جسم ہارا جاں کنند وجان جاویداں کنند		خاک ہارا زر کنند وکفر ہا ایماں کنند
گر عیاں خواہی زِ خاکِ پاکِ ایشاں سُرمہ ساز		زانکہ ایشاں کور مادر زاد را راہیاں کنند
(شمس تبریزی)

بھگتی میں بڑی روکاوٹ کُسنگ ہے

दु:सङ्ग: सर्वथैव त्याज्य: ॥४३॥

۴۳۔ کُسنگ سے ہر طرح بچ کر رہنا چاہیئے۔

پیدا ہو چکنے پر بھلا یا بُرا سنگ ہی منش کو بناتا یا ناش کرتا ہے۔ بھلے سنگ سے ساتوِک بھاؤ اور دَیوی گُن پیدا ہوتے ہیں اور کھوٹے سنگ سے سب دُشٹ بھاؤ اور وِکار اُتپن ہو کر سب اچھے گُن نشٹ ہو جاتے ہیں۔ اس لیئے کُوسنگ سروناش کا کارن ہوتا ہے۔

سب مہاتماؤں نے کُسنگ سے دُور رہنے کا پربودھن کیا ہے۔

کبیر ساکت سنگ نہ کیجیئے دُوروں جائیے بھاگ		باسن (برتن) کارو پرسیئے تو کچھ لاگے داگ (داغ)
کبیر من پنچھی بھیَو اُڑ اُڑ دہس جائے		جو جیسی سنگت کرے سو تیسو پھل پائے

بعض مہاپُرش کُسنگ کی نسبت نرک میں رہنا بہتر مانتے ہیں اور بعض نے دُراچاری اور وِشئے آسکت پُرشوں کو بچھو اور سانپ سے تشبیہہ دی ہے۔ مگر وسیع معنوں میں ست سنگ اور کُسنگ میں وہ تمام چیزیں اور حالات بھی شامل ہیں جو اِندریوں کی راہ سے من پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ مندرجہ ذیل دس باتوں کا من پر بھلا یا بُرا اثر سب نے تسلیم کیا ہے۔

(۱) مُقام (۲) خوراک (۳) پانی (۴) کُنبہ (۵) اڑوس پڑوس (۶) منظر (۷) لٹریچر (۸) روزی کمانے کا پیشہ (۹) سوچ وِچار (۱۰) ایشور اُپاسنا۔

اِس لئے اِندریوں اور مَن کو ہر ایک قِسم کے کُسنگ سے بچا کر رکھنا چاہیئے۔

कामक्रोध मोह स्मृति भ्रंश बुद्धिनाश सर्वनाश कारणत्वात ॥ ४४॥

۴۴۔ (کیونکہ کُسنگ ہی) کام (شہوت)۔ کرودھ (غُصّہ)۔ موہ (اگیان) سمرتی بھرنش بُدھی ناش بلکہ سروناش کا کارن ہے۔

وِشیوں یا وِشئی پُرشوں کے سنگ وِشیوں کی کامنا ہوتی ہے اور اِس کامنا کے پُورا نہ ہونے پر کرودھ کا ظہور ہوتا ہے۔ کرودھ سوچ وِچار کو مِٹا دیتا ہے اور اِس سے یادداشت ہی ماری جاتی ہے۔ اور جب تجربات زندگی کی یاد نہ رہی تو عقل بھی کام نہیں کرسکتی۔ عقل کی تباہی پر سب کچھ ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ اِس سروناش کی جڑ کُسنگ (وِشیوں یا وِشئی لوگوں کا سنگ) ہی ہے۔ یہ منش کو کلیان مارگ سے بھرشٹ کر دیتا ہے۔

یہ خیال کہ منش کُسنگ میں رہتا ہوا بھی اس کے اثر سے بچ سکتا ہے، بڑا خطرناک دھوکا ہے۔ باخبری میں یا بےخبری میں بھلے یا بُرے سنگ کا اثر ضرور ہی ہوتا ہے۔ کسی شے کو بھی محسوس کرنا اُس شے سے اثر پذیر ہوتا ہے۔

तरङ्गायिता अपीमे सङ्गात्समुद्रायन्ति ॥ ४५॥

۴۵۔ یہ (کام، کرودھ آدی وِکار) پہلے ترنگ کے رُوپ میں آکر (پھر کُسنگ سے) ساگر کا رُوپ دھارن کر لیتے ہیں۔

جس طرح جسم کے اندر بیماری کا ایک خوردبینی جرم داخل ہوکر سارے جسم کو زہریلا اور تباہ کرسکتا ہے اور جس طرح آگ کی ننھی سی چنگاری ایندھن میں پھیل کر ہولناک شکل اختیار کر لیتی ہے، اِسی طرح مَن کے اندر معمولی سے وِکار جو پہلے چھوٹے چھوٹے ترنگ معلوم ہوتے ہیں، پھیل کر سمندر کی مانند نہایت بڑے اور زبردست ہو جاتے ہیں۔ اِس لئے ابتدا میں محتاط رہنا واجب ہے۔ ورنہ یہ مکڑی کے جالے کی تاریں ہی لوہے کی زنجیروں میں بدل جائیں گی۔

مایا سے کون پار ہوتا ہے؟

कस्तरति कस्तरति मायाम् ? यः सङ्गांस्त्यजति यो महानुभावं सेवते, निर्ममो भवति ॥ ४६॥

۴۶ - کون ترتا ہے؟ جو سب سنگوں کا پری تیاگ اور مہانو بھاووں کی سیوا کرتا ہُوا ممتا نہیں رکھتا۔

مایا ساگر سے پار ہونے کے واسطے یہاں تین اُپائے بتلائے گئے ہیں :—

(ا) سب طرح کے (کھوٹے) سنگ کا تیاگ - یہ ضروری مگر منفی شرط ہے۔

(ب) مہانو بھاو برہم وِت شانت چت سنتوں کی سیوا ، یہ مثبت شرط ہے۔

(ج) کسی پدارتھ میں بھی ممتا نہ رکھتے ہُوئے اکنچن ہو رہنا "میں ، میری" کو بالکل چھوڑ دینا۔ ممتا چھوڑنے پر ہم ابھیمان سے خالی ہو جاتے ہیں۔ مہاتماؤں کا سنگ ہمیں نئے اور دِویہ جیون سے بھر دیتا ہے۔ اور ہر طرح کے کُسنگ کے تیاگ سے وہ انتر دھن سُرکھشت (محفوظ) رہتا ہے۔ ادھیاتم وِکاس کا یہی راج پتھ (شاہی سڑک) ہے۔

यो विविक्तस्थानं सेवते, यो लोकबन्धमुन्मूलयति, निस्त्रैगुण्यो भवति योगक्षेमं त्यजति ॥ ४७॥

यः कर्मफलं त्यजति कर्म्माणि सन्यस्यति ततो निर्द्वन्द्वो भवति ॥ ४८॥

वेदानपि सन्यस्यति केवलमविच्छिन्नानुरागं लभते ॥ ४९॥

स तरति स तरति स लोकांस्तारयति ॥ ५०॥

۴۷ - جو نرجن ستھان (خلوت) میں باس کرتا ہے۔ جو لوک بندھن کو توڑ ڈالتا ہے۔ جو تینوں گنوں سے پرے ہو جاتا ہے۔ جو یوگ اور کھشیم کا پری تیاگ کرتا ہے۔

۴۸ - جو کرم پھل کا تیاگ کرتا ہے۔ جو کرموں کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور جو (اسی طرح سب کچھ چھوڑ کر) نر دوند (بے تضاد) ہو جاتا ہے۔

۴۹ - جو ویدوں کو بھی تیاگ دیتا ہے اور کیول اکھنڈ اور اُلوٹ پریم لابھ کرتا ہے

۵۰ - وہی ترتا ہے ، وہی ترتا ہے - اور دُوسرے لوگوں کو بھی پار اُتارتا ہے۔

چھیالیسویں سُوتر میں مایا سے ترنے والے پریمی بھکت کے تین سادھن بتلائے گئے تھے۔ اب اور تو سادھن اور لکشن بتلاتے ہیں۔ مایا سے ترنے والا بھگت بھیڑ بھاڑ سے الگ تنہائی میں رہتا ہے۔ لوگوں کے رواجی اور رسمی بندھنوں کو توڑ دیتا ہے۔

لوک لاج کُل کی مریادا توڑ دیئی جیسے تنکا (کبیر صاحب)

وہ تینوں گُنوں (ستو ۔ رج ۔ تم) سے رہت ہوتا ہے ۔ وہ اِن گُنوں سے پریرت ہو کر کچھ نہیں کرتا ۔ بلکہ بھگوان کے ہاتھ میں یَنتر بنکر اپنی زندگی سے گواہی دیتا ہے ۔

جیوں کھلاوے تیوں کھیل کھلاوے ناتک درشٹی اور نہ آوے (سکھمنی)

ایسا بھگت اپنا آپ بھگوان کے آگے ارپن کر کے اپراپت کی پراپتی (حصول غیر حاصل) اور پراپت کی رکھشا (حفظِ حاصل) کی ذرا چنتا نہیں رکھتا ۔ وہ بھگوت پریم میں لین ہو کر آپ ہی نہیں رہتا ۔ پھر اُسے چاہ اور چنتا ہو تو کیسے ؟

وہ نہ صرف کرم پھل تیاگ دیتا ہے بلکہ خودی اور کرم کو بھی تیاگ دیتا ہے ۔ وہ اپنے کاموں میں بھگوان کی لیلا دیکھتا ہے اور کرتا ہونے کا ابھیمان نہیں رکھتا ۔ ایسا کرنے سے وہ نِر دوند (سکھ، دُکھ، مان، اپمان، جیت، ہار، نفع و نقصان وغیرہ سے رہت) ہو جاتا ہے ۔

یہاں تک کہ ویدوں کو بھی تیاگ دیتا ہے کیونکہ اب وہ براہ راست انترجامی بھگوان سے رہنمائی حاصل کرتا ہے اور اس کی ساری توجہ اور محبت لگاتار بھگوان کی طرف بہا کرتے ہیں ۔

دیو رشی کہتے ہیں کہ ایسے سادھوں اور بھگتوں والا پُرش ہی مایا سے نہ صرف خود تر جاتا ہے بلکہ ترن تارن ہوتا ہے ۔ دُوسروں کو ترانے کے لئے کشتی بن جاتا ہے ۔

پریم رُوپا اور گونی بھکتی کا سوُرُوپ

अनिर्वचनीयं प्रेमस्वरूपम ॥५१॥

۵۱ ۔ پریم کا سوُرُوپ انروچنیہ (بیان سے باہر) ہے ۔

بھگوان اور پریم میں کوئی بھید نہیں ۔ بھگوان پریم ہے اور پریم بھگوان ہے ۔ دونوں منن اور کتھن سے باہر ہیں ۔ انو بھو سے ہی پریم امرت چکھا جاتا ہے ۔ پریم کے متعلق تمام بیانات دُور کے اشارات ہیں ۔ کوئی لوگ کہا کرتے ہیں کہ نمک کی پُتلی سمندر کی تھاہ لینے گئی تھی مگر واپس ہی نہ لوٹی ۔ پروانہ شمع کے پاس جا کر واپس نہیں آتا ۔ اسی لئے کہتے ہیں :-

بھیکھا بات اگم کی کہن سُنن کی نانہہ ۔ جو جانے سو کہے نہیں کہے سو جانے نانہہ
ڈوبے سو بولے نہیں بولے سو انجان ۔ گہرو پریم سمندر کو ڈوبے چتر سجان

मूकास्वादनवत ॥५२॥

۵۲۔ گونگے کے سواد کی طرح۔

جس طرح گونگا گڑ کھا کر پرسن ہوتا اور ہنستا ہے مگر اس مزے کو بیان نہیں کر سکتا۔ ٹھیک اسی طرح پریم رس انوبھو میں آکر بھی کسی طرح کتھن نہیں کیا جا سکتا۔

کہو کبیر گونگے گڑ کھایا کوئی پوچھے تو کیا کہیئے؟
کہو سیکھے پربھ ملن نشانی   رس پریم بھنّی کچھ بول نہ جانی

(گورو نانک دیوجی)

प्रकाशते क्वापि पात्रे ॥५३॥

۵۳۔ (اس پریم کا) کسی برلے پاتر میں ہی پرکاش ہوتا ہے۔

بانی (کلام) سے تو پریم کا ورنن نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب کوئی برلا یوگیہ پاتر اس دویہ پریم کو پاتا ہے تب اس کے روم روم سے اس پریم کا ایسا پرکاش ہوتا ہے کہ گویا بھگوان کے ساکھشات درشن ہو جاتے ہیں۔ سارے جگت کے اندر کیول ہری بھکت کے اندر ہی اس ترگناتیت نرمل پریم کا پرکاش دیکھا جاتا ہے۔

गुण रहितं कामनारहितं प्रतिक्षणवर्धमानमविच्छिन्नं सूक्ष्मतरमनुभवरूपम ॥५४॥

۵۴۔ (یہ پریم) گن رہت، کامنا رہت، پل پل میں بڑھنے والا، لگاتار، سوکھشم تر اور انوبھو روپ ہے۔

یہ دویہ پریم تینوں گنوں سے پرے ہوتا ہے۔ دیہہ، پران اور انتہ کرن پرکرتی کے تینوں گنوں کے ساتھ سمبندھ رکھتے ہیں۔ پریم ان سے اوپر آپ ہی آتم وستو ہے۔ اس لئے اس میں صرف بنے رہنے (تم) یا کچھ پانے اور بننے (رج) یا کچھ ہونے (ستو) کی کامنا ہی نہیں ہوتی۔ پریم کا کام تو اپنا آپ گنوانا اور کچھ نہ ہونا ہے۔ یہ سدا اودی اور بڑھتا رہتا ہے۔ اس ندی میں چڑھاؤ پر چڑھاؤ ہے، اتار کبھی نہیں۔ یہ وہ سدا بڑھنے والا چاند ہے جس کے لئے پورنماشی نہیں ہے (عشق دی نویں او نویں بہار)۔ یہ وہ تار ہے جو بے گانٹھ ہے۔ اور کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ اس کے بہاؤ میں پل بھر بھی وشرام (ٹھہراؤ) نہیں۔ یہ بہت ہی لطیف شے ہے۔ کیونکہ یہ ایک روحانی حقیقت ہے۔ کوئی مادی یا ذہنی ظہور نہیں۔ اور یہ انوبھو روپ (عین کشف) ہے۔ خیال یا تصور کی چیز نہیں۔ اس لئے

سو جانے جن چاکھیا ہری نام امولا

(گورو نانک دیوجی)

तत्प्राप्य तदेवावलोकयति तदेव वाचयति श्रृणोति तदेव चिन्तयति ॥५५॥

۵۵۔ اسے پا کر وہ صرف اسے ہی دیکھتا اور سنتا، اس کا ہی ورنن کرتا اور اسی کا ہی چنتن کرتا ہے۔

جب پریمی کا ہردیہ اِس پریم سے چھلکنے لگتا ہے تو وہ اپنے اندر اور باہر پریم کے سوا کچھ بھی دیکھتا اور جانتا نہیں۔ حواس کی راہ سے اُس پریم کو ہی محسوس کرتا ہے۔ زبان سے اُسی کا ذکر کرتا ہے اور مَن سے بھی اُسی کے فکر میں مگن رہتا ہے۔ اور اِس طرح سے اُس کے تمام حواس و اعضاء ہری بھگتی کی سامگری بن جاتے ہیں۔

قدیم زمانہ سے اہلِ راز کہتے چلے آئے ہیں "We behold what we are." "ہم وہی کچھ دیکھتے ہیں جو کہ ہم خود ہیں۔" موجودہ نفسیات کا فیصلہ ہے We make our own experience. "ہم اپنا تجربہ خود پیدا کرتے ہیں۔" اندر اہنکار ہے تو باہر سنسار ہے۔ اندر صرف پریم ہے تو سارا جگت پریم آنند لیلا ہے۔"

میں جتول ویکھاں میں نوں دِسدا اوہی   قسم اُسے دی ہور نہ کوئی   (بُلھا شاہ)

میں پیکھاں سو سبھ کچھ سوامی   جو سُنتا سو پربھ کی بانی   (گورو نانک دیو)

کان ہر آواز میں اُسی کا نام سُنتے اور نیتر ہر رُوپ میں اُسی کا درشن کرتے ہیں۔ ناک اُسی کی خوشبو سونگھتی اور جسم کا ہر ایک حصّہ اِس کے لمس (سپرش) کو محسوس کرتا ہے۔ اِسی اوستھا کو چھاندوگیہ اُپنشد میں یُوں بیان کیا ہے۔

"جہاں دُوسرے کو نہیں دیکھتا، دُوسرے کو نہیں سُنتا، دُوسرے کو نہیں جانتا، وہی بھُوما ہے۔ اور جہاں دُوسرے کو دیکھتا، دُوسرے کو سُنتا، دُوسرے کو جانتا ہے، وہ الپ ہے۔ جو بھُوما ہے وہ امرت ہے۔ جو الپ ہے وہ مرتیہ (فانی) ہے۔ اِس بلندی پر پریم اور گیان ایک ہی بات ہیں۔"

"یہ سب کچھ ہی واسدیو ہے۔" (بھگوت گیتا) "یہ سب کچھ ہی سب کچھ برہم ہے۔" (اُپنشد)

गौणी त्रिधा गुणभेदादार्तादिभेदाद्वा ॥ ५६ ॥

۵۶۔ گَونی بھگتی گُن بھید سے یا آرت آدی بھید سے تین طرح کی ہے۔

اب تک صرف پرا بھگتی کا ورنن ہوا ہے، جسے مُکھیا۔ پرا۔ نرگنا اور اہیتکی کے نام دِئے جاتے ہیں۔ اِس میں بھگت اپنے پریتم کے پریم سے سوُروپ کو پراپت ہو کر اپنے چت سے لگاتار بھگوت چنتن ہی کرتا ہے اور اُس کا ہر ایک کرم کیول بھگوان کے نِمِتّ اور اُس کی پریرنا سے ہوتا ہے۔ اور وہ اندر باہر ایک واسدیو کے سوا کچھ دیکھتا، سُنتا یا جانتا نہیں۔ یہ بھگتی خالص ادھیاتمک اور تینوں گُنوں سے اُوپر ہوتی ہے۔

اب اُس نچلے درجہ کی گَونی، اپرا بھگتی کا ورنن کرتے ہیں۔ جو مایا کے تینوں گُنوں کے ساتھ مِلی جُلی ہوتی ہے اور اِس لِئے شُدّھ اور پُورن نہیں کہلا سکتی۔ مگر اِس پر بھی مُفید اور قابلِ احترام ہے۔ کیونکہ یہ اپرا بھگتی پرا پر پہنچانے کے لِئے سیڑھی کا کام دے سکتی ہے۔ یہ تین طرح کی ہے:-

(ل) گُنوں کے لحاظ سے (۱) ساتوِکی پاپ ناش کی غرض سے کرم پھل کو بھگوان کے اَرپن کر کے ہری پوجا کرنا یہ

(فرض) جان کر کی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھکت اور بھگوان کے درمیان بھید بنا رہتا ہے۔

(۲) راجسی :۔ یہ بھگوان کو اپنے آپ سے جُدا مان کر لذات، شہرت اور عزت اور طاقت اور بڑائی کے لیئے کی جاتی ہے۔

(۳) تامسی :۔ یہ بھکتی کرودھ (غصہ)، ہنسا (دشمنی) اور ماتسریہ (حسد) سے بھگوان کو اپنے آپ سے جدا سمجھ کر کی جاتی ہے۔

(ب) اُپاسک بھکت کے لحاظ سے (۱) آرت :۔ دُکھ کے مارے بھکت بھگوان کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۲) ارتھارتھی :۔ کوئی مُراد بر آنے کی خاطر بھکتی کرنے والا۔

(۳) جگیاسو :۔ زندگی کی سچائی کی کھوج میں بھکت پرماتما کا گیان پانا چاہتا ہے۔

उत्तरस्मादुत्तरस्मात्पूर्वपूर्वा श्रेयाय भवति ॥५७॥

۵۷۔ (اُوپر دو طرح سے بتلائی ہوئی بھکتیوں میں) پہلی دوسری سے اور دوسری تیسری سے بہتر ہے

بھکتی کی سُگمتا اور مہانتا

अन्यस्मात सौलभ्यं भक्तौ ॥५८॥

۵۸ :۔ بھکتی باقی سارے سادھنوں سے آسان تر ہے۔

بھکتی مارگ آسان ترین ہے۔ کیونکہ اس کے لیئے وِدّیا، تپ، بل، دھن، ایشوریہ، شریشٹھ کُل کی آدشیکتا نہیں۔ کیول بھگوت کرپا میں وشواس، بچے کی مانند سرل ہردے اور سدا بھگوان کے پریم کا چنتن درکار ہے۔ بھکت بھگوان کو اپنا سُہرد (متر) جان کر پرم شانتی کو سہج ہی لابھ کرتا ہے۔ یہ مارگ بچے، بوڑھے استری پُرش، تندرست، بیمار، طاقتور، کمزور، براہمن اور شودر سب کے لیئے سدا کھلا ہے۔

प्रमाणान्तरस्यानपेक्षत्वात स्वयंप्रमाणत्वात् ॥५९॥

۵۹۔ کیونکہ یہ بھکتی اپنا پرمان (ثبوت) آپ ہی ہے۔ کسی دوسرے پرمان کی حاجت نہیں رکھتی۔

پریم ایک سوتہ سِدّھ دستو ہے اور انوبھو سے ہی جانا جا سکتا ہے اور کسی باہر کے پرمان سے نہیں۔ اور جب انوبھو میں آتا ہے تب کسی اور پرمان کی حاجت نہیں رکھتا ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

یہ امرت چکھنے کی چیز ہے، سوچنے اور ثابت کرنے کی نہیں۔ یہاں عقل حیران اور بیکار رہ جاتی ہے

शान्तिरूपात्परमानन्दरूपाच्च ॥ ६० ॥

۶۰۔ (بھکتی) شانتی رُوپا اور پرم آنند رُوپا ہے۔

بھگوان کا سوُرُوپ کیول ست ماتر اور چت ماتر ہی نہیں بلکہ پرم آنند اور شانتی ہے۔ جب بھکت بھگوان کو سچ مچ پا لیتا ہے، تب اُس کا جیون اپنے ہر ایک پہلو سے آنند کا کھلا ہوا پھُول بن جاتا ہے۔ اور اس کا ہر ایک کام اچپل اور گمبھیر شانتی ظاہر کرتا ہے۔ اس کے تن من دونوں ہی ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ پریم امرت کے ساگر میں ڈوب کر اُس کے من کی دوڑ بالکل ہی مِٹ جاتی ہے۔ پھُول میں بھنورے کی مانند اس کا چت سدا بھگوت چنتن میں مگن رہتا ہے۔

بھکتی کے سادھن اور اُس کی لاہیں وِگھن

लोकहानौ चिन्ता न कार्या निवेदितात्मलोकवेदत्वात् ॥ ६१ ॥

۶۱۔ (چُونکہ) وہ (بھکت) اپنے آپ کو اور لوکک اور ویدک کرموں کو (بھگوان کے) ارپن کر چکا ہے، اُسے لوک ہانی کی چنتا نہیں کرنی چاہیئے۔

بھکت تو نہ صرف اپنا جیو پنڈ بھگوان کے ارپن کر چکا ہے۔ بلکہ اپنے سب لوکک (دُنیوی) اور ویدک (دھارمک) کام بھی صرف بھگوان کی پریتی کے لیئے کرتا ہوا سب میں، سب جگہ اور سدا بھگوان کو ہی دیکھتا ہے بھلا وہ دُوسروں کی بُرائی کا خیال کیسے کر سکتا ہے؟ تمام بُرائی کی جڑ خود غرضی ہے، جو خودی کی صِنعت ہے۔ خودی کے دُکھ مِٹانے کے لیئے اِنسان دُوسروں کے ساتھ بُرائی کرتا ہے۔ بھکت تو بے خود ہو کر بھگوان کے لیئے جیتا ہے۔ اُس کے دِل میں کسی کی بُرائی کا خیال آنا ایسا ہی ناممکن ہو جاتا ہے جیسے آگ سے سردی کا نکلنا۔ اِس ہدایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب تک کسی کی بُرائی کا خیال دل میں اُٹھتا ہے، پُورا آتم سمرپن نہیں ہُوا۔

न तदसिद्धौ लोकव्यवहारो हेयः किन्तु फलत्यागस्तत्साधनं च कार्यमेव ॥ ६२ ॥

۶۲۔ جب تک بھکتی میں سِدھی (کمال) پراپت نہ ہو لے، لوک ویوہار (دُنیوی کاریہ) کو چھوڑ دینا واجب نہیں، صرف اُس کا پھل چھوڑ کر اُسے برابر جاری رکھنا چاہیئے۔

اکثر لوگ یہ سُنکر کہ "جناں لاگے پریم طمانچے سو گھر دے کملوں گیاں" اینشور بھگتی کے لیئے سب دیوہار چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ عام غلطی اِنفرادی اور مجموعی زندگی میں بے انداز خرابیوں کا موجب ہوتی چلی آئی ہے۔ دیورشی ہدایت کرتے ہیں کہ اُس وقت تک دیوہارک کام مت چھوڑو جب تک کہ یہ خود ہی نہ چھوٹ جائیں۔ اور دِوَیہ سہج کرم اِس کی جگہ نہ لے لے۔ ورنہ یہ خودی اور شخصی اِرادے کا فعل بھگتی کی پراپتی میں رُکاوٹ پیدا کرے گا۔ کرم تیاگ کا صِرف یہی مطلب ہے کہ خود غرضانہ مقصد سے کوئی کام نہ کیا جائے۔ سب کام یہاں تک کہ کھانا پینا بھی بھگوان کے نِمِتّ ہوں۔ تب سارے کام ہی ہری بھجن ہو جائیں گے۔

स्त्री धन नास्तिक वैरि चरित्रं न श्रवणीयम् ॥ ६३॥

۶۳۔ اِستری، دھن، ناستِک اور بیری کا چرتر (تذکرہ) نہیں سُننا چاہیئے۔

اب بھگتی کی راہ میں وِگھنوں کا ذِکر کرکے دیورشی متنبہ کرتے ہیں کہ چار قسم کے تذکروں سے بہرے ہی ہو جاؤ۔

(الف) اِستری:۔ عورتوں کے متعلق باتیں سُننے سے کام (شہوت) کی پیدائش ہوتی ہے۔ اِس لیئے عاشقانہ گیتوں، ناولوں، سنیماؤں، مخالف جنس کی تصاویر اور قصّے کہانیوں سے دُور رہنا ضروری ہے اور اِستریوں کو بھی پُرشوں کے متعلق ایسی ہی احتیاط چاہیئے۔

(ب) دھن:۔ دھن دولت کا چرچا لوبھ کو اُکساتا ہے۔ دُوسروں کی مالی ترقّی اور کامیابی دیکھ سُن کر دولت مند ہونے کی ہوس موجزن ہو کر بھگتی مارگ سے بھرشٹ کر دیتی ہے۔

(ج) ناستِک:۔ وہ لوگ جو اِیشور سَتّا میں وِشواس نہیں رکھتے، اُن کی باتوں کی طرف کان لگانے سے دِل میں اوِشواس اور سَنشے کی اُتپتّی ہوتی ہے۔ حالانکہ بھگتی کی نیو سَت شردّھا ہے۔

(د) بیری۔ جو شخص اپنے ساتھ دُشمنی کرتا ہو۔ اُس کی یا اُس کے متعلق باتیں سُننے سے مَن میں کرودھ اُٹھ کر بھگتی میں وِگھن پڑتا ہے۔ بھگت کا کام تو سب میں واسدیو بھگوان کی بھاونا کرنا ہے۔ پریم اور دویش کا میل ہی کیا؟

अभिमानदम्भादिकं त्याज्यम् ॥ ६४॥

۶۴۔ ابھیمان (تکبّر) دمبھ (ریاکاری) آدمی کو چھوڑ دینا واجب ہے۔

پچھلے سُوتر میں بھگتی کی راہ میں بیرونی رکاوٹوں کا ذِکر کرتے ہُوئے اب اِن سے بھی زیادہ زبردست اور عام اندرونی رکاوٹوں سے خبردار کیا گیا ہے۔

اِس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دولت، طاقت، اولاد، صحت، عِلم، عقل، ذات،

خاندان، نیک چلنی، خوبصورتی، مرتبے اور الوالعزمی کا تکبر ہے۔ بھگتی کا سب سے بڑھ کر قیمتی زیور نمرتا، (انکساری) ہے۔ بھگت اگر اپنے اندر اچھے گُن بھی دیکھتا ہے تو اُنہیں اپنے آپ سے منسوب کرنے کی بجائے ان میں ایشور کرپا اور ایشور پرکاش کو دیکھ کر دمبدم شکر گزار ہوتا ہے۔ اِسی لیئے عاشقوں کو ہدایت ہے۔

خویش را خالی کن از فضل و فضول تا تُرا ہردم کند رحمت نزول

(مثنوی شریف)

جس کی تِس کی کرمان۔ آپن لاہ گمان

(گورو نانک دیوجی)

دُوسری بڑی رکاوٹ ریاکاری ہے۔ اپنے آپ کو دھرماتما بھگت، نیک، تیاگی اور سچا دکھلانے کی کوشش کا نام ہی دمبھ ہے۔ جس طرح ہمیشہ صاف کپڑے پر رنگ چڑھتا ہے، اسی طرح سرل ہردیہ میں ہی بھگوت پریتی کا پرکاش ہوتا ہے۔ اسی لیئے "بالک وَت" ہونا بھگتی کا پردھان لکشن مانا گیا ہے۔

آدی کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ ابھیمان اور دمبھ کی مانند باقی آسُری گُنوں (چوری، جھوٹ، غرور، بدمستی، عیش پرستی وغیرہ) مہلکات کو (وِش سمان) جان کر دُور سے ہی تیاگ دینا ضروری ہے۔

तदर्पिताखिलाचारः सन कामक्रोधाभिमानादिकं तस्मिन्नेव करणीयम् ॥६५॥

۶۵۔ سب آچار بھگوان کے اَرپن کر چکنے پر بھی اگر کام، کرودھ، ابھیمان آدی موجود پائے جائیں تو اُنھیں بھی بھگوان کی پریتی میں لگانا چاہیئے۔

بھگتی کا مکھیہ دھرم "سرو دھرم پری تیاگ" کرکے اپنا آپ ایشور کے آگے اَرپن کر دینا ہے اور بس۔ اگر اِس کے بعد بھی کام، کرودھ، ابھیمان وغیرہ بھگت میں موجود رہیں تو اُن کا رُخ خود ہی بھگوان کی طرف پلٹ جانے پر وہ بھی رُوحانی صُورت اختیار کر لیتے ہیں۔ حیوانی یا نفسانی نہیں رہ جاتے۔

بھگت کی کام واسنا بھگوت پریتی میں بدل کر اُسے برہ ویدن (دردِ فرقت) سے تڑپایا کرتی ہے۔ وہ بھگوان کے درشن کے بنا ہوا سے الگ کیئے ہُوئے پنچھی کی مانند جان کنی کے درد سے بیتاب ہوتا ہے۔

بھگت کا کرودھ ماں سے بچے کی مانند بھگوان سے بگڑ کر کہتا ہے۔

بھُوکھے بھگتی نہ کیجے ایہہ مالا اپنی لیجے

اور اِس کا ابھیمان گویا بھگوان پر نالش کرنے لگتا ہے۔

رہتیا ہوں بالک تیرا کاہے نہ کھنڈس اوگن میرا

بھگتی کے کیمیائی اثر سے نفسانیت کی گندی کھاد بھی ہری پُوجا کے پھُول بن جاتی ہے۔ ضروری بات یہی ہے کہ اَرپن سچے دل سے اور پُورا ہو۔ پھر بھگوان ہماری وِش کو امرت میں اور ہمارے زخموں کو ہی دوا میں

بدل دیتے ہیں۔

پریمی بھگتوں کی مہما

त्रिरूपभङ्गपूर्वकं नित्यद्वासनित्यकान्तामजनात्मकं वा प्रेमैव कार्यम् ॥६६॥

۶۶۔ تین (سوامی۔ سیوک۔ سیوا) رُوپوں کو بھنگ کرکے نت داس بھگتی سے یا نت کانتا بھگتی سے پریم کرنا چاہیئے۔ پریم کرنا چاہیئے۔

گیان اور پریم میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ گیان بھید کو بالکل ہی مٹا کر کھیل ختم کرنا چاہتا ہے۔ مگر پریم بھید کو بھی انمولیہ جان کر اُسے قایم رکھتا ہُوا بھی پورن ابھید بھاؤ حاصل کرتا ہے۔ یہی پریم کی رہسیہ مئی جادُوگری ہے کہ بھید میں ہی ابھید اور ابھید میں ہی بھید بنا رہتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بھگت سیوا اور بھگونت پریم میں ایسا لین ہو جاتا ہے کہ سیوا کرتے ہُوئے بھی اُس کے لیئے سوامی اور سیوک کا بھید نہیں رہتا۔ اور پریم کرتے ہُوئے بھی پریتم اور پریمک کو جُدا نہیں دیکھتا۔ عقل اس راز کو نہیں پا سکتی کیونکہ یہ زندگی کا راز ہے۔ صِرف سمجھنے کی بات نہیں۔ زندگی اپنے اندر سب دوند (تضادات) کو جگہ دیتی ہُوئی بھی اپنی وحدت برقرار رکھتی ہے۔ اور اختلاف اور تضاد کو مٹانے کی بجائے اُسے اُس کی حفاظت میں اپنی ہستی اور برقراری دیکھتی ہے۔ اس کے خلاف گیان مکتی پانے کے لیئے سب بھید، وچترتا، رنگا رنگی، جگت اور پریم لیلا کو اُڑانا چاہتا ہے۔ اور یہی اس کا زندگی سے دُور ہے جانے والا یک طرفہ پن ہے۔

ہری آپے ٹھاکر ہری آپے سیوک جی کیا نانک جنت وِچارا

عجب من شمس تبریزم کہ عاشق گشتہ ام برخود چو خود در خود نظر کردم ندیدم جز خدا در خود

پریت جو میرے پیو کی بیٹھی پنجر مانہہ رُوم رُوم پِو پِو کرے دادُو دُوسر نانہہ

پریتم کو پتیاں لکھوں جو کہوں ہوئے بِدیس تن میں، من میں، نین میں تا کو کہاں سندیس

भक्ता एकान्तिनो मुख्याः ॥६७॥

۶۷۔ ایکانت (اننیہ) بھگت ہی شریشٹھ ہوتے ہیں۔

بھگت کے دل میں کسی اور شے کے لیئے جگہ ہی نہیں رہ جاتی۔ ورنہ بھگتی خالص اور مکمل نہیں۔

پریتم چھب نینن بسی پر چھبی کہاں سمائے بھری سرائے رحیم لکھ آپ پتھک پھر جائے

کبیرا کاجر ریکھ ہوں اب تو دیئی نہ جائے   نینن پریتم رم رہا دُوجا کہاں سمائے
آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی میرے اور نہ کوئے   نینا ماہیں تو بسے نیند یہہ کھور نہ ہوئے
عاشقِ حقّی و بینی غیر را   کعبہ مے خواہی کہ سازی دیر را
خود ثنا گفتن زمن ترکِ ثناست   کہ ایں دلیل ہستی و ہستی خطا ست
(مثنوی شریف)

कण्ठावरोधरोमाञ्चाश्रुभिः परस्परं लपमानाः पावयन्ति कुलानि पृथिवी च ॥ ६८ ॥

۶۸۔ ایسے بھگت رکے ہوئے گلے، کھڑے ہوئے رونگٹوں اور آنسو بھرے نیتروں کے ساتھ آپس میں چرچا کرتے ہوئے (اپنی) کلوں کو اور پرتھوی کو پوتر کرتے ہیں۔

بھگت جن آپس میں ملکر جب اپنے پریتم کی پرم سُندر، رہسیہ مے، پریم بھری لیلاؤں کا ذکر کرتے ہیں تو پریم کی باڑھ اور آنند کے اُچھالے سے اُن کا گلا رُک جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی برسنے لگتے ہیں۔

آؤ بھینو گل ملو آنک سہیلڑیاں   مِل کے کریں کہانیاں سمرتھ کنت کیاں   (گورو نانک دیوجی)

ایسے بھگت جس ماں سے اور جس کُل میں اور جس بھومی پر جنم لیتے ہیں، وہ بھی پوتر ہو جاتے ہیں۔

तीर्थी कुर्वन्ति तीर्थानि सुकर्मी कुर्वन्ति कर्माणि सच्छास्त्री कुर्वन्ति शास्त्राणि ॥ ६९ ॥

۶۹۔ ایسے بھگت تیرتھوں کو سُتیرتھ، کرموں کو سُکرم، اور شاستروں کو ست شاستر کرتے ہیں۔

سنسار میں بھگتوں کے باس ستھان ہی تیرتھ مانے جاتے ہیں۔ اُن کے کرم ہی کرم آدرش پیش کرتے ہیں۔ اور اُن کے وچن اور اُپدیش ہی ست شاستر کہلاتے ہیں۔ جیسے ایشوری گیان (الہام) کہا جاتا ہے، وہ آسمان سے تو نہیں اُترتا۔ بھگتوں کی راہ سے ہی سنسار میں پرگٹ ہوتا ہے۔ مگر سماں گزرنے پر تیرتھ اپنی پاکیزگی، کرم اپنی اونچائی اور شاستر اپنی سچائی کھو بیٹھتے ہیں اور شاستروں میں طرح طرح کی ملاوٹیں ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے نئے نئے بھگت ہی سنسار میں جنم لے کر تیرتھوں کو پوتر، کرم آدرش کو اونچا اور شاستروں کو شُدھ کیا کرتے ہیں۔ اس کی دلیل اگلے سُوتر میں پیش کرتے ہیں۔

तन्मयाः ॥ ७० ॥

۷۰۔ کیونکہ وہ تن مے (بھگوان کے ساتھ ایک رُوپ) ہوتے ہیں۔

بھگتوں کی راہ سے تیرتھوں کی پوِترتا، کرموں کی اُتّمتا اور شاستروں کی سچائی کا پرکاش اس لئے ہوتا ہے کہ وہ بھگوان کے آگے آتم سمرپن کر کے اپنا تن، من، بُدّھی، اہنکار، بالکل ہی کھو کر خالی ہو گئے ہیں۔ اور اُن کی راہ سے بھگوان کی پوِترتا، ستیہ تا، اور بھلائی کا پرواہ بہنے لگتا ہے۔ منش اور بھگوان کے درمیان اہنکار ہی آخری رُکاوٹ ہے اور بھگتوں کے اندر اہنکار کی گندھ تک نہیں ملتی۔ اُن کی راہ سے بھگوان خود اپنی لیلا اور پرکاش کرتے ہیں۔

मोदन्ते पितरो नृत्यन्ति देवताः सनाथा चेयं भूर्भवति ॥ ७१ ॥

۷۱۔ (ایسے بھگتوں کے پرگٹ ہونے پر) پترگن خوشیاں مناتے اور دیوتا ناچتے ہیں اور پرتھوی سناتھا ہو جاتی ہے۔

کسی گھرانے میں بھگت پیدا ہونے پر پتروں (مرے ہوئے بزرگوں) کو اس لئے خوشی ہوتی ہے کہ وہ اپنے کُل کو سپھل ہوتا دیکھتے ہیں۔ جو کُل ہری بھگت پیدا نہ کرے، وہ سپھل نہیں ہو سکتی۔

کبیر سائی کُل بھلی، جا کُل ہری کو داس جاں کُل داس نہ اُوپجے سو کُل ڈھاک پلاس

دیوتا اس لئے ناچتے ہیں کہ بھگتوں کی پیدائش پر لوگوں میں دیوی گُن بڑھتے ہیں اور راکھشسی بھاؤ گھٹتے ہیں اور پرتھوی بھی اپنی گودی میں بھگت دیکھ کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہے کہ بھگت جنوں سے دھرم کا سنچار ہوتا ہے۔ اور دھرم کے بل سے ہی پرتھوی پر سُندر اور آنند بھرے جیون کی بہار دکھلائی دیتی ہے۔ دھرم کے سوا ساری پرتھوی اُجاڑ ہے۔

کبیر پاٹن (شہر) تے اُوجڑ (ویرانہ) بھلا رام بھگت جہہ ٹھائے اِک رام سینہی باہرا اُوجر میرے بھائے
کو تک کوڈ تماشیہ چیت نہ آوس ناؤں نانک کوڑی نرک برابرے اُوجڑ سوئی تھاؤں

नास्ति तेषु जातिविद्यारूपकुलधनक्रियादिभेदः ॥ ७२ ॥

۷۲۔ اِن (بھگتوں) میں جاتی۔ وِدّیا۔ رُوپ۔ کُل۔ دھن اور کریا آدی کا بھید نہیں ہے۔

بھگت اپنے آپ کو بھگوان سے اور بھگوان میں دیکھتے ہیں اور اپنے اندر باہر اس کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ وہ ایک دوسرے کو ایک ہی درخت کے پتے، پھول، پھل، جان کر اپنے گُنوں کو بیج سے ہی منسوب کرتے ہوئے اختلاف میں وحدت دیکھتے ہیں اور باہم کسی طرح کا بھی نفاق نہیں رکھتے۔

قوم، علم و فضل، خاندان، دولت اور کاموں وغیرہ کا تکبّر اُن کے اندر اور درمیان کوئی جگہ ہی نہیں پاتا۔ اس کی وجہ اگلے سُوتر میں بتلاتے ہیں۔

यतस्तदीयाः ॥ ७३ ॥

۷۳۔ کیونکہ وہ (سب بھگت) اُن کے (بھگوان کے) ہی ہیں۔

سارے بھکت اپنی اپنی خودی، کھو کر بھگوان کے ساتھ اور اِس لئے ایک دُوسرے کے ساتھ ایک ہو جاتے ہیں اُن میں کوئی بھی ایک دُوسرے کو بڑا چھوٹا یا اُونچا نیچا خیال نہیں کرتا۔ وہ آپس میں ایک دیہہ کے انگوں کی مانند پیار کرتے ہُوئے مُشترکہ بھلائی کے لئے جیتے ہیں۔ یہیں سوشلزم کا ابدی اور رُوحانی راز پایا جاتا ہے۔

بھکتی مارگ میں واد وِواد (بحث مُباحثہ) ایک روکاوٹ ہے۔

वादो नावलम्ब्यः ॥ ७४ ॥

۷۴۔ (بھکت کو) وَاد وِواد نہیں کرنا چاہیئے۔

بھکتی کے سادھک کے لئے یہ سُوتر بہت ہی ضرُوری ہے۔ اُسے دلیل بازی اور بحث ومباحثہ سے دُور رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اِس میں صِرف عقلی کُشتی ہُوا کرتی ہے۔ کوئی بھی اور کبھی بھی رُوحانی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ستیہ گیان کے لئے تو چِت کی شُدھی اور شانتی درکار ہے۔ بحث ومباحثہ ہار جیت کا خیال پیدا کر کے جوش دلاتا اور ضدی بناتا ہے۔ اور اکثر اوقات باہمی نکتہ چینی اور دُشمنی کے ادنیٰ جذبات اُبھارتا ہے۔ اِس سے طاقت اور وقت ضائع ہونے کے علاوہ دِل منتشر ہو کر سُوکھتا چلا جاتا ہے۔ بھکت کو بالضرُورت ہی بات چیت کرنی چاہیئے علمیت اور ہدایت کا دعوےٰ ترک کر دینا چاہیئے۔ دُوسروں کی ہدایات میں کُھلا رہنے والے شربت عِشق کی ایک بُوند بھی چکھ نہیں سکتے۔

عاشقاں را با ہدایت کار نیست　　ذوقِ شاں جُز شربتِ دیدار نیست

(بو علی قلندر)

बाहुल्यावकाशदनियतत्वाच्च ॥ ७५ ॥

۷۵۔ کیونکہ (اِس سے) باُہلیہ (طوالت) اور انشچتّا (اشتباہ) پیدا ہوتے ہیں۔

دیو رشی بھکتی مارگیوں کو واد وِواد سے روکتے ہُوئے اِس کے دو بڑے نُقصانات سے آگاہ کرتے ہیں۔

(ا) طوالت۔ بحث ومُباحثہ سے بات خواہ مخواہ بڑھ جایا کرتی ہے۔

(ب) اشتباہ۔ مخالفانہ دلائیل سُن کر اپنے اعتقاد کی صداقت میں بھی دِل ہی دِل میں شُبہات پیدا ہونے لگ جاتے ہیں اور جس طرح متزلزل زمین پر کوئی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی، شکی دِل میں بھکتی اپنا آسن نہیں پاتی۔

بھکتی کے پردھان سہایک (معاون)

भक्तिशास्त्राणि मननीयानि तदुदयोधककर्माण्यपि करणीयानि ॥७६॥

۷۶ (صرف) بھکتی شاستر کا منن کرتے رہنا چاہیئے اور (صرف) بھکتی بھاؤ کو جگانے والے کام کرنے چاہئیں۔

اور پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر صرف ایسے شاستروں اور کتب کا پُرغور مطالعہ کرنا چاہیئے جن میں بھکتی کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ اگر اس راہ پر چلنے والا ہر قسم کے علم و واقفیت کے حصول کے لیئے مطالعہ کتب کرے گا تو اس کی توجہ منتشر ہو جائے گی۔ اور اس کا دل بے شمار خیالات کا چھتہ بن جائے گا۔

اس طرح سے ہی اُسے صرف وہی کام کرنے چاہئیں جو صرف بھکتی بھاؤ کو دن بدن جگانے اور بڑھانے والے ہوں اور اُن اشغال سے دُور رہنا چاہیئے جو اس راہ میں رُکاوٹ پیدا کرتے اور غفلت بڑھاتے ہیں۔

بھکتی بھاؤ کو جگانے اور بڑھانے والے بڑے بڑے کرم یہ ہیں:

(ا) اپنے کرتویہ کو نشکام بھاؤ سے ایشور پریتی کے لئے پورا کرنا۔ (ب) شُدھ وچار، آہار اور آچار۔
(ج) سب پرانیوں پر دیا اور اُن کا ہت سادھن (د) سرل اور نشکپٹ ہونا (ر) نمرتا (س) سنت سنگ
(ص) بھگوان کو اپنے اندر باہر موجود جان کر اُس کا سمرن، جپ اور کیرتن کرنا۔
(ع) اپنی اچھا کو چھوڑ کر بھگوت کے پورن ہونے میں سنتشٹ رہنا۔

सुखदुःखेच्छालाभादित्यके काले प्रतीक्ष्यमाणे क्षणार्द्धमपि व्यर्थं न नेयम् ॥७७॥

۷۷۔ ایسے وقت کی انتظار میں کہ جب سُکھ دُکھ، اِچھا اور لابھ کا تیاگ ہو جائے گا آدھا کشن بھی دیر تھ نہ بِتانا چاہیئے۔

اکثر لوگ اسی دھوکے میں جیا کرتے ہیں کہ جب دل کی دُنیوی مُرادیں بر آجائیں گی، تب ہم بھگوت بھگتی شروع کر کے پچھلی ساری کسر نکال لیں گے۔ اس لیئے دیو رشی تاکید کرتے ہیں کہ ابھی جو پل ہاتھ میں ہے، اُسے ہی پریم دھن کمانے میں صرف کرنا آرمبھ کرو۔ کیونکہ ہر پرانی کے سر پر ہر دم موت کی ننگی تلوار جھوم رہی ہے۔

کبیر کل کرے سو آج کر۔ آج کرے سو اب پل میں پرلے ہوئے گی پھیر کرے گا کب؟
کبیر کیچڑ آٹا گر پڑا۔ کچھو نہ آیا ہاتھ پیست پیست چابیا سوئی نبھیا ساتھ

अहिंसासत्यशौचदयास्तिक्यादिचारित्र्याणि परिपालनीयानि ॥७८॥

۷۸ - (بھکتی مارگ کے پتھک کو) اہنسا، ستیہ، شوچ، دیا، آستکتا آدی شبھ آچاروں کا اچھی طرح سے پالن کرنا چاہیئے۔

کئی لوگ خیال کرتے ہیں کہ بھکتی کے لیئے سد گنوں کا ہونا ضروری نہیں۔ بھکتی سب پاپوں کا ناش کر دیتی ہے۔ اس لیئے اگر پاپ ہوتے بھی رہیں تو ڈر کیا ہے؟ جب ہم دیالو بھگوان کے بھکت ہو چکے، وہ آپ ہی بخشش دیں گے۔

لیکن یہاں سوتر کار سد گنوں کے پالن کے لیئے زور سے تاکید کرتے ہیں۔ ایشور بھکتی ہو اور بھکت میں دیوی سمپدا (صفات ملکوتی) نہ پائی جائے، ایسا ہونا سمجھو ہی نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی بھکتی کے کھرے پن یا کھوٹے پن کی پرکھ کرنا چاہے تو اس بات کا اندازہ ایسے سد گنوں کے لگاتار موجود ہونے یا نہ ہونے اور بڑھنے یا گھٹنے سے ہی لگا سکتا ہے۔ اس سوتر میں مثال کے طور پر مندرجہ ذیل پانچ سد گنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(ا) اہنسا:۔ من، بانی اور کرم سے کسی جیو کو بھی اب یا آئندہ دکھ پہنچانے کا خیال نہ رکھتے ہوئے سب کی بھلائی کا چنتن کرنا۔

(ب) ستیہ:۔ جیسا بھی دیکھا، سنا یا سمجھا ہو، تقریر، تحریر یا اشارے سے اُسے ہو بہو میٹھی بولی میں دوسرے کی بھلائی کے لیئے ظاہر کرنا۔

(ج) شوچ:۔ اپنے بیوہار، آہار اور وچار کو شدھ رکھنا۔

(د) دیا:۔ کسی کے دکھ کو دیکھ کر دیاکل ہونا اور اُسے دور کرنے کی کوشش کرنا۔ بلا لحاظ اس کے کہ کوئی متر ہے یا بیری۔ اپنا ہے یا بیگانہ۔

(ر) آستکتا:۔ اس بات کا وشواس ہونا کہ بھگوان ہے اور وہ سرو آدھار، سرو ویاپی، سرویشور سرو شکتیمان، سروگیہ، پرم دیالو، پریم مے، بھگت وتسل اور دین بندھو ہے۔

सर्वदा सर्वभावेन निश्चिन्तितैर्भगवानेव भजनीयः ॥७९॥

۷۹ - سرو سمے سرو بھاؤ سے نشچنت ہو کر (کیول) بھگوان کا ہی بھجن کرتے رہنا چاہیئے۔

رشی ہدایت کرتے ہیں کہ سدا ہی زندگی کے ہر پہلو سے اور سب باتوں سے نشچنت ہو کر صرف ہری بھکتی میں ہی لگے رہنا چاہیئے۔

اس سوتر میں ہری بھجن کے متعلق تین باتیں کہی گئی ہیں:۔

(الف) نشچنت ہوکر۔ جب تک کہ سادھک نشچنت نہ ہوگا، اُس کا من، بھگوان کے سمرن میں ایک پل بھی نہیں ٹھہرے گا۔ اور نشچنت ہونے کے لیے سب ممتا کو چھوڑ کر ایشور ارپت ہونا ضروری ہے۔

(ب) سَروبھاؤ سے:۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تن کے سب انگوں اور من کی سب شکتیوں اور اِندریوں کو ایشور بھکتی میں لگایا جائے۔ آنکھیں اُسے ہی سب رُوپوں میں دیکھیں۔ کان اُسے ہی ہر آواز میں سُنیں۔ ہاتھ اُس کی سیوا میں حرکت کریں۔

(ج) سَروسمے:۔ جب بھگت سَت سنگ کے پربھاؤ سے بھگوان کی مہما جانے گا تو ایک دم بھی اُس پران آدھار اور جیون بھنڈار سے الگ ہونا برداشت نہ کرے گا۔

تُو دریا میرا دانا بینا میں مچھلی کیسے انت لہاں   جہاں جہاں دیکھاں تہاں تہاں تُو ہے تجھ تے نکس میں پھوٹ مراں

(گورُو نانک دیوجی)

بھگتی کا پھل اور بھگتی کی سَروشریشٹھتا

स कीर्त्यमान: शीघ्रमेवाविर्भवति अनुभावयति च भक्तान् ॥ ८०॥

۸۰۔ وہ (بھگوان) کیرتن ہونے پر جلدی پرکٹ ہوتے ہیں اور بھگتوں کو اپنا انوبھو (درشن) کرا دیتے ہیں۔

پچھلے سُوتر کے مُطابق جب بھگت سدا سَروبھاؤ سے نشچنت ہوکر کیول بھگوان کا گُنانواد اور کیرتن کرتا ہے تب بھگوان اپنی ترگُنی مایا سے نہیں بلکہ اپنی دِوّیہ اہلادنی شکتی سے اپنے چِن کے سوندریہ اور مادُھریہ رَس کو سگُن اور ساکار میں پرکٹ کر کے اُسے مگن کر لیتے ہیں۔ ایسے درشن کو ایک مائک درشیہ سمجھنا سُوکھشم آتم گیانیوں کی بھول ہے۔ نرگُن اور سگُن برہم دو نہیں ہیں۔ بھگتی شاستر کا یہی سب سے گہرا بھید ہے۔ کیول گیانی بھگوان کو اروپ، نرگُن، نراکار، گپت درشٹا جان کر سَرو رُوپ گُن، آکار اور درشن کو ایک بھرم مانا کرتا ہے۔ مگر گیانی بھگت اپنی پریم درشٹی سے اُس دِوّیہ پُرش اُتم کو ساکھشات انوبھو کرتا ہے۔ جو درشٹا بھی ہے اور درشیہ بھی۔ گُپت بھی ہے اور پرکٹ بھی۔ یہی سمیک درشن ہے۔ اِسی میں تتھی اور ہردیہ کا میل ہے۔ گیان اور بھگتی کا یوگ ہے۔

سگُنہ[1] اگُنہہ[2] نہیں کچھ بھیدا   گاویں مُنی پُران بُدھ بیدا

اگُن اروپ[3] الکھ اج جوئی   بھگت پریم بس سگُن سو ہوئی

گورُو نانک دیوجی اِسی پُرشوتم سوندریہ ندھی کا یُوں کیرتن کرتے ہیں:۔

تُو پیڑ ساکھا تیری پھولی   تُو سُوکھشم ہو یا استھولی

۱۔ سگُن میں ۲۔ نرگُن میں ۳۔ نرگُن ۴۔ بے شکل

تُو سُوت مینے بھی تُو ہے — تُو گنٹھی میر سَر تُو ہے
تُو نِرگُن سرگُن سُکھ دانا — تُو زبان رَسیا رنگ راتا
تُو ٹھاکر سیوک پرُبھن آپے — تُو گپتا پرگٹ پربھُو آپے
تُو جَل نِدھی تُو پھین بُدبُدا — تُدھ بِن اور نہ بھالیئے جیوٗ
آدی مدھیّہ اَنت پربھُو سوئی — اور نہ کرنی دکھالیئے جیوٗ
اپنے کرتب آپے جانہہ — آپے تُدھ سمالیئے جیوٗ
نانک داس سدا گُن گاوے — اِک بھوری ندر نہالیئے جیوٗ

त्रिकालस्य भक्तिरेव गरीयसी भक्तिरेव गरीयसी ॥ ८१॥

۸۱ - تینوں کالوں (زمانوں) میں بھگتی ہی شریشٹھ ہے۔ بھگتی ہی شریشٹھ ہے۔

اِس سُوتر میں رِشی اعلان کرتے ہیں کہ ہر زمانے (گزشتہ، موجودہ، آئندہ) میں بھگتی ہی سب سادھنوں میں افضل ہے۔ کیونکہ

(الف) یہ سہج سادھن ہے

(ب) سبھی اِس کے ادھیکاری ہیں۔

(ج) اِس میں بھگوان آپ ہی سادھک اور سادھیہ ہوتے ہیں۔

(د) بھگت کیول بُدھی دوارا ہی نہیں بلکہ سرو بھاؤ سے بھگوان کے ساتھ یُکت ہوتا ہے۔ اِسی لیے گیتا میں بھگت کو یُکت تم بتلایا گیا ہے۔

ترپاد وبھوتی نارائن اُپ نِشد میں رشی کہتے ہیں :-

" سب اُپایوں کو چھوڑ کر بھگتی کا آشریہ کرو۔ بھگتی نِشٹ ہو جاؤ۔ بھگتی نِشٹ ہو جاؤ۔ بھگتی سے سرو سِدھیاں سپھل ہو جاتی ہیں۔ ایسی کوئی بھی بات نہیں جو بھگتی سے سِدھ نہ ہوتی ہو۔

गुणमाहात्म्यासक्ति रूपासक्ति पूजासक्ति स्मरणासक्ति दास्यासक्ति सख्यासक्ति-
कान्तासक्ति वात्सल्यासक्त्यात्मनिवेदनासक्ति तन्मयतासक्ति परम-
विरहासक्ति रूपा एकधाप्येकादशधा भवति ॥ ८२॥

۸۲ - یہ بھگتی ایک ہو کر بھی گیارہ رُوپ دھارن کرتی ہے۔

(۱) گُن مہاتمیہ آسکتی (۲) رُوپ آسکتی (۳) پُوجا آسکتی (۴) سمرن آسکتی (۵) داسیہ آسکتی (۶) سکھیہ آسکتی (۷) کانت آسکتی (۸) واتسلیہ آسکتی

(۹) آتم نویدن آسکتی (۱۰) تن مینتا آسکتی (۱۱) پرم وِرہ آسکتی

بھکتی کا رنج سوُروپ پریم ہے اور اِس کا لکشیہ "پریتم" کا درشن ہے۔ لیکن یہ دِوّیہ پریم ایک ہوتا ہوُا بھی بھکتوں کی بھِن بھِن رُچی (میلان) کے انوسار انیک روُپ دھارن کر لیتا ہے۔ جیسے :-

(ا) گن مہاتمیہ آسکتی :- بھگوان کے گنوں کی مہانتا دیکھ کر اُس کے ساتھ پریم کرنا۔

(ب) روُپ آسکتی :- بھگوان کے روُپ کے ساتھ پیار

(ج) پوُجا آسکتی :- پربھو کی پوُجا میں مگن رہنا۔

(د) سمرن آسکتی :- ایشور کی یاد میں محو ہو جانا۔

(ر) داسیہ آسکتی :- اُسے سوامی جان کر اپنے آپ کو اُس کی سیوا میں کھو دینا۔

(س) سکھیہ آسکتی :- بھگوان کو مِتر جان کر سدا ہر جگہ اپنے ساتھ دیکھنا۔

(ص) کانت آسکتی :- اُسے اپنا پتی سمجھ کر پتی برتا استری کی مانند صرف اُسی کا ہو رہنا اور اُسی کی پریتی کے لیے جینا۔

(ع) واتسلیہ آسکتی :- جس طرح ماں اپنے بچے کے ساتھ سنیہہ اور لاڈ پیار کرتی ہے، اُسی طرح بھگوان کو ایک ننھا سا بالک جان کر اُس سے پریم کرنا۔

(ف) آتم نویدن :- اُس مالک کو اپنا آپ سونپ دینا۔

(ق) تن مینتا آسکتی :- اپنے پریتم کا روُپ ہی ہو جانا۔

(ک) پرم وِرہ آسکتی :- پریتم کی جدائی کے وِرہ میں جی نہ سکنا۔

इत्येवं वदन्ति जनजल्पनिर्भया एकमतः कुमार व्यास शुक शाण्डिल्यगर्ग विष्णु कौण्डिन्य शेषोद्धवारूणा बलि हनुमद्विभीषणादयो भक्त्याचार्याः॥८३॥

۸۳۔ کُمار۔ ویدویاس۔ شُک دیو۔ شانڈلیہ۔ گرگ۔ کونڈنیہ۔ شیش۔ اُدّھو۔ آرنی بلی، ہنوُمان۔ وِبھیشن آدی بھکتی کے آچاریہ، لوگوں کی نندا استُتی کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسا ہی کہتے ہیں۔ (کہ بھکتی ہی سب سے شریشٹھ ہے)

بھکتی مارگ کے اِن سب آچاریوں نے رائے عامہ کی کچھ پرواہ نہ رکھتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ بھکتی کا سادھن باقی سارے سادھنوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ اِن آچاریوں کی کتھائیں بھکتی شاستروں اور پرانوں میں پائی جاتی ہیں اور شردھا بھکتی کے ساتھ پڑھنے اور دل میں بسانے کے لائق ہیں۔

य इदं नारद प्रोक्तं शिवानुशासनं विश्वसिति श्रद्धत्ते स प्रेष्ठं लभते स प्रेष्ठं लभते इति ॥ ८४॥

۸۴- جو ناردجی کے کہے ہوئے اِس کلیان کے انوشاسن (اُپدیش) میں وشواس اور شردھا کرتے ہیں۔ وہ پریتم (بھگوان) کو پاتے ہیں۔ وہ پریتم کو پاتے ہیں۔

اُنت میں دیو رشی ناردجی فرماتے ہیں کہ جو شردھا اور وشواس کے ساتھ اِن سُوتروں کا پاٹھ، وِچار اور ان پہ عمل کرے گا، وہ اپنا جنم سپھل کرتا ہوا پریتم بھگوان کے پریم مئے سوروپ کو انوبھو کرے گا اور اِس پرم پد کو پراپت ہوگا جس سے پرے کچھ نہیں اور جس کے سامنے بھگتی اور مکتی دونوں ہی ہیچ ہیں۔ اِس لئے یہ بھکتی شاستر پرم شریشٹھ ہے اور پرم کلیان کا ہیتو ہے اور سب کچھ پریم سے نیچے ہے۔ پریم سے پرے کچھ نہیں (اوم شم)

ضروری نوٹ

سالنامہ "بھگتی انک" جنوری اور فروری ۱۹۷۷ء دو ماہ کا پرچہ تصور کیا گیا ہے۔ ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم نے ماہ فروری کے پرچہ کا کاغذ اِس میں صرف کر دیا ہے۔ نیز سالنامہ کا کام اِس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ ہم ماہ فروری کا پرچہ شائع کرنے میں اسمرتھ رہتے ہیں۔

"مینیجر"

شری کرشن گوبند ہرے مُرارے

گوہر قلم امیر الشعرا دیوان پنڈی داس جی قمر

شری کرشن گوبند ہرے مُرارے　　ہے ناتھ نارائن واسُدیو
غریبوں کی کشتی لگا دے کنارے　　دِکھا اپنی رحمت کے نوؔر نظارے
سِوا تیرے گِردھر گھنشام پیارے　　جو ڈُوبے ہیں بیڑے اُنھیں کون تارے

تُو ہی ہے جو سنکٹ ہیں نوارے
شری کرشن گوبند ہرے مُرارے، ہے ناتھ نارائن واسُدیو

کوئی دَر نہیں ہے دوائے مُصیبت　　ہے روز سر پر نیا دورِ آفت
تیرا نام جپ کر مٹاتا ہُوں کُلفت　　یہی دِل میں باقی ہیں تدبیر و حِکمت

ہیں چرنوں میں بیمار دُکھوں کے مارے
شری کرشن گوبند ہرے مُرارے۔ ہے ناتھ نارائن واسدیو

بھنور میں ہمارا تُو ہی ناخُدا ہے　　بُلند اپنا مُدّت سے دستِ دُعا ہے
لبوں پر یہ دَم آخری آگیا ہے　　توقف میں تکلیف لا انتہا ہے

چلے آؤ فی الفور داتا ہمارے!
شری کرشن گوبند ہرے مُرارے۔ ہے ناتھ نارائن واسدیو

سُنو عرض میری شری شیام شاماں　　کرو اپنی رحمت سے مُشکل کو آساں
تِرا نام نامی ہے راحت کا ساماں　　غمِ ہجر سے بَن گیا ہُوں سُداماں

مِری بھی خبر لو جشودا دُلارے
شری کرشن گوبند ہرے مُرارے۔ ہے ناتھ نارائن واسدیو

کہُوں کس سے جا کر کہ تُو رازداں ہے　　اُٹھیّا گوردھن کا جانِ جہاں ہے
بہارِ چمن ہے گُلِ بے خزاں ہے　　قمر کی زباں پر یہ لُطفِ زباں ہے

چمک میری آنکھوں میں آنکھوں کے تارے
شری کرشن گوبند ہرے مُرارے۔ ہے ناتھ نارائن واسدیو

جپ یگیہ

یعنی

سمرن

پنڈت نریندر ناتھ شرما نریندر

यज्ञानां जपयज्ञोऽस्मि ।
(गीता १०-२५)

بھاؤ :- یگیوں میں جپ یگیہ میں ہوں۔ (بھگوان کرشن جی)

जकारो जन्मविच्छेदः पकारः पापनाशकः ।
तस्माज्जप इति प्रोक्तो जन्म पाप विनाशकः ॥
(आग्नेय पुराण)

ज سے مُراد سلسلہ جنم مرن کا مسدود ہونا - اور **प** سے مُراد پاپ ناش کرنا ہے۔ اِس لئے پاپ اور جنم کا ناشک ہونے سے اِس کو جپ کہا جاتا ہے۔

यज्ञो वै विष्णु - یگیہ سے مُراد بھگوان وشنو ہے (جو اَنُو اَنُو میں ویاپک ہے)
بھگوت گیتا ۳-۹ اور ۹-۱۶ میں بھگوان نے یگیہ کو اپنا سُروپ بتلایا ہے۔ اور ۳-۹ میں فرمایا کہ سَروگت برہم ہمیشہ یگیہ میں پرتِشٹھت ہے۔ یگیہ یعنی بھگوان کے لیئے کیئے گئے کرم بندھن کارک نہیں ہیں۔ خود غرضی سے پھل کی کامنا سے کیئے گئے کرم ہی بندھن میں ڈالتے ہیں۔ بھگونت ارتھ کرم کرتے رہنے کی تو آگیا گیتاجی میں جابجا دی گئی ہے۔ اِس کی تعمیل نہ کرنا پاپ کہا گیا ہے۔

جپ یگیہ کو جو بھگوان نے اپنا سروُپ بتلایا ہے، اُس کا کارن یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص غریب، امیر اَن پڑھ، وِدوان، سب کی اِس تک پہنچ ہے۔ اِس میں نہ تو ہنسا ہوتی ہے نہ کوئی سامان یا دھن لگتا ہے نہ کسی خصوصی ستھان کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی کٹھن ریاضت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ کوئی بھی آسانی سے جب چاہے، جہاں چاہے جس حالت میں ہو، بھگوان کے نام کا یا کسی ویدک یا پورانک منتر کا جپ کر کے سِدّھی لابھ کر سکتا ہے۔ بھگوان نے گیتاجی ادھیائے ۴-۳۲ میں تمام قسم کے یگیوں سے گیان یگیہ کو شریشٹھ بتلایا ہے کہ تمام کرم گیان میں سماپت ہو جاتے ہیں اور اِنسان مُکت ہو جاتا ہے۔ آگے شلوک ۳۳ میں وہ گیان حاصل کرنے کے لیئے گیانی مہاتما کی شرن میں جانے کے لیئے کہا گیا ہے۔ جن لوگوں کو خوش قسمتی سے ایسے مہاپُرش کی شرن پراپت ہو جائے، اُن کے کلیان میں تو

کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ لیکن ایسے مہاپرش کا پراپت ہونا دُرلبھ ہے۔ جب تک ایسے مہاتما کی شرن پراپت نہ ہو پربھو کے کسی نام کا جپ شردھا سے کیا جائے اور اُن سے ہی اُس کے لئے پرارتھنا کی جائے۔ ویسے ہی گورو کرنے کے شوق میں کسی پاکھنڈی کے دام میں پھنس کر گمراہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ کٹھ اپنشد کے ارشاد کے مُطابق اندھا اگر اندھے کی رہبری کرے تو اُس کا جو حشر ہوگا وہ ہی انجام ہوگا۔

"جب کبھی اُٹھتی ہے موج انتظار رہبراں سینۂ حق سے ہُوا کرتی ہے تب صُورت عیاں"

تاہم جب تک ایسا ہو، بھگوان کے ہی کسی سوروپ کو گورو مان کر سادھن کرنا چاہیئے۔ بھگوان جگت گورو ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مہاپرشوں سے حاصل کیا ہُوا نام یا منتر اموگھ ہوتا ہے۔ لیکن شاستروں میں ایسے بھی وچن پائے جاتے ہیں کہ ہری نام جپ کے لئے کسی ونشیش دیکھشا یا اُپدیش کی ضرورت نہیں ہے۔

हरि संकीर्त्तनस्यास्य नोपदेश कथञ्चन ।
(ब्रह्माण्ड पुराण)

اس کے علاوہ بھگوان نے شری گیتا ادھیائے ۱۰ شلوک ۹، ۱۰، ۱۱ میں صاف طور پر آشواسن دیا ہے کہ جو لوگ میرے میں چت لگاتے، میرے لئے ہی جیتے ہیں، میرا ہی ذکر کرتے ہیں، اُن کو میں بُدھی یوگ دیتا ہوں۔ جس سے مجھے پراپت کر لیتے ہیں۔ اُن پر کرپا کرنے کے لئے اُن کے انتہ کرن میں سبھت ہوکر گیان روپ دیپک جلا کر اگیان اندھکار کا ناش کرتا ہوں۔ دھنیہ۔ دیامیہ۔ اس پر وشواس رکھ کر سادھن کرنا چاہیئے۔ بھگوان کے نام کو ہی گورو سمجھا جا سکتا ہے۔ شریمد بھاگوت و مہابھارت آدی شاستروں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اجامل۔ گج۔ گنکا۔ یون۔ ھیادھر وغیرہ نے کس سے دیکشا لی تھی اور اُن کا کون گورو تھا؛ لیکن بھگوان کے نام سے اُن کا اُدھار ہو گیا۔

اس مضمون میں یہ وچار کریں گے کہ جپ کیسے اثر کرتا ہے۔ اس کی تہ میں کیا وگیان ہے؛

شبد کی شکتی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ فی زمانہ تار برقی، ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو، گراموفون وغیرہ اس کے مظہر ہیں۔

ہمارے ہاں ماہر گائین آچاریہ مختلف راگ راگنیوں کو ودھی سے گا کر ان کی مورتیاں ظاہر کر دیتے تھے۔ اور سنگیت دنیا میں راگ، راگنیوں کے نام صُورت، رنگ دکھاؤ وغیرہ ماہرین نے کھوج نکالے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ اکبر کی ضد پر تانسین نے دیپک راگ گا کر دیپک جلا دئے تھے۔ وہ خود بھی دیپک کی آگ سے جھلسنے لگا۔ کوئی علاج کارگر نہ ہُوا۔ کیونکہ وہ ملار راگ سے واقف نہ تھا جس سے دیپک راگ کی آگ شانت ہو سکتی۔ بالآخر نراش ہوکر تیرتھ یاترا کے لئے نکلا۔ کسی مقام پر راجپوتانہ میں اس کو تانی و نانی نام کی دو بہنوں نے دیکھا اور آپس میں کہا کہ یہ دیپک کا جلا ہُوا ہے۔ جس پر اُن سے پرارتھنا کی گئی۔ انھوں نے ملار راگ گا کر اس کی تپش کو شانت کیا۔ اور مخلصی دی۔ کہتے ہیں کہ تانسین نے اس وقت سے تانی، تانی دونوں کا نام گانے کے الاپ میں شامل کر دیا۔ جو آج تک بھی گایا جاتا ہے۔

شاستروں میں منتروں کو دیوتا کا شریر بتلایا گیا ہے اور کہا گیا ہے دیوتا منتر آدھین ہوتے ہیں۔ اِسی لیے وشیش منتر سے خاص دیوتا کا ساکھشاتکار ادھیکاری سادھک زمانہ قدیم سے کرتے آئے ہیں۔ پوجا میں آواہن منتر کا بھی یہی بھاو معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ایک ناتھ جی اور گیانیشور مہاراج نے شرادھ کے موقعہ پر پتروں کا آواہن کیا تھا۔ اور شوری مان پتروں نے بھوگ لگایا۔ یہ منتر شکتی ہی تھی۔

مغربی ممالک میں بھی ایسے تجربے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں، ولایت میں ایک مرتبہ لارڈ لیٹن نے کچھ ماہر سائینسدانوں کو مدعو کیا اور سجے ہوئے کمرے میں ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ ایک گانے والی کسی معمولی ساز کے ساتھ راگ کو ودھی کے انوسار گا رہی تھی۔ اچانک پردے پر ستاروں کی سی شکلیں نمودار ہوگئیں۔ جب راگ بند کیا وہ شکلیں بھی غائب ہوگئیں۔

پھر اُس نے دوسرا راگ چھیڑا اور اچانک دوسری قسم کی شکلیں پردے پر ظاہر ہوگئیں۔ راگ بدلتے گئے، شکلیں بھی بدلتی گئیں۔ کبھی خوبصورت، کبھی بھیانک جانور پردے پر دکھائی دینے لگے۔ تماشائی حیرت زدہ تھے۔ راگ بند ہوا تو لارڈ نے تماشائی سائینسدانوں سے گانے والی کا تعارف کرایا کہ یہ سنگیت ودیا کی research انوسندھان کر رہی ہیں۔

کہتے ہیں دو مرتبہ فرانس میں بھی ایسے تجربے ہوئے۔ ایک مرتبہ گائیکہ نے راگ چھیڑا تو کنواری مریم شِشو عیسیٰ کو گود میں لئے ظاہر ہوئیں۔

ہمارے پرانے اِتہاس و پُران تو ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ کسی خاص منتر کے جپ سے کسی خاص دیوتا یا رُوح کو ظاہر کیا گیا۔ لیکن آجکل لوگ اِن کو گپ سمجھتے ہیں۔ اور خود کوئی سادھن کر نہیں سکتے۔ شاستروں پر اشردھا رکھتے ہیں۔ تنتر شاستر کا تو آدھار ہی شبد کی شکتی پر ہے۔ ہر ایک ورن، سُور، ویَنجن کی خاص خاص شکتی مانی گئی ہے۔ اور اسے اس کا بیج کہتے ہیں۔ غرضیکہ ہمارے دیش میں زمانۂ قدیم سے رِشی انوسندھان کرتے آئے ہیں اور منتر جپ کی عمارت اسی پر کامیابی سے کھڑی کی گئی۔ افسوس کہ ہم اُن مہان رشیوں کے نام ماتر کے وارث ہیں اور اپنے ورثہ کو بھلا ہی نہیں بیٹھے بلکہ اُس پر اوشواس بھی کرتے ہیں۔ غرضیکہ جس نام یا منتر میں جو شبد ہیں اُس منتر کے جپ سے اُن کی شکتی سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

پہلے آدمی کے من میں خیال پیدا ہوتا ہے، اُسی کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ آدمی کے کردار کی بنیاد اُس کے خیالات پر مبنی ہے۔ منش جیسے بھاو یا خیال رکھتا ہے، وہ اُسی کا مجسمہ ہوتا ہے۔ جپ سے سادھک کے خیالات پر ضبط ہوتا ہے۔ بار بار ایک نام یا منتر کے جپنے سے کان اُن کو سُنتے ہیں۔ دل و دماغ پر لگاتار اثر پڑتا ہے۔ دماغ میں اُن کے نقش بنتے ہیں اور پرانے سنسکاروں کی جگہ نئے سنسکار بنتے ہیں۔ مستقل پربھاو پڑتا ہے۔ اُدھر اِشٹ دیوتا کے دھیان سے دیوی گُنوں کا پربھاو پڑتا ہے۔ اور اِشٹ کے انوسار گُن اور سنسکار بدلنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر انتہ کرن کو ایک گلاس سمجھیں۔ اِس میں پرانے سنسکاروں کا پانی بھرا ہوا ہے۔ اِس میں جپ رُوپی پگھلے ہوئے سیسہ (نئے سنسکاروں) کو انڈیلا جائے تو جتنا سیسہ پڑے گا، اُتنا پانی نکل جائے گا۔

اور جب شبھ گنوں کے سیسہ سے انتہ کرن کا گلاس بھر جائے گا تو دُرگُن ختم ہو جائیں گے۔ اگیان کا ناش ہو کر اشٹ دیو ہی سما جائے گا۔ سادھک کی زندگی ہی بدل جائیگی۔ لگن شرط ہے۔

نام جپ پراچین کال سے بھارت میں جاری ہے۔ ویدوں میں بھی جا بجا نام کی مہما کے منتر پائے جاتے ہیں۔ مثال کے لئے صرف دو منتر پاٹھکوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

सुपर्णं विप्रा कवयो वचोभिरेकं सन्तं बहुदा कल्पन्ति ।
ऋ० १०-११४-५

بھاو:۔ بُدھیمان لوگ اُس ایک سَتّا (پرماتما) کو بہت ناموں شبدوں سے ورنن کرتے ہیں۔ اسی پرکار انیک نام ہونے پر بھی اپنی رُچی کے مطابق کسی بھی نام کا سمرن کیا جا سکتا ہے۔

तमु स्तोतारः पूर्व्यं यथाविद ऋतस्य गर्भं जनुषा पिपर्तन ।
आस्य जानन्तो नाम चिद्विवक्तन महस्ते विष्णो सुमतिं भजामहे ॥
ऋ० २/२/२६

بھاو:۔ ہے استُتی کرنے والو! ستیہ کے سار بھوت اُس پُران پُرش کو ہی یتھارتھ جان کر جیم کی سماپتی کرو۔ اُن وِشنو کے ناموں کو جانتے ہوئے اُن کا اُچارن بھی کرتے رہو۔ انیہ لوگ اُن کا جپ کریں چاہے نہ کریں۔ پرنتو ہم تو ہے وِشنو! آپ کے سُندر تیج اور سُمتی کو ہی بھجتے ہیں۔

پُرانوں میں تو جا بجا جپ کی مہما کا ورنن ہے۔

شری گیتا ادھیائے ۸ شلوک ۱۳ میں بھگوان نے رپخ مکھ سے فرمایا:۔

अनन्य चेता सततं यो मां स्मरति नित्यशः ।
तस्याहं सुलभः पार्थ नित्य युक्तस्य योगिनः ॥

بھاو۔ جو اننیہ چت سے میرا سمرن کرتا ہے اُس کو میں آسانی سے پراپت ہو جاتا ہوں۔

واضح رہے تمام گیتا شاستر میں یہی جگہ بھگوان نے سुलभ استعمال فرمایا ہے۔ سمرن نام جپ یا منتر جپ سے ہی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

مُنڈک اُپنشد میں اوم کو برہم پراپتی کا سادھن بتلایا گیا ہے۔ نیچے دو منتر پیش کرتا ہوں۔

धनुर्गृहीत्वौपनिषदं महास्त्रं शरं ह्युपासानिशितं सन्धयीत ।
आयम्य तद्भावगतेन चेतसा लक्ष्यं तदेवाक्षरं सोम्य विद्धि ॥
२/३ मुण्डक २

بھاو:۔ جس پرکار کسی بان کو چھوڑنے سے پہلے سان پر تیز کیا جاتا ہے، اسی پرکار آتما روپی بان اُپاسنا دوارا نرمل بنا کر اُس کا پرنو (اوم) رُوپی کمان پر احتیاط سے سندھان کرنا چاہیے۔ یعنی اوم کو اُچارن کرتے

چاہتے ہیں۔ ایسی خود فریبی کے شکار لوگ بخشش سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ سنسار اور پیار (عقل اور عشق) کا باہمی تضاد ہے۔ جب تک دل میں سنسار سمایا ہوا ہے وہاں پیار کا گذر نہیں ہوتا اور جہاں پیار بسا ہو وہاں سنسار نہیں رہتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اپنی جزوی خودی کو مٹانے سے گھبراتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ہماری جسمانی موت ہو جائے۔ شاید ایسے خود گم کردہ راہ یہ نہیں سمجھ پائے

جو غمِ حبیب سے دُور تھے ، وہ خود اپنی آگ میں جل گئے
غمِ یار جن کو نصیب ہے ، یہ خُدا کے وصل سے کم نہیں

اس لئے بندگانِ عشق کے لئے لازم ہے کہ وہ سازِ دل کو نغمۂ عشق سے ہمنوا کریں اور مضراب کی ضرب کو لازمی اور مُبارک سمجھیں۔ کیونکہ مضراب کی ضرب کے بغیر ساز سے نغمہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب تک نغمہ پیدا نہیں ہوتا، زندگی کو سرور نہیں آتا۔ اور نہ ہی مقصودِ حیات حاصل ہوتا ہے۔

تیرے سینے میں چھپا اِک نغمۂ بیتاب ہے
سازِ دل تیرا مگر منت کشِ مضراب ہے

انکشافِ حقیقت (2)

حباب کو ساگر سے الگ سمجھ کر ہاتھ لگایا تو حباب نے اُسی دم اپنی ہستیٔ موہومہ کو مٹا کر بتا دیا کہ میں تو ساگر ہی ہوں۔ لہر کو چھُوا تو اُس نے بھی ہلکا سا تھپیڑا دیکر عقل کو ہوش میں لا کر پکارا کہ میں تو پیار کی کا کل پیچاں ہوں۔ اتنا کہا اور رقص کرتی ہوئی چلتی بنی۔ پھر گرداب سے خطاب کیا تو جواب ملا کہ میں تو پریتم (ساگر) کے دل اور اُس کی دھڑکنوں کا مظہر ہوں۔ اے متلاشی! اگر تجھے ساگر کی حقیقت جاننے کا شوق ہے تو مجھ سے بغلگیر ہو۔ غیریت کو مٹا۔ میں تجھے ساگر کی تہ تک لے جاؤں گا۔ جہاں پہنچتے پر تجھ پر انکشافِ حقیقت ہو گا۔

ہر ایک سے اس انداز کا جواب پا کر عقل چکرا گئی۔ میں سرشار ہُوا اور صورتِ بُت کھڑا رہ گیا۔ مجھے ایسے حال پریشاں میں دیکھ کر اور اس فراوانی کے دھوکے کو دُور کرنے کے لئے حباب، لہر اور گرداب بیک زبان پکار اُٹھے کہ ہم سب کچھ بھی نہیں سوائے ساگر کے۔ ہیں کچھ کا کچھ سمجھنے والے بھولے اور بھولے وِچتی! تو اتنا ہی جان لے کہ ہم سب ساگر کے رُخ زیبا پر زیبائش کے چند خط و خال کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ یعنی ہم حُسنِ یار ہیں جو کہ اُس سے کبھی الگ نہیں ہو سکتا۔

بعینہٖ یہی کیفیت اس ذات جگت کی ہے۔ بس جان لے اس راز کو اور سدا اِک ہر (پربھو) کو ہر اِک میں دیکھ۔ "میں"، "تو"، "یہ"، "وہ"، تو محض القاب ہیں خود سے خود کو خطاب کرنے کے لئے۔ جو کچھ بھی حدِ نظر میں ہے یا حدِ نظر سے پرے ہے، یہ مجموعاً پُورن ہر (پربھو) ہی ہے۔ ماسوا ہر کے نہ کچھ تھا، نہ ہے اور نہ ہو گا۔

یہی عین حقیقت ہے۔ یہی حقیقی پوجا ہے۔ اپنے آپ کی (پربھو کی) اپنے آپ (پربھو سے) دھنیہ ہیں وہ جن کا انداز بندگی ایسا ہو گیا ہے۔

حقیقت ایک ہے صد ہا لباسِ رنگیں میں
نظر بھی چاہیئے کچھ حسنِ رہ گذر کے لیے

صدائے سالک

از قلم شری رام لال سالک

لیکر یہ تمنا آیا ہوں ساقی تیرے میخانے میں!
وہ جام دے جس سے فرق مٹے اپنے میں اور بیگانے میں

اک دلکش خواب ہے یہ دنیا اور اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں
ہم سب کا قیام وقتی ہے، دنیا کے مسافر خانے میں

اے حضرتِ ناصح رہنے دے مت زور دے ترکِ محبت پر
ہم نے تو بہا کر خونِ جگر ہے رنگ بھرا افسانے میں

وہ پیار کریں یا ٹھکرائیں، اک بار تو سامنا ہو جائے
ٹھوکر سے مقدر بن جائے جب سر رکھ دیں نذرانے میں

جو بندے رضا کے ہو بیٹھے اور اپنی خودی کو کھو بیٹھے
ہر رنگ میں وہ المست رہیں بستی میں ہوں یا ویرانے میں

ان تشنہ لبوں کو اے ساقی نظروں سے پلائے جا ہر دم
اب چھوڑ تکلف مینا کا کیا رکھا ہے پیمانے میں

کچھ حسن و عشق میں فرق نہیں، دونوں کی حقیقت ہے یکساں
شمع جس کو ظاہر کر دے، وہ آگ چھپی پروانے میں

دنیا مرنے سے ڈرتی ہے عاشق جیتے جی مرتے ہیں
وہ لطفِ حقیقی لیتے ہیں، اس جیتے جی مر جانے میں

باطل کو یہاں سچ مان لیا اور سچ کو جھوٹ سمجھ بیٹھے
اس جہل سے کیا کیا دکھ جھیلے دنیا کے اذیت خانے میں

عارف ہے حقیقت جو ہر دم، عاشق کو تلاشِ یار سدا
سچ پوچھیے کچھ بھی فرق نہیں فرزانے اور دیوانے میں

اس رنگ و بو کی دنیا میں کثرت کا دھوکا کھا بیٹھے
اک جلوہ ذاتِ واحد ہے، بکھرا سارے بت خانے میں

مالک تو میرا ہر جائی ہے اور دائم حاضر و ناظر ہے
سجدے کی کوئی اب قید نہیں کعبے میں ہو یا بتخانے میں

توحید کی مے پینے والے منصور صفت کہہ اٹھتے ہیں
ہم خود ہی خدائے مطلق ہیں دنیا کے عبادت خانے میں

جب تیرے سوا ہم کچھ بھی نہیں، پھر کہنا بجا ہے اے سالک
تو خود ہی مخاطب رہتا ہے، کہنے سننے، سمجھانے میں

(اوم) بھکتی بھگت اور بھگوان

از شری کانشی رام جی چاؤلہ

آدرنیہ شری گورکرپال جی نندہ اور پربھو عزیز برہمانند جی نندہ نے "پیارے اوم" کا ۱۹۷۷ء کا سالنامہ "بھکتی انک" نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اُن کو اس کے لئے ہاردک بدھائی پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ یہی نام کا انک پچھلے دو سالناموں کے ساتھ ٹھیک مطابقت رکھتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۷۵ء کا سالنامہ "پرمیشور انک" نکالا تھا جس میں اس مہان ستتا کے سمبندھ میں ہر پرکار کے وچار دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۷۶ء کا سالنامہ "یوگ انک" نکالا تھا۔ اور اُس میں اس پرم پاون ستتا سے میل کرنے کے سمبندھ میں چرچا کی گئی تھی۔ پہلے اُس ذات علیٰ کی صفات بتائی تھیں پھر اُس سے وصال کے ڈھنگ دِرشائے گئے۔ کیونکہ یوگ کے معنی ہی جُڑنا یا جوڑنا یا میل اور وصال ہے۔

اب ۱۹۷۷ء کا سالنامہ "بھکتی انک" کے عنوان سے اس درشٹی سے نکالا گیا پرتیت ہوتا ہے کہ پربھو پراپتی یعنی وصال باری کا سرل، سُگم اور سُلبھ مارگ بھکتی مارگ ہی ہے۔ اس مارگ کا لابھ جہاں اُوچ کوٹی کے وِدوان، پرکانڈ پنڈت، گیانی اور مہان بدھیمان پربھو پریمی لابھ اُٹھا سکتے ہیں، وہاں نرکشر بھٹاچاریہ اور سادھارن بُدھی، سرل پرکرتی اور الپ بدھی والے لوگ بھی اِتنے ہی کرت کرت ہو سکتے ہیں۔

بھکتی ہی وہ سادھن ہے جس کا سبھی آستک مت سہارا لیتے ہیں۔ بھکتی مارگ نہ صرف ویدوں اور دوسرے ہندو دھرم شاستروں نے بتایا ہے بلکہ دوسرے متوں مثلاً اسلام اور عیسائی مذہبوں نے بھی اسی کی ہدایت کی ہے۔ مثلاً قرآن شریف کی سورۃ التوبہ میں آیا ہے "فاذکرونی، ولا تکفرون"۔ یعنی اے انسان! تو اپنے مالک کو یاد کر اور اس سے کبھی منہ نہ موڑ۔ اسی طرح انجیل مقدس میں لکھا ہے۔

Praise ye the Lord. Praise O ye servants of the Lord, Praise the name of the Lord.

(Psalms - 113)

ارتھ:— اے انسان! تو اپنے مالک (اللہ) کے گن گا۔ او خدا کے بندو! اُس مالک کے گن سبھی گاؤ اور اُس کے نام کی مہما گاؤ۔

اسی طرح پارسی، یہودی، بہائی اور دیگر آستک مت پربھو بھکتی کو مانو کلیان کا پرمکھ سادھن مانتے ہیں۔ گوروبانی اور سکھ دھرم تو ہندو دھرم کا ہی ایک انگ ہیں۔ گورو گرنتھ صاحب میں تو پرمیشور کے وہ تمام نام اور ساتھ

دیوی دیوتاؤں کے نام آتے ہیں۔ جو ہندو دھرم شاستروں میں آتے ہیں۔ جیسے ہری، گوبند، رام، نارائن، پربھو، وشنو، گوپال، اور دوسرے سبھی نام گوربانی میں آتے ہیں۔ ویدوں اور پرانوں کا بھی ذکر آتا ہے۔ ایشور نام اس طرح آتے ہیں۔

گوبند بھجن بن تل نہیں مانے ۔ گوبند بھجن بن برتھے سب کام
ہری کا نام جپت دکھ جائے ۔ ہری کا نام کوٹی پاپ کھووے
رام نام اُر میں گہیو جا کے سم نہیں کوئے ۔ نہیں تل رام نام بیچار
کوٹن میں نانک کوؤ نارائن جیہہ چیت ۔ نارائن ہے نانک ایک
پربھو کے سمرن دکھ جم نسے ۔ ابناسی پربھ من مہہ راکھ
اُر دھارے جو انتر نام ۔ سرب میں پیکھے اِک بھگوان
لکھے نہ جاہی پار برہم کے رنگ ۔ پار برہم پرمیشور گوبند
سنت کا نندک پرمیسور مارا ۔ ٹوٹی گاڈھن ہار گوپال۔ گوپال دامودر دینِ دیال
کہو نانک ایہہ بپت میں ایک ٹیک رگھوناتھ ۔ وید پران جاس گن گاوت تا کو نام ہیئے میں دھرے

بھگتی سے شانتی

۱۰ جون ۱۹۷۶ء کو میرا جنم دن تھا۔ اُس دن میرے اس جنم کا ۸۹ واں سال شروع ہوا۔ اس دن کے سمبندھ میں میں نے چند پریمی سجنوں کو نمنترت کیا ہوا تھا۔ اُس وقت کئی اور باتیں ادھر اُدھر کی بھی ہوتی رہیں۔ اور پھر اُسی دوران ایک سجن نے مجھ سے پوچھا کہ خاولہ جی! اب پربھو کی کرپا سے آپ نوّے سال کے ہونے والے ہیں۔ اور آپ نے زمانہ کے نشیب و فراز بھی اور اُتار چڑھاؤ خوب دیکھے ہیں۔ اس لئے آپ اپنی زندگی کا بہترین انوبھو بتائیے۔

میں نے کہا کہ میرا سب سے مہان انوبھو یہ ہے کہ انسان سکھ تبھی پراپت کر سکتا ہے کہ جب اس کی انترآتما میں ٹھنڈک اور شانتی ہو۔

یہ سن کر وہ سجن بولے کہ یہ بات تو ہم بھی جانتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ گھر اور باہر کا ہر ایک فرد ہی نہیں بلکہ ہر ایک دوسری شے بھی اشانتی پیدا کرنے والی ہو تو اندر شانتی کیسے آئے؟

اس کے جواب میں میں نے نویدن کیا کہ یہ بات ہر زمانہ میں اُن لوگوں نے کہی ہے کہ جنہوں نے شانتی پراپتی کا ٹھیک سادھن اختیار نہیں کیا۔ ایسے لوگ اپنی اشانتی کی ذمہ داری سدا سے دوسرے لوگوں اور دوسری چیزوں پر ہی ڈالتے رہے ہیں۔ حالانکہ دوش اُن کا اپنا ہوتا ہے۔

تب وہ سجن کہنے لگے کہ ذرا اس بات کی وضاحت کیجئے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ نے دودھ لینا ہو تو آپ کہاں جاتے ہیں؟ وہ بولے کہ حلوائی کی دوکان پر یا گوالے کے پاس! پھر میں نے پوچھا کہ اگر آپ کو سبزی یعنی مطلوب ہو، تب آپ کہاں جاتے ہیں؟ اس پر وہ کہنے لگے کہ سبزی فروش کے پاس! پھر میں نے کہا کہ کیا کبھی آپ شانتی خریدنے

ہوئے ارتھ رُوپی پرماتما کے چنتن میں لگانا چاہیئے۔ اس کے بعد کمان کو پُوری شکتی سے کھینچ کر بان کو لکش (پرماتما) پر چھوڑنا چاہیئے۔ یعنی بھاو پُورن محویت سے اوم کا ادھک سے ادھک لمبا اُچارن اور ارتھ سورُوپ پرماتما کا گاڑھ چنتن لمبے عرصہ تک کرنا چاہیئے۔ جس سے آتما نشچت پرماتما میں پرویش کر جائے۔ غرضیکہ اوم کے اُچارن اور پربھو کے چنتن کو ہی پربھو پراپتی کا اُپائے بتلایا گیا ہے۔ اور صاف کرتے ہیں:-

प्रणवोधनु: शरो ह्यात्मा ब्रह्म तल्लक्ष्य मुच्यते ।
अप्रमत्तेन वेद्धव्यं शरवत्तन्मयो भवेत ॥ २/४ मुण्डक २

بھاو:- اُوپر بتلائے ہوئے رُوپک میں پرمیشور کا واچک اونکار مانو دھنش ہے۔ جیو آتما بان ہے۔ اور برہم لکش ہے۔ ہوشیاری سے اُپاسنا کرنے والے سادھک کے ذریعہ وہ نشانہ بیندھا جا سکتا ہے۔ اِس لئے ہے سومیہ! تجھے اُوپر بتلائے ہوئے طریق سے اسی لکش کو بیندھ کر اِس طرح اُس میں محو ہو جانا چاہیئے۔

جپ کا مہتو اُوپر کے منتروں سے صاف واضح ہے۔

یوگ آچاریہ مہرشی پتنجلی یوگ درشن میں فرماتے ہیں۔

तस्य वाचक प्रणव, तज्जपस्तदर्थ भावनम । योग० 1-27-28

بھاو - پرماتما کا واچک اوم ہے۔ اس کا جپ اور اس کے ارتھ کی بھاونا کرنی چاہیئے۔

समाधि सिद्धिरीश्वर प्रणिधानात । योग० २/४५

بھاو:- ایشور پربھی دہان سے سمادھی سِدھ ہو جاتی ہے۔

کچھ بُدھی ابھیمانی یہ کہہ کر کہ پرماتما کی پراپتی بڑی کٹھن ہے، خالی مُنہ سے رام رام کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ جبکہ من ہی ایکاگر نہ ہُوا۔ اور اِس طرح سے سادھارن لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں لیکن یہ کام مہاراج کے پرتی ناقابلِ معافی اپرادھ ہے۔ بھگون نام کی مہما بھگوان کے سمان ہی اپار ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں بھگوان کا نام کسی کٹھن ریاضت و عالمانہ لفظوں یا کسی اور شرط کے مرہون نہیں۔ اِس بھگون نام کا تو سوبھاؤ ہی ہے کہ بھاؤ سے کُبھاو سے، پریم سے، دُشمنی سے جو نام گرہن کریگا اُس کا کلیان نشچت ہے۔ آگ کو جان کر یا انجانے جو بھی چھوئے گا وہ جلا دیگی۔ زہر جان یا انجان میں اگر کوئی کھائے تو مر جائے گا۔ لیکن آگ و زہر تو پھر بھی جڑ ہیں۔ نام بھگوان تو چیتنوں کے چیتن ہیں۔ وہ کیا نہیں کر سکتے؟ اگر پھر بھی ثبوت کی ضرورت ہو تو شاستروں اور سنتوں کے بیشمار وچن اور بانی اس کے شاہد ہیں۔ اگر دلیل کی ہی ضرورت ہے تو وید مقدس کی گواہی لیجئے۔ نیچے دو شرتیاں جن کا شری آدی شنکر آچاریہ جی نے شری وشنو سہسر نام کے بھاشیہ میں شلوک ۱۴ کی ویاکھیا کرتے ہوئے حوالہ دیا ہے، پیش کرتا ہُوں

मनसा वा अग्रे सङ्कल्पयंत्यथ वाचा व्याहरति ।

بھاو:- پہلے من سے سنکلپ کرتا ہے۔ پھر بانی سے بولتا ہے۔

यद्धि मनसा ध्यायति तद्वाचो वदति ।

بھاؤ:- پہلے من سے بات سوچتا ہے۔ پھر بانی سے کہتا ہے۔

ان دو شرتیوں سے سمرن اور دھیان بھی نام کیرتن (جپ) میں ہی سدھ ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ وہیں انہوں نے بھاشیہ میں لکھا ہے کہ شردھا بھگتی کا ابھاو ہونے پر بھی نام کیرتن (جپ) تمام پاپوں کو نشٹ کر دیتا ہے۔ پھر شردھا سہت سہسر نام کا کیرتن جپ پاپ کا ناش کر دیتا ہے۔ اس میں تو کہنا ہی کیا ہے؟

شاید ان نرک شاستریوں کا تو اب بھی سمادھان نہ ہو لیکن شردھالو آستک پاٹھکوں کا ضرور اطمینان ہوگا۔ اب تک ہم نے پراچین رشی مہرشیوں اور شاستروں کے حوالے دیئے ہیں۔ زمانۂ حال کے مہان سنت مہاتما گاندھی جی کے وچار بھی سنیئے۔ وہ کہتے ہیں:-

"رام نام اور پوجن۔ پرارتھنا میں ہی واستوک تتھیہ ہے۔"

"مہان سے مہان کرم یوگی بھگتی پورن بھجنوں کا اتھوا پوجا کا تیاگ نہیں کرتے۔ آدرش وادی درشٹی سے تو دوسروں کی سیوا ہی پوجا کہی جا سکتی ہے۔ پرنتو سچا پرارتھنا میں بھجن سے ہی سچی سیوا میں سہایتا ملتی ہے۔ رام نام جپ سے لاثانی شکتی پراپت ہوتی ہے۔ ایشور شرناگتی، پوجن، پرارتھنا، یہ مثیا دھارنا نہیں ہیں۔ کھانے پینے بیٹھنے چلنے کے مقابلہ میں زیادہ حقیقی ہیں۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ان ہی بھجن پوجن وغیرہ میں سچا واستوک تتھیہ ہے۔ اور سب کیول بھرم ہے۔"

(مہاتما گاندھی)

اب خواب سے بیدار ہو

رہروِ راہِ فنا اب خواب سے بیدار ہو ــ مختصر ہے زندگی غافل نہ یہ بیکار کھو
اک شجر پر شام کو ہوتے ہیں یک جا کچھ پرند ــ یعنی اپنی راہ لیتے ہیں صبح کو ہوشمند
بس یونہی اپنے پرائے ہو رہے ہیں ایک جا ــ شاہدِ منظر ہے تو کیا تیرا ان سے واسطہ
بستگی ان سے نہ ہو، اللہ سے کر وابستگی ــ بالیقیں کرتا ہے آڑے وقت میں ہم دستگی
کیا بھروسہ آدمی کا جو ہے مرہونِ فنا ــ ذاتِ باری کا ہی واجب ہے فقط اک آسرا
دردِ دل پاسِ وفا ہو جذبۂ ایمان ہو ــ گامزن بر راہِ نیکی ہو تبھی انسان ہو
عیش گر تجھ کو نہیں حاصل تو کیوں مغموم ہے ــ جان لے مقبول ہے تو اس کا یہ مفہوم ہے
تنگدستی، خستگی، غربت ہیں ان کی آستاں ــ قرب کی راہیں ہیں ان کی، بندۂ حق کی ہیں شاں
تو فریبِ دامِ رنگ و بو سے اب آزاد ہو ــ دامنِ مولا پکڑ کیوں زندگی برباد ہو
جسم و جاں تیرے نہیں ہیں، مال و زر تیرے نہیں ــ وقتِ رحلت ساز و ساماں چھوڑ جائے گا یہیں

تین باتیں ہیں بڑی نایاب دُنیا میں ذکی
جامۂ انسان حاصل ہو سمجھ لے پہلی بات
مُرشدِ کامل کا ملنا سب سے مشکل بات ہے
پھر کھُلیں تجھ پہ ریاضت سے وہ اسرارِ نہاں
گاہے خنداں، گاہے گریاں نطق بھر آئی رہے
ہو روشِ مستانہ دل سے محو ہوں سود و زیاں

اُس کی رحمت سے بہم ہوں ہیں عطا اُس ذات کی
دُوسری گر آدمی میں ہو تمنائے نجات
گر ملے خوش بخت تو یہ دافعِ آفات ہے
زندگی پُر کیف حاصل دائمی راحت ہو یاں
اِسم اقدس ہو زباں پر بے خودی چھائی رہے
بارگاہِ حُسن کی خوش بخت یہ ہے آستاں

بد نصیبی پر نریندر تو نہ اب ہلکان ہو
رکھ یقیں مردِ خدا، کیوں منفیٔ ایمان ہے

گُفتگُوئے راز و نیاز

از قلم پنڈت رام لال جی سالک

پرم آدرنیہ شری نندہ جی کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہُوئے ذاتی فکر و تحقیق کی بنا پر چند رُوحانی اِشارے رقم کئے جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ اِن کے بغور مُطالعہ اور دِل میں جگہ دینے سے راہ روانِ عشق کو دُشواری منزل سے گُزر جانے میں آسودگی ہو اور نتیجتاً کیف و سرورِ ذات نصیب ہو۔

(۱) محفلِ سرفروشاں سے خطاب

آج کی محفل ہم خدائے عشق کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ بندگانِ عشق کے لیے خدائے عشق ہی اُن کا سب کچھ ہوتا ہے۔ کیونکہ پربھو پیارا ہے اور پیار ہی پربھو ہے۔ یہ سارا وراٹ جگت (جس میں ہم سب شامل ہیں) رِشتہ محبت سے بندھا ہے۔ پیار رُوپ پربھو جو کہ رونقِ محفل ہے، اُس کے آگے سجدۂ شکرانہ ادا کرتے ہُوئے بزبانِ دل کہنا ہوگا۔

قادر کی کائنات میں اِس انداز سے عاشق رہتے ہیں
ہر گھر کو خدا کا گھر سمجھیں، ہر در کو درِ جاناں جانیں
(سالک)

یاد رہے کہ جس جگہ پر سُلطان خیمہ ڈالتا ہے وہاں دُور دُور تک غوغائے عالم (یعنی دُنیا والوں کا شور و غل)

نہیں ہوتا۔ بعینہٖ جہاں شہنشاہِ عشق خیمہ زن ہوتا ہے وہاں کوئی بھی دُنیاوی علت و معلول پاس پھٹکنے نہیں پاتے۔ دل یار کا حریم ناز ہو جاتا ہے اور اس جلوہ گری سے دل میں وہ عشق ہمہ گیر پیدا ہوتا ہے جو ساری دُنیا کی نوعیت کو بدل کر مرقعۂ محبت (سراسر پیار ہی پیار) بنا دیتا ہے اور اُسے اپنے میں جذب کر لیتا ہے۔

عشق ہی آخر میں نکلا ہستیٔ حسن تمام
تابِ دید اور وسعتِ دل بیکراں ہونے لگی (سالک)

خدا کی بندگی کے کئی طریقے (سادھن) مہا پُرشوں نے کہے ہیں۔ جن میں سے ایک راہِ عشق (پریما بھگتی) بھی ہے۔ یہ راستہ مُقابلتاً نزدیک تر، سہل تر اور حسین تر ہے۔ اس راستہ میں عقل کو دخل نہیں (جو گمراہ کرتی ہے) اور نہ ہی چوں وچرا کی گنجائش ہے۔

عاشقی ہے بند آنکھیں کر کے لُٹ جانے کا نام
قیس ہو سکتا نہیں ہر ایک دیوانے کا نام

عشق کا نذرانہ ہے اپنا سب کچھ بمعہ اپنے آپ کے بخوشی سُپردِ یار کر دینا۔ یعنی آپ نہ ہونا۔ اور اپنا سب کچھ "یار" ہو جانا۔ اس شرط کو نباہ پانے پر عاشق جزویت سے اُٹھ کر کُلیت میں آ جاتا ہے اور زبانِ شکر سے کہہ اُٹھتا ہے

میرے دل سے پردۂ غیریت جو تیرے کرم نے اُٹھا دیا
ساری کائناتِ حیات میں مجھے اپنا جلوہ دکھا دیا (سالک)

عبادت کے دیگر سادھنوں میں (جن کے قواعد و ضوابط شاستروں میں لکھے گئے ہیں) بہت کچھ کرنا پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف جسمانی اور ذہنی کوفت اُٹھانی پڑتی ہے بلکہ عقل (جو کہ عشق کی دُشمن ہے) شاملِ حال رہتی ہے۔ اور فاصلہ دُوری قائم رکھتی ہے۔

عشق والے کر گئے طے منزلیں
عاقلوں کے راستے دُشوار تھے (سالک)

یہ بھی امرِ حقیقت ہے کہ ماسوا پریما بھگتی دوسرے سادھنوں کے طفیل ہمیں وقتی اور عارضی آنند ملتا ہے۔ لُطفِ دائمی (یعنی نتیانند) نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس عشق میں سراسر ہونا پایا جاتا ہے۔ یعنی جُزوی خودی کا ختم ہو جانا اور اپنا سب کچھ ایشور ہو جانا۔ عاشقِ حقیقی "کرنے" سے گُذر کر "ہونے" میں چلا جاتا ہے۔ "کرنا" وقتی ہے اور "ہونا" دائمی (نتیہ) ہے۔ جو نتیہ ہے وہ تو خُدا ہے۔

جو ہوتا ہے وہی ہوتا سدا ہے
جو ہوتا ہے وہی ہوتا خُدا ہے (سالک)

اہلِ عقل جھجک جھجک کر راہِ عشق میں قدم رکھتے ہیں۔ وہ سنسار اور پیار دونوں کو ساتھ ساتھ رکھنا

کے لئے شانتی فروش کے پاس گئے ہیں؟ یہ سُن کر وہ سبھی لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ آپ آپ مذاق کرنے پر اُتر آئے ہیں۔ اگر شانتی بکتی ہوتی تو کوئی بھی اِس سے محروم نہ رہتا۔ میں نے کہا:۔ سجن! میں مذاق نہیں کر رہا۔ میں آپ کو حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ شانتی بکتی ہے اور مِل سکتی ہے۔

تب وہ سجن بولے کہ میں آپ سے شانتی خریدنا چاہتا ہوں۔ بولیئے کیا مول لیں گے؟

اِس پر میں نے کہا کہ میں آپ کو شانتی فروش کا پتہ دے سکتا ہوں اور اِس کا آپ کو کوئی ٹکہ پیسہ یا کوئی اور دُنیاوی پدارتھ اُس کے حاصل کرنے میں خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔

یہ سُنکر وہ میرے مفہوم کو سمجھ گئے کہ میرا مطلب پرمیشور سے ہے جو کہ شانتی کا بھنڈار ہے اور شانتی کا سروت ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میں آپ کا مطلب سمجھ تو گیا لیکن وہ اُس پربھو سے ملیں کیسے؟ میں نے کہا:۔ اُس کا مول ہے۔

"شردھا پورن بھگتی اور وشدھ پریم بھری بھاونائیں"

تب وہ سجن بولے کہ چاولہ جی! موجودہ حالات میں بھگتی پتھ گرہن کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔ تب میں نے کہا کہ تب شانتی پراپت کرنا بھی مُشکل ہے۔ شانتی تو شانتی فروش کی دوکان سے ہی مِل سکتی ہے اور اُس دوکان کو جانے کا راستہ ہے "بھگتی مارگ"۔

پھر میں نے کہا۔ آپ موجودہ حالات کی بار بار شکایت کرتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ حالات پیدا کن کارنوں سے ہوئے؟ یہ سوال سُن کر وہ سجن سوچنے لگے۔

میں نے کہا۔ میرے پیارے بھائی! ان حالات کو پیدا کرنے کا کارن ہی بھگتی اور پریم مارگ سے بھٹک جانا ہے۔ یہ حالات بھی تب تک نہیں سُدھر سکتے جب تک کہ تم اسی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوتے۔ ہمارے شاستر اور مہاپرش جن راہوں پر چلنے سے ہم کو روکتے رہے ہیں، ہم نے اُن کی آگیاؤں کی اوہیلنا اور اَن سُنی کر کے اُنھیں کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ حالات پیدا کر لئے ہیں۔ اور اب خود ہی اِن حالات سے دُکھی ہو کر ان کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ تو مکڑی کے جالے والی بات ہے۔

مغربی تہذیب کی ظاہرہ چمک دمک نے ہم کو ادھیاتم کے کلیان مارگ کو چھوڑ کر مادیت کے کیچڑ میں پھنسا دیا ہے اور اِس کیچڑ کی گندگی اور سڑاند سے جب دم گھٹنے لگا ہے تو اب شکایات کرتے ہیں حالات کی۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ پشچمی دیش اور خاصکر امریکہ کے لوگ اپنی تہذیب سے تنگ آ گئے ہیں اُن کے من بیحد طور پر اشانت ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور جب وہ سُنتے ہیں کہ اُن کو شانتی کی ٹھنڈی اور سُگندھت وایو بھارت میں مِل سکتی ہے تو وہ بھارت کا رُخ کرتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم خود ٹھنڈی راہ سے بھٹک چکے ہیں یہاں ملتے ہیں اُن کو ڈھونگی گورو جو اُن کی دولت کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے ہوائی جہاز خریدتے ہیں اور دیگر عیش و آرام کے سامان اکٹھے کرتے ہیں۔ اِس لئے وہ اُن کو شانتی کا مارگ کیسے دِکھلا سکتے ہیں۔ جو آپ گمراہ ہو چکا ہے وہ دوسروں کو سیدھا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے۔

جب میں اتنا کہہ چکا تو ایک دوسرے سجن بولے کہ چاولہ جی! ہم نے آپ کا بہت سمے لیا۔ آپ کرپا کر کے یہ بتائیں کہ بھکتی مارگ گرہن کیسے کریں؟ میں نے کہا:- آپ شریمد بھگوت گیتا، رامائن اور دوسرے دھرم شاستروں کا سوادھیائے کریں۔ دھارمک رسالے اور اخبار پڑھیں۔ مہاپرشوں کی جیونیاں پڑھیں۔ اس سے آپ کو اس مارگ کی ٹھیک جانکاری ملیگی۔

یہ سنکر پھر وہ بولے :- ہم کچھ کچھ تو پہلے ہی یہ باتیں کرتے ہیں۔ اب اور زیادہ کرینگے۔ لیکن آپ ایک دو ضروری نکتے تو بتلانے کی کرپا کیجیے۔ تب میں نے کہا کہ چھوٹے سے چھوٹا نکتہ یا انت یہ ہے ــــ "پربھو اور اس کی پرجا سے وشدھ پریم"۔ منش کو دکھی بنانے والی بڑی بڑی چار باتیں ہیں۔ اور وہ ہیں (۱) بھئے (۲) چنتا (۳) کرودھ اور (۴) دویش ــــ جس خوش نصیب انسان کا پربھو اور اس کی پرجا سے وشدھ پریم ہو جائے۔ وہ ان کارنوں سے دکھی نہیں ہوتا۔ بھئے اور چنتا تو اس آدمی کے نزدیک نہیں پھٹکتے جس کا پربھو سے پریم ہو۔ پربھو وشواسی پرش کا من ایشور وشواس سے اتنا درڑھ ہو جاتا ہے کہ نہ اسے کسی چیز سے خوف ہوتا ہے اور نہ فکر۔ اور کرودھ اور دویش سے اس شخص کا من پربھاوت نہیں ہوتا جو پربھو کی پرجا سے لاغرض پریم کرتا ہے۔ کیونکہ جس سے پریم ہو اس سے کرودھ اور دویش کیسے کیا جا سکتا ہے؟

پھر وہ سجن بولے کہ شری گیتا جی میں تو جہاں بھکتی کو سرو اتم کلیان سادھن کہا ہے وہاں کرم اور گیان کو بھی ایسا ہی بتایا ہے۔ تو یہ تینوں تو سرو اتم نہیں ہو سکتے ــــ اس کے اتر میں میں نے نویدن کیا کہ جس طرح انسان کے پیٹ کی بھوک روٹی کھانے سے بھی مٹ سکتی ہے، دودھ پینے سے بھی اور پھل میوے کھانے سے بھی۔ ان میں سے جس انسان کی جس خوراکی شے سے رچی ہوتی ہے، اسی سے وہ اپنی بھوک مٹا سکتا ہے۔ جس طرح یہ تینوں خوراکی پدارتھ ایک سمان سرو اتم بھوجن ہیں۔ اسی طرح جیو کی آتمک بھوک بھی گیان۔ کرم اور بھکتی، تینوں سے ہی مٹ سکتی ہے۔ اپنی اپنی انتر پرکرتی اور بھاونا کے انوسار جس کو جو سادھن رچی کر ہو، اسی سے وہ اپنی ادھیاتمک بھوک مٹا سکتا ہے۔

تب میں نے کہا کہ اس سال "ادم" کا سالنامہ ہی "بھکتی انک" نکل رہا ہے۔ اس کے سوادھیائے سے آپ کی بہت سی شنکائیں بھی دور ہو جائیں گی اور اس سے آپ کو بھکتی کی مہانتا کو سمجھنے کے لیے پوری پوری جانکاری ملیگی۔ چونکہ یہ بات چیت اتفاق سے بھکتی کے وشے پر ہی ہوئی تھی، اس لئے میں نے اس کو اس لیکھ کے پرستاونا روپ میں لکھنا اچت سمجھا ہے۔ اب اصل مضمون کی طرف چلتے ہیں :-

بھکتی کا سوروپ

بھکتی کیا ہے؟ یا بھکتی کسے کہتے ہیں؟ اس کے وشے میں سنکیت ماتر تو پہلے ہی عرض کیا گیا ہے۔ اب شاستروں کے فرمان اس بارے میں نویدن کئے جاتے ہیں۔ شری رامانج بھاشیہ گیتا میں کہا گیا ہے کہ:-

"پریم پوروک بھگوان کا دھیان کرنے کو بھکتی کہتے ہیں"

شریمد بھگوت گیتا میں لکھا ہے:- ــــ "نشکام بھاو سے ستو مورتی شری بھگوان کے پرتی اپنی پرورتی کو لگانا ہی بھکتی ہے جو کہ باقی سدھیوں سے بڑی ہے۔"

(3-32-33)

پھر شریمد بھگوت گیتا میں فرمایا ہے کہ بھکتی ان کریاؤں کا نام ہے :-

"بھگوان کی امرت مئی کتھاؤں میں شردھا سے سننا۔ نرنتر پرمیشور کا نام جپ کرنا۔ پوری نشٹھا سے پوجن کرنا۔ پربھو کی استتی کرنا اور وندنا کرنا۔ پربھو بھکتوں کا وششیش روپ سے آدر کرنا اور سب پرانیوں میں بھگوان کا ہی روپ دیکھنا۔ (اسے بھکتی کہتے ہیں) (۱۱-۱۹-۲۱)

پدم پران میں بھکتی کے سات پُشپ اس طرح بتلائے ہیں :-

پہلا پُشپ اہنسا۔ دوسرا اندریہ سنیم۔ تیسرا سب پرانیوں پر دیا کرنا۔ چوتھا باہری سنسار میں شانت رہنا۔ پانچواں اپنے اندر شانتی رکھنا۔ چھٹا پرمیشور میں دھیان لگانا اور ساتواں ہے ستیہ یعنی صداقت یا سچائی کو دھارن کرنا — ان سات پُشپوں کے ارپن کرنے سے پربھو کی بھکتی کی جائے تو پربھو پرسن ہو جاتے ہیں۔

اس شاستر پرمان سے یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہیئے کہ جو لوگ دوسروں کے باغ اُجاڑ کر پھول توڑ کر چڑھانا ہی بھکتی سمجھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہمیں تو بھکتی سے کچھ لابھ نہیں ہوتا، وہ بھکتی کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ اور جن پُشپوں کو چڑھانے سے پربھو کی پرسنتا پراپت کی جا سکتی ہے، اس سے وہ بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ ہیں وہ پھول جو چڑھانے چاہئیں۔ پہلا پھول ہے کسی کو تکلیف یا دُکھ نہ دینا اور نہ کسی کا نقصان کرنا۔ رشوت خوری، منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، چھل فریب سے دھن کمانا، یہ سب بھی ہنسا کا ہی روپ ہیں۔ کسی کا سر بھیدڑ دینا ہی ہنسا نہیں ہوتی۔ اگر ہم ان مند کریاؤں سے دور نہیں رہتے اور لمبی لمبی مالا پھیرنے سے ہی بھگت بننا چاہتے ہیں تو یہ ایک ڈھونگ ہے۔ اسی لئے کہا ہے :-

سادھو بھیا تو کیا بھیا مالا پھیری چار — باہر بھیکھ بنایا بھیتر بھرے انگار
کامی، کرودھی، لالچی، ان سے بھکتی نہ ہوئے — بھکتی کرے کوئی سورما، من کا آپا کھوئے

اسی طرح باقی پُشپوں کو بھی لیجئے۔ دوسرا پُشپ ہے اندریہ نگرہ — یعنی زبان سے کسی کو کڑوا نہ بولنا، اور نہ ہی کھانے کا چسکہ ہونا۔ کان سے کسی کی نندا یا بُری باتیں نہ سننا۔ آنکھوں سے کسی کے دوش نہ دیکھنا، نہ ہی بُری درشٹی ڈالنا۔ ہاتھوں سے مند کرم نہ کرنا۔ پیروں سے بُرے ستھان کو یا کسی بُرے کرم کے لئے نہ جانا۔ وِشے بھوگ سے دور رہنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہم اندریوں پر تو اس طرح سے سنیم نہ رکھیں اور صرف شاستر پاٹھ کر کے وچار کریں کہ ہم پربھو کی بھکتی کرتے ہیں تو ایسا سوچنا نہ صرف اگیان ہے بلکہ مہا مورکھتا ہے۔

اس سے آگے تیسرا پُشپ بتایا ہے سب جیووں پر دیا کرنا اور چوتھا اور پانچواں پُشپ ہیں اپنے باہر کے اور انتر آتما کے سنسار میں شانتی بنائے رکھنا۔ ان پانچوں پُشپوں سے بھگوان کا پوجن کر کے چھٹا پُشپ بتایا ہے پربھو کا دھیان کرنا۔ اگر ہم پہلے پانچ پُشپوں کا تو دھیان نہ کریں اور بھگوان کے دھیان میں بیٹھ کر کلیان کی آشا رکھیں۔ تو یہ ایک آتم ونچنا ہے۔ خود فریبی ہے۔ کیول شاستر پاٹھ یا انیہ سادھن وہ سکھ نہیں دے سکتے جو

اِن پُشپوں کو گرہن کر کے پربھو بھکتی اور پربھو شرناگتی دوارا پراپت ہوتا ہے۔

شریمد بھگوت گیتا میں بھی بھکتی سمبندھی بہت سے شلوک ہیں۔ اِن میں سے کئی ایسے ہیں جو یہاں لکھنے یوگیہ ہیں۔ لیکن اِس لیکھ میں اِتنی گنجائش نہیں۔ اِس لیئے صرف دو ہی لکھے جاتے ہیں۔

" پربھو کا پیار پراپت کرانے والی بھکتی اُس کا نام ہے کہ کِسی بھی جیو سے دویش نہ ہو، بلکہ سب سے مِتر تا ہو۔ دِین دُکھیوں سے سہانو بھوتی ہو۔ سنسارک پدارتھوں سے موہ نہ ہو۔ اہنکار نہ ہو۔ دُکھ سُکھ دونوں اوستھاؤں میں سمتا رہے۔ دُوسروں کے اپرادھ کو کشما کیا جائے۔ سدا سنتوش بنا رہے۔ اپنے آپ پر قابو ہو۔ مَن میں درڑھتا ہو۔ مَن اور بُدھی پربھو دھیان میں سنلگن رہیں۔ (گیتا 14-13-12)

پرشن ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ تو کہا ہے کہ رام نام کا جاپ ہی بھکتی ہے۔ اور یہ سادھن باقی سادھنوں سے اُتم ہے۔ اور ساتھ ہی کہا جاتا ہے کہ پہلے دُرگنوں کو دُور کر کے گُن بھی دھارن کیئے جائیں۔ یہ دونوں باتیں کِس طرح میل کھاتی ہیں؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ نام سُمرن کا ٹھیک پھل بھی اَوگنوں کا تیاگ کر کے اور گنوں کو گرہن کر کے ہی مِل سکتا ہے۔ اِسی لِئے کہا ہے:-

رام نام سب کو جپے دس رِت جپے نا کوئے!
ایک بار دس رِت جپے، پار اُتارا ہوئے!

یعنی رام نام کا جپ تو بہت لوگ کرتے ہیں۔ لیکن دس اوگنوں سے رہت ہو کر نہیں کرتے۔ اگر اِن دس اوگنوں کو تیاگ کر ایکبار بھی نام سُمرن کیا جائے تو بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ وہ دس اوگن یہی ہیں ـــ دویش۔ ایرشا۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ اہنکار۔ کام۔ بھئے۔ چِنتا۔ پَرنِندا۔ اگر اِن دوشوں سے مُکت ہو کر نام چِنتن کیا جائے تو وہی کلیان کر سکتا ہے۔

بھکتی کے سوروپ کی وضاحت رام چرِت مانس میں گوسائیں جی نے بھی کی ہے۔ ارنیہ کانڈ میں نَو پرکار کی بھکتی لکھی ہے۔ اور اِس کے لکشن کم و بیش وہی ہیں جو دُوسرے شاستروں میں سے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ لیکھ کے لمبا ہونے کے بھئے سے اصل شبد نہ لکھ کر اُن کا بھاو ہی نویدن کیا جاتا ہے۔ وہ نَو پرکار یہ ہیں:- (۱) سنتوں کا سنگ (۲) بھگوان کی کتھاؤں سے پریم (۳) گورو پوجا (۴) کپٹ رہت پربھو گُن گان کرنا (۵) نام جپ اور پربھو وشواس (۶) اِندریوں پر دمن، شُدھ آچار، ویراگ، سجنتا (۷) پربھو کو سرو ویاپک جاننا اور سنتوں کا آدر، (۸) سنتوش رکھنا اور کِسی کے دوش نہ دیکھنا۔ (۹) سرلتا اور دُوسروں سے کپٹ رہت ویوہار۔

بھکتی سوروپ وِشے کو ایک مہاپُرش کے کتھن اور گورباتی کے ایک واکیہ اور رامائن کے ایک کتھن کے ساتھ سماپت کیا جاتا ہے۔ اُس نے فرمایا ہے کہ:-

" اکھِل وِشو کے آتم روپ ایک پرم آتما کو سرو تو بھاؤ سے آتم سمرپن کر دینا ارتھات اس بھوما کی

اسیم سُتا میں اپنی آتم سُتا کو سمرشتھا و لین کر دینا واستوِک بھکتی کہی جاتی ہے۔"

گوربانی سری راگ محلہ ۵ میں فرمایا ہے۔

تِس کی سرنی پڑُمنا جس جے وُڈ اور نہ کوئے
جس سمرت سُکھ ہوئے گھنا، دُکھ درد نہ مُولے ہوئے

رامائن اُتر کانڈ میں فرمایا ہے :-

کہو بھکتی پنتھ کون پریاسا | جوگ نہ مکھ، جپ، تپ، اُپواسا
سرل سوبھاؤ نہ من کٹلائی | جتھا لابھ سنتوش سدا ئی !

یعنی بھکتی مارگ میں کوئی پریشرم نہیں ہے۔ اِس میں یوگ، یگیہ اور جپ، تپ، اُپواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس بھکتی یہ ہے کہ سرل سوبھاؤ ہو۔ من میں کھوٹ نہ ہو اور جو کچھ ملے اُس میں سنتوش ہو۔

بھکتی کی مہانتا

پرم آنند کی پراپتی کے لیئے وید شاستروں نے کئی سادھن کہے ہیں۔ لیکن بھکتی ایک شرومنی سادھن ہے رگ وید میں فرمایا ہے :-

"پرمیشور کی استتی کرو۔ اُس سے ہی سب کامنائیں پوری ہوتی ہیں۔" (8-1-1)

شری گیتا جی میں فرمایا ہے :-

"بھگوان اُن کو ہی اَتی اُتم مانتے ہیں جو پورن شردھا سے یکت ہو کر من کو ایکاگر کر کے دھیان دوارا اُن کی اُپاسنا کرتے ہیں۔" (12-2)

"اے ارجن! بھگوان کے درشن، اُس کا تتو سے گیان اور اُس کی پراپتی اننیہ بھکتی کے دوارا ہی ہو سکتی ہے۔" (11-54)

ادھیاتم رامائن میں لکھا ہے :-

"جس پرکار بھگوان کے درشن سدا بھکتی کے دوارا ہو سکتے ہیں، اس پرکار دُوسرے سادھنوں جیسے یگیہ، دان، تپ اور وید پاٹھ اِتیادی کرموں دوارا نہیں ہو سکتے۔" (3-10-21)

شریمد بھاگوت میں آیا ہے :-

"اے اُودھو! جس پرکار پربھو پراپتی بھکتی دوارا ہو سکتی ہے، اس پرکار یوگ، سانکھیہ، سوادھیائے تپ اور تیاگ سے نہیں ہو سکتی۔" (11-14-20)

مہابھارت کے شانتی پرب میں ایک کتھا آتی ہے کہ ایک بار شری سنت کمار آدی رشی گن شویت دیپ میں شری بھگوان کے درشن کرنے کے لیئے گئے۔ لیکن اُن کو آدیش ہُوا :-

"اے مُنی گن! جیسے یہاں آئے ہو ویسے ہی تم یہاں سے جلدی لوٹ جاؤ۔ کیونکہ بھکتی رہت کو

بھگوان کے درشن کسی صورت میں نہیں ہو سکتے۔　(336 - 52)

تُلسی رامائن شری رام چرت مانس میں آیا ہے :-

دھرم تے برتی جوگ تے گیانا　　گیان موکش پرد وید بکھانا
جاں تے بیگی دروؤں میں بھائی　　سو مم بھگتی بھگت سکھ دائی
سو سوتنتر اولمب نہ آنا　　تیہی آدھین گیان وگیانا　(ارنیہ کانڈ)

اُما جوگ، جپ، دان، تپ، نانا مکھ، برت، نیم
رام کرپا نہ کرہیں تسی جیسی نشی کیول پریم!　(لنکا کانڈ)

ارتھ :- دھرم سے ویراگ اور یوگ سے گیان ہوتا ہے۔ اور گیان موکش کا دینے والا ہے۔ ایسا ویدوں نے ورنن کیا ہے اور ہے بھائی! جس سے بھگوان شیگھر ہی پرسنّ ہوتے ہیں، وہ بھگوان کی بھگتی ہے، جو بھگتوں کو سکھ دینے والی ہے۔ وہ بھگتی سوتنتر ہے۔ اُس کو دُوسرے سادھن کا سہارا نہیں ہے۔ گیان اور وگیان تو اِس کے آدھین ہیں۔

ہے اُما! انیکوں پرکار کے یوگ، جپ، دان، تپ، یگیہ، برت اور نیم کرنے پر بھی پربھو ویسی کرپا نہیں کرتے جیسی اننیہ پریم ہونے پر کرتے ہیں۔

گوربانی میں بھی اِسی طرح کا بیان اِس پرکار ہے :-

گوڑی محلہ ۵ :-　　سبھ ہوں کو رس ہر کا ہو۔

کاہوں جوگ، کاہوں بھوگ، کاہوں گیان، کاہوں دھیان، کاہوں ہو ڈنڈ دھر ہو
کاہوں جاپ، کاہوں تاپ، کاہوں پوجا ہوم نیم، کاہوں ہو گون کر ہو
کاہوں تیر، کاہوں نیر، کاہوں بید بیچار، نانکا بھگتی پریہ ہو

اِس کا بھی ارتھ یہی ہے کہ یوگ، گیان، دھیان، جپ، تپ، اِتیادی سادھنوں کی نسبت اُتم سادھن بھگتی ہی ہے۔

اِن شاستر پرمانوں سے یہ وِدِت ہوتا ہے کہ بھگتی دُوسرے سبھی سادھنوں سے اُتم ہے۔ گیان کی بھی بہت مہما کہی گئی ہے۔ لیکن بھگتی کو اِس سے بھی اُتم مانا ہے۔ تُلسی رامائن اُتر کانڈ میں فرمایا ہے۔

جے اسی بھگتی جانی پری ہرہیں　　کیول گیان ہیتو شرم کرہیں
تے جڑ کام دھینو گرہ تیاگی　　کھوجت آکو پھرہیں پے لاگی

ارتھ :- جو لوگ بھگتی کی ایسی مہما جان کر بھی اُسے چھوڑ دیتے ہیں اور کیول گیان کے لئے سادھنا کرتے ہیں۔ وہ مُورکھ دُودھ پراپت کرنے کے لیے مانو گھر پر کھڑی ہُوئی کام دھینو گئو کو چھوڑ کر آک کے (زہریلے) پیڑ کی تلاش کرتے ہیں۔

مہاتماؤں نے بھگتی کی اُتم تا درشانے کے لیئے دُوسرے سادھنوں کے ساتھ اس کی تُلنا یعنی مُقابلہ اِس طرح کیا ہے۔

گیان یوگ

اِس کی سِدھی اور سپھلتا کے لیئے ضرورت ہوتی ہے وِدّیا کی، پنڈتائی کی یعنی شاستر گیان کی۔ شُدھ بُدھی کی، ایکانت واس کی اور برہم نِشٹھ گورو کی۔ اور سنسار کو اسَت اور انرتھ کا مُول مان کر اُس سے اُداسین ہوکر دُور بھاگنے کی اور اَوِدّیا کا پُورن رُوپ سے ناش کرنے کی۔

یہ آوشیکتائیں کوئی کوئی ہی پُورا کر سکتا ہے۔ اور پھر تُرٹی یہ ہے کہ اگر اوِدّیا لیش ماتر بھی رہ جائے تو نہ تو پُورن ترپتی ہوتی ہے اور نہ پرم شانتی مِلتی ہے۔ اور گیانی پھر بھی گِر سکتا ہے۔

کرم کانڈ یوگ

اِس کی سِدھی کے لیئے درکار ہوتی ہے شُدھ سامگری، ٹھیک وقت اور جگہ کا ہونا۔ کئی دُوسرے اُپچار۔ شُدھ منتر اُچارن۔

اس کی تُرٹی یہ ہے کہ ایک تو اس کے لیئے خرچ بہت آتا ہے۔ دُوسرے اِس کی سپھلتا یقینی نہیں ہوتی۔ ہرایک کو اِس کا ادھیکار بھی نہیں۔ اگر سامگری شُدھ نہ ہو یا منتروں کا اُچارن غلط ہو تو نہ صرف سپھلتا نہیں ہوتی بلکہ اُلٹی ہانی بھی ہو سکتی ہے۔

ہٹھ یوگ

اِس کی سپھلتا کے لیئے ضرورت ہوتی ہے، جوان عُمر ہو، صحت بہت اچھی ہو۔ برہمچریہ دھارن کیا جائے۔ جگہ ٹھیک ہو۔ خوراک ٹھیک ہو۔ آسن ٹھیک ہوں۔ سِدھ گورو ملے۔

اِس کی تُرٹی یہ ہے کہ اِس کی سادھنا میں وقت بہت لگانا پڑتا ہے۔ اور غلط طریقہ سے آسن اور پرانایام کرنے سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ شریر میں روگ کھڑے ہو سکتے ہیں اور دماغ میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

بھگتی یوگ

۱- اِس کا سب کو ادھیکار ہے۔ اِس میں ذات پات کا جھگڑا نہیں، اِستری، پُرش، تندرست، بیمار، براہمن، چانڈال، سب اس کے ادھیکاری ہیں۔ کوئی پابندی نہیں۔

۲- عُمر کا کوئی تقاضہ نہیں۔ بچے، جوان، بُوڑھے، سب کو ادھیکار ہے۔

۳۔ خاص بُدھی یا خاص وِدّیا کی بھی ضرورت نہیں۔ پنڈت، مُورکھ، سب کو سمان اَدھیکار ہے۔ بلکہ وِدّیا ہین پُرش کو سنشے کم ہوتے ہیں۔ اُس کو اِس کے سادھن کی زیادہ آسانی ہے۔

۴۔ دھنی اور نِردھن کا کوئی وِچار نہیں بلکہ غریب کے لئے زیادہ سہولت ہے۔

۵۔ وقت کی کوئی پابندی نہیں۔ جس وقت چاہو اپنے مالک سے لَو لگالو۔

۶۔ جگہ کی کوئی روکاوٹ نہیں۔ جنگل ہو یا پہاڑ۔ گاؤں ہو یا شہر، گھر ہو یا باہر۔ ہر جگہ اُس پیلمے کی یاد کی جا سکتی ہے۔

۷۔ کسی خاص آسن لگانے کی بھی پابندی نہیں۔ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے، لیٹتے، سوتے، جاگتے ہر اَوستھا میں سُمرن کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ اِس میں جسم کو کوئی کشٹ نہیں دینا پڑتا، نہ کوئی کشٹ ہونے کی سمبھاونا ہوتی ہے۔

۹۔ اِس میں اپُورنتا کا بھے نہیں۔ جتنا بھی کرو، اُتنا ہی لابھ۔

۱۰۔ اِس کا اُلٹا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ یعنی اِس میں ہانی ہونے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

۱۱۔ اِس سادھن کی کوئی مقررہ مدت نہیں۔ سچی لگن ہو تو تھوڑے سمے میں ہی وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔

۱۲۔ پیشہ۔ کوئی بھی وسیلہ روزگار ہو سکتا ہے۔ ہاں وہ دھرم پُوروک سمجھا جائے۔

بھگتی کا دُوسرے سادھنوں سے مُقابلہ کرنے کی اِن باتوں سے واضح طور پر پتہ لگتا ہے کہ بھگتی سادھن سہج، سُلبھ اور نِشچت لابھ دینے والا ہے۔ پھر اِس کی اور خُوبی یہ ہے کہ بھگت نہ دُنیا سے بھاگتا ہے نہ سنسار کو اَنِتیہ مانتا ہے۔ وہ تو سنسار میں بھگوان کی پرانشکتی کے درشن کرتا ہے اور سنسار کو بھگوت لیلا کے رُوپ میں دیکھتا ہے۔ سنسار سے ڈرتا نہیں بلکہ اِس کو پربھو کی وِبھُوتی مانتا ہے اور سنسار کے ہر ایک جڑ چیتن پدارتھ کو اُسی کا سُروپ سمجھ کر اُس سے پریم کرتا ہے۔ وہ دُکھ میں سُکھ کا، جنگل میں منگل کا۔ اور اَشُبھ میں شُبھ کا احساس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ پربھو کی ہر لیلا اور کریا میں بھلا ہی بھلا دیکھتا ہے۔

بھگت سنسار میں آنند بھرے مَن سے رہتا ہے۔ لیکن جو شخص سنسار کو انِتیہ، جھُوٹا اور قابلِ نفرت مانتا ہے، اُس کے مَن میں کبھی آنند لہر نہیں اُٹھ سکتی۔

ایک بھگت ساری سرشٹی کو پربھو کا شریر مان کر اُس کو کس پرکار آدر کی درشٹی سے دیکھتا ہے۔ اِس بارے میں شریمد بھاگوت کا پرمان نویدن کیا جاتا ہے۔

"آکاش، ہوا، اگنی، جل، پرتھوی، سُورج، چندر آدی نکھشتر، سبھی جیو جنتو، دِشائیں، برکش آدی بنسپتی، ندیاں، سمندر، اور اُن کے علاوہ جو بھی درشیہ اَدرشیہ پدارتھ ہیں، وہ سبھی پربھو کا شریر ہیں۔ اِس لئے اِن کو پربھو کا سُروپ جان کر پرنام کرو۔

(11-2-41)

سنت تلسی داس جی فرماتے ہیں :-

سیا رام میے سب جگ جانی
کروں پرنام جوڑ جگ پانی

ارتھ :- سارے سنسار کو جس میں جڑ اور چیتن سبھی شامل ہیں، شری رام اور سیتا جی کا روپ سمجھ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتا ہوں۔

بھگت تو کہتا ہے کہ عام لوگ جن چار پدارتھوں کی مانگ کرتے ہیں۔ یعنی دھرم، ارتھ، کام اور موکش۔ مجھے وہ درکار نہیں ہیں۔ اس لئے ہے پربھو! مجھ پر تو یہ کرپا کیجیے کہ جب جب اس سنسار میں میرا جنم ہو آپ مجھے اپنے چرنوں کی بھگتی پردان کرنے کا ور دیجیے۔

بھگتی کے سہایک سادھن

بھگتی کا سوروپ تو نروپن ہو ہی چکا ہے کہ پربھو کے ساتھ ایک روپ ہونے کے لئے شردھا پوروک اپنے من اور بدھی کو پربھو چرنوں میں لگانا اور پرتیک جڑ چیتن پدارتھ کو پربھو کا روپ جان کر اُس کا آدر سنمان کرنا۔ لیکن پربھو کی مایا بڑی پربل ہے۔ من میں کئی پرکار کے وکار کھڑے ہو جاتے ہیں اس لئے اِن وکاروں کی نورتی اور روک کے لئے کچھ سہایک سادھن بھی پریوگ میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو کرنی چاہئیں اور کچھ ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ اِن کا ورنن شریمد بھاگوت اور تلسی رامائن میں نیز دوسرے شاستروں میں وستار سے کیا گیا ہے۔ لیکن ان سب کے پرمان اُلیکھ کرنے سے لیکھ بہت لمبا ہو جائے گا۔ لیکن وشے ایسا وشال اور ویاپک ہے کہ اِس کے ضروری پہلوؤں کی چرچا کرنی ضروری ہے۔ تاہم اب شاستروں کے اصل پرمان نہ دے کر اُن کا بھاو ہی نروپن کیا جائے گا پہلے وہ باتیں عرض کی جاتی ہیں جو کرنی چاہئیں۔

۱۔ برہمچریہ دھارن کرے۔ ریتو گامی رہے۔ پر استری کو ماتا سمان جانے۔

۲۔ دین اور نمر بنے۔ دوسروں کو آدر دیوے۔ خود امانی بنے۔ یعنی آدر کی بھاونا نہ کرے۔

۳۔ سب سے پریم کرے۔ سب کا سنمان کرے۔

۴۔ سد گرنتھوں کا سوادھیائے کرے۔

۵۔ بھگوان، بھگوت نام، بھگتی شاستروں میں پوری شردھا ہو۔

۶۔ ستیہ دھارن کرے۔ سدا میٹھا اور سچ بولے۔

۷۔ ماتا پتا، گورو جنوں اور بڑے بزرگوں کا آدر کرے اور اُن کو سنمان دیوے اور اُن کی سیوا کرے۔

۸۔ دونوں سمے دھیان میں بیٹھے اور پربھو گن گان کرے۔

۹۔ سدگرنتھوں سے اچھے اچھے شلوک شبد واکیہ یاد کر کے اُن کا اُچارن کرتا رہے۔

۱۰۔ اپنے سادھن میں پُوری پُوری نِشٹھا رکھے۔

۱۱۔ رات کو روز سوتے وقت اپنے اندر کی حالت کا جائزہ لے کہ مَن اور بُدھی میں کتنی اُنّتی ہوئی ہے؛

۱۲۔ سدا بھلے پُرشوں کی سنگت رکھے اور اچھے ست سنگوں میں حصہ لیوے۔

۱۳۔ اپنی خوراک ہمیشہ ساتوِک رکھے۔

۱۴۔ اپنے وِچاروں پر خاص دھیان دیوے۔ مَن میں سدا شُدھ وِچار اُٹھیں۔

۱۵۔ اپنی اِچھاؤں اور کامناؤں پر قابو رکھے۔

۱۶۔ دِین دُکھیوں کی سیوا تن مَن دھن سے کرے۔

۱۷۔ شُدھ کرموں میں پرورِتی رکھے۔

۱۸۔ دُوسروں کے اپرادھ کشما کرے۔

۱۹۔ کچھ سمے ایکانت میں گُزار کر اپنے کلیان کی باتوں پر وِچار کرے۔

اب اُن باتوں کا ذِکر کیا جاتا ہے جو نہیں کرنی چاہئیں۔

۱۔ استیہ، چوری، ہنسا اور وِبھچار سے دُور رہو۔ پاپ کی کمائی کبھی نہ لاؤ نہ کھاؤ۔

۲۔ اپنی بھگتی کا دمبھ، دِکھاوا نہ کرو۔ اپنی تعریف یعنی آتم پرشنسا نہ کرو۔

۳۔ پرنِندا، پر چرچا کبھی نہ کرو۔ کسی سے دویش یا گھرنا نہ کرو۔

۴۔ سبھا سمتیوں سے الگ رہنے کی کوشش کرو۔

۵۔ ترک، واد وِواد یعنی بحث مباحثہ نہ کرو۔

۶۔ دُوسرے کے دھرم یا اُس کی اُپاسنا وِدھی کا نہ تو وِرودھ کرو اور نہ اُس کی نِندا۔

۷۔ گورُو، نیتا یا اُپدیشک بننے کی چیشٹا نہ کرو۔

۸۔ دُوسروں کے دوش نہ دیکھو نہ کسی کی تروٹیوں پر دھیان دو، نہ اُن کا ذکر کرو۔

۹۔ بھوگ وِلاس اور رنگ تماشوں سے پرہیز کرو۔

۱۰۔ بُری سنگت اور بُری پُستکوں کا پاٹھ نہ کرو۔

۱۱۔ سِدھیوں میں نہ اٹکو۔ اِن میں اٹکنا بھٹکنا ہوتا ہے۔

۱۲۔ کرودھ اور اہنکار سے بچو۔

۱۳۔ کسی سے ایرشا نہ کرو۔

۱۴۔ کوئی ایسا کرم نہ کرو جو بھئے یا چنتا پیدا کرنے والا اور ہانی کرنے والا ہو۔

۱۵۔ زیادہ دھن جوڑنے کی یا زیادہ عیش و عشرت کا سامان اکٹھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

۱۶۔ اِستری، پُتر اور دھن مال اور گھر بار میں ممتا نہ رکھو۔ اُن کے پرتی کرتویہ نبھاؤ۔

۱۷۔ پدارتھوں کے آنے پر خوشی اور جانے پر شوک نہ کرو۔

۱۸۔ آلس اور پرماد کا تیاگ کرو۔

۱۹۔ سب سے اَدھک دھیان ترشنا تیاگ پر دو۔ شاستروں نے اِس بات پر بَل دیا ہے۔
یوگ وشِشٹ میں لکھا ہے۔

" جو ترشنا یعنی خواہشات کے غلام ہیں۔ وہ ساری دُنیا کے غُلام ہیں۔ لیکن جنہوں نے ترشنا کو اپنی داسی بنا لیا ہے، اُنھوں نے مانو سارے سنسار کو داس بنا لیا ہے۔"

وِشنو پُران میں فرمایا ہے:۔

" سنسار کے سارے دوشوں میں ترشنا سب سے زیادہ دُکھ دینے والی ہے۔ (یہ ایسی ظالم ہے) کہ دھیان اوستھا میں بھی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور سنکٹ میں ڈال دیتی ہے۔ (4-1-12)

تو بس! بھکتی مارگ گرہن کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ جہاں وہ نام سمرن، دھیان، یا بھکتی مارگ کا کوئی اور رُوپ گرہن کریں، وہاں اِن سہایک سادھنوں اور وِگھن کارک بادھاؤں کا بھی خیال رکھیں۔ جو باتیں کرنے یوگیہ کہی گئی ہیں اُن کو دھارن کریں اور جو نہ کرنے یوگیہ ورنن کی گئی ہیں، اُن کا سروتھا تیاگ کریں۔

(اوم شم)

تجھے تجھ سے ہم یا خدا مانگتے ہیں

عیاں ہے جو تجھ سے گدا مانگتے ہیں نہیں رازِ پنہاں کہ کیا مانگتے ہیں
نہ کچھ تجھ سے تیرے سوا مانگتے ہیں یہی صدقِ دل سے دعا مانگتے ہیں
تجھے تجھ سے ہم یا خدا مانگتے ہیں

الٰہی خلوصِ محبت عطا کر! صفائی و حسنِ عقیدت عطا کر
تجھے جس سے ڈھونڈیں وہ طاقت عطا کر مجھے جس سے پائیں بصارت عطا کر
تجھے تجھ سے ہم یا خدا مانگتے ہیں

نظر جانبِ غیر ہرگز نہ جائے سوا تیرے ہم کو نظر کچھ نہ آئے
تصور تیرا دل میں یوں گھر بنائے خیال اور بھولے سے آنے نہ پائے
تجھے تجھ سے ہم یا خدا مانگتے ہیں

جو ہو جستجو تو تیری جستجو ہو! جو ہو آرزو تو تیری آرزو ہو!
جو ہو روبرو تو تو ہی روبرو ہو! نظر میں ہماری غرض تو ہی تو ہو!
تجھے تجھ سے ہم یا خدا مانگتے ہیں

رامائن میں بھگت اور بھگوان کی مہتا

از شری کانشی رام جی چاولہ لدھیانہ

وید اور دوسرے دھرم شاستروں نے مانو کلیان کے چار ہی مارگ بتائے ہیں۔ ارتھات کرم مارگ، بھگتی مارگ، گیان مارگ اور ہٹھ یوگ مارگ۔ ہر ایک پرانی اپنی اپنی رچی اور اپنی اپنی انتر آتم سفقتی کے انوسار ان چاروں یوگوں میں سے کسی کو گرہن کر کے اپنے لکش کی پراپتی کر سکتا ہے۔ جس جس کو جو جو مارگ سویکرت ہوتا ہے وہ اسی کو ہی سب سے اچھا سمجھتا ہے۔

لیکن پھر بھی ایک پرشن اٹھتا ہے کہ ان میں سے کون سا ایسا مارگ ہے جس کو ہر جاتی، ہر ورن، ہر آیو، ہر اوستھا، ہر جنس اور ہر سفقتی کا منش گرہن کر سکتا ہے۔ اس پرشن کا اتر یہی ہو سکتا ہے کہ ایسا مارگ تو بھگتی مارگ ہی ہے۔ اسی لیئے گوسائیں تلسی داس جی نے اپنے ادوتیہ امر گرنتھ "رام چرت مانس" میں اس مارگ کی اچتا اور شریشٹھتا کو کئی درشٹی کونوں سے بہترین بتایا ہے۔ اس کی کچھ چرچا یہاں کی جاتی ہے۔ تلسی داس جی نے جس جس درشٹی کون سے بھگتی مارگ کو سروتم ٹھہرایا ہے، ان کا علیحدہ علیحدہ ورنن کیا جاتا ہے۔

(۱) باقی سارے سادھنوں کا پھل بھگتی ہی ہے۔

جپ، تپ، سنیم، جوگ، یگ دھرما ۔ شرتی سمبھو نانا شبھ کرما
گیان دیا دم تیرتھ مجن ! ۔ جہنہ لگی دھرم کہت شرتی سجن
آگم نگم پوران انیکا ! ۔ پڑھے سنے کر پھل پربھو ایکا
تو پد پنکج پریتی نرنتر ۔ سب سادھن کر پھل یہ سندر
(اُتر کانڈ-۴۹)

ارتھ :- ہے پربھو! جپ، تپ، سنیم، یوگ، وید وِت شبھ کرم، گیان، دیا، اندریہ سنیم، تیرتھ سنان اتیادی کرنے کا اور انیک تنتر، وید اور پرانوں کے پڑھنے اور سننے کا سروتم پھل ایک ہی ہے۔ اور سب سادھن کا بھی یہی ایک سندر پھل ہے، کہ پربھو کے چرن کملوں میں سدا سروَدا بھگتی اور پریم ہو۔

(۲) بھگتی دوسرے سب سادھنوں سے ادھک اتم ہے۔

اُوما جوگ، جپ، دان، تپ، نانا مکھ، برت، نیم
رام کرپا نہ کرہی تسی جسی، نشکیول پریم !
(لنکا کانڈ-۱۷۷)

ارتھ :- شوجی کہتے ہیں ۔ اُما ! انیکوں پرکار کے یوگ، جپ، دان، تپ، یگیہ، برت اور نیم کرنے پر بھی شری رام ویسی کرپا نہیں کرتے جیسی اننیہ پریم (بھگتی) ہونے پر کرتے ہیں۔

(۳) بھگتی گیان سے بھی اَدھک اُتّم ہے :-

گیان اَگم پرتیوہ انیکا ساد ھن کٹھن نہ مَن کہوں ٹیکا

کرت کشٹ بہو پاوئی کوؤ بھکتی ہین موہے پریہ نہ سوؤ

(اُترکانڈ ۔ ۴۵)

ارتھ :- گیان دُرلبھ ہے ۔ اس کی پراپتی میں انیکوں وِگھن ہیں ۔ اس کا سادھن کٹھن ہے اور اس میں مَن کے لیئے کوئی آدھار نہیں ہے ۔ بہت کشٹ پا لینے پر کوئی کوئی اُسے پا بھی لیتا ہے، کنتو اگر وہ بھی بھگتی رہت ہو تو پربھو کا پیارا نہیں ہوگا۔

(۴) بھگتی سارے سُکھوں کا بھنڈار ہے ۔

جب شری رام کاک بھُشنڈ جی سے پرسن ہوئے تو اُس سے کہا کہ تُم اپنی اِچھا کا ور مانگو۔ میں تُم کو گیان، ووِیک، ویراگیہ، وِگیان اور وہ انیکوں گُن جو سنسار میں مُنی لوگوں کے لیئے بھی نایاب ہیں، وہ سبھی میں تمہیں دینے کے لیئے تیار ہوں، تمہارے مَن میں جس کی بھی ابھلاشا ہو، مانگ لو۔

یہ سُن کر کاک بھُشنڈ نے کہا کہ مہاراج ! آپ نے سارے سُکھوں کے دینے کی بات تو کہی، پر اپنی بھگتی دینے کی بات نہیں کہی ۔ اس لیئے ہے پربھو ! اگر آپ پرسن ہو کر مجھے وَر دیتے ہی ہیں اور مجھ پر کرپا کرتے ہی ہیں تو ہے سوامی ! مجھے اپنی وِشُدھ بھگتی کا دان دیجیئے ۔

کاک بھُشنڈ کی یہ بنتی سُن کر بھگوان رام نے فرمایا :-

سب سُکھ کھانی بھگتی تیں مانگی نہیں جگ کوؤ توہی سم وڈ بھاگی

جو مُنی کوٹی جتن نہیں لہہیں جے جپ جوگ انل تن دہ ہیں

(اُترکانڈ ۔ ۸۵)

ارتھ :- ہے کاک بھُشنڈ جی ! وہ مُنی جو جپ اور یوگ کی اگنی سے شریر کو جلاتے رہتے ہیں اور کروڑوں جتن کرنے پر جس کو نہیں پاتے، تُو نے سارے سُکھوں کی ندھی وہی بھگتی مانگ لی ہے ۔ اس لیئے جگت میں تیرے جیسا خوش نصیب کوئی نہیں ہے ۔

(۵) بھگوان بھگتی سے ہی جلدی پرسن ہوتے ہیں

جاتے بیگی دروؤں میں بھائی سو مم بھگتی بھگت سُکھ دائی

(ارنیہ کانڈ ۔ ۱۶)

ارتھ :- شری لکشمن جی کے پوچھنے پر شری رام جی نے کہا تھا کہ ہے بھائی ! جس سے میں شیگھر ہی

پرست ہوتا ہوں، وہ میری بھگتی ہے، جو بھگتوں کو سکھ دینے والی ہے۔

(۶) پربھو کو سب سے زیادہ پیارا بھگتی کرنے والا ہی ہوتا ہے۔

بھگوان رام نے فرمایا کہ :۔

پُرش نپنسک ناری وا جیو چراچر کوئی
سرو بھاو بھج کپٹ تجی موہی پرم پریہ سوئی (اُتر کانڈ ۔ ۸۷)

ارتھ :۔ بھلے ہی کوئی پُرش ہو، نپنسک ہو، استری ہو یا چراچر کوئی بھی جیو ہو، جو بھی کپٹ چھوڑ کر میری بھگتی کرتا ہے، وہی مجھے پرم پیارا ہے۔

(۷) سُکھ بنا شانتی کے مل نہیں سکتا۔

بھگوان رام نے فرمایا :۔

سُن کھگیس ہری بھگتی بہائی جے سُکھ چاہیں آن اُپائی
تے سٹھ مہا سِندھو بن ترنی پیری پار چاہیں جڑ کرنی (اُتر کانڈ ۔ ۱۱۵)

ارتھ :۔ ہے پکشی راج! سُنیئے۔ جو لوگ شری ہری کی بھگتی کو چھوڑ کر دوسرے اُپایوں سے سُکھ پراپت کرنا چاہتے ہیں، وہ مورکھ اور جڑ کرنی والے لوگ گویا مہا ساگر کو جہاز کے بغیر تیر کر پار کرنا چاہتے ہیں۔

(۸) انتہ کرن کی شُدھی بھگتی سے ہی ہو سکتی ہے

مانو کلیان کے جتنے بھی سادھن ہیں اُن سب کے لیئے پہلی آوشیکتا ہے انتر آتما کی شُدھی کی۔ یہ شُدھی بھگتی دوارا ہی ہو سکتی ہے۔ مُنی وشِشٹ جی نے بھگوان رام سے نویدن کیا تھا :۔

چھوٹئی مل کہ ملہی کے دھوئے گھرت کہ پاؤ کوئی باری بلوئے
پریم بھگتی بن جل بن رگھورائی ابھینتر مل کبھوں نہ جائی
(اُتر کانڈ ۔ ۴۹)

ارتھ :۔ کیا میل سے دھونے سے میل صاف ہو سکتی ہے؟ کیا پانی کو متھنے سے گھی پراپت ہو سکتا ہے؟ جیسے یہ باتیں ممکن نہیں، اُسی طرح، ہے رگھوناتھ جی! پریم بھگتی رُوپی جل کے بنا انتہ کرن کا میل کبھی دُور نہیں ہو سکتا۔

(۹) کامنائیں بھی پربھو بھگتی سے ہی مٹ سکتی ہیں :۔

مانو کلیان کی راہ میں اگر کوئی سب سے بڑی رُکاوٹ ہوتی ہے تو وہ ہیں کامنائیں یا خواہشات اسلیئے سبھی دھرم شاستروں اور مہاتماؤں نے جیون کو سپھل بنانے کے لیئے اُن کے تیاگ کی تاکید کی ہے۔ کامنائیں

ایسی بن وتی ہیں کہ انسان بوڑھا بھی ہو جاتا ہے، لیکن کامنائیں تب بھی جوان ہی بنی رہتی ہیں۔ اسی لئے جگت گورو شنکر آچاریہ جی نے فرمایا ہے کہ شریر جرجر ہو گیا ہے۔ اندریاں کمزور پڑگئی ہیں۔ بال سفید ہو گئے ہیں اور دانت گر چکے ہیں۔ بوڑھا اب لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ لیکن آشا ترشنا نے ابھی اُس کا پنڈ نہیں چھوڑا۔

اسی طرح بھرتری ہری جی نے کہا ہے کہ ہم بردھ ہو گئے ہیں۔ ہماری ترشنا بردھ نہیں ہوئی۔

شری مد بھگوت گیتا میں تو کامناؤں کے تیاگ کی بات انیک جگہ پر کہی گئی ہے۔ دوسرے ادھیائے میں لکھا ہے کہ عقلمند آدمی وہی کہا جا سکتا ہے کہ جس نے کامناؤں کا پورے طور پر تیاگ کیا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ من کی شانتی کی پراپتی جیسے درکار ہے اُس کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ ساری کامناؤں کو خیرباد کہے۔

ان دھرم گرنتھوں کے علاوہ داناؤں نے بھی خواہشات کے متعلق بہت کچھ کہا ہے:-

صبح صادق کی ہے سر میں سپیدی آ گئی
لیکن اس پیری میں بھی صادق ہے ویسی اشتہا

ایک ہندی کوی نے فرمایا:-

ترشنا اگنی پرلے کی ترپت نہ کبھوں ہوئے
سُر، نر، منی اور رنک سب بھسم کرت ہیں سوئے

ایک اور دانا نے فرمایا کہ انسان کی روحانی ترقی میں خواہشات ہی حائل ہوتی ہیں اور اُسے نیچے سے اوپر اُٹھنے نہیں دیتیں۔ اُس نے کہا کہ

آرزوؤں نے ہماری ہم کو بندہ کر دیا
ورنہ ہم خود خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتا

اس سے ظاہر ہے کہ یہ کامنائیں یا خواہشات منش کی گھورتم شترو ہیں۔ اس لئے کلیان ابھلاشی جیو کے لئے ان کا تیاگ لازمی بتایا گیا ہے۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا تیاگ کیا کس طرح جائے؟ تو اس بارے میں بھی گوسائیں جی کا فرمان ہے کہ:-

رام بھجن بن مٹہی نہ کاما
تھل وہین ترو کب ہوں کی جاما (اُترکانڈ-۹۰)

ارتھ:- شری رام کے بھجن اور بھگتی کے بنا کامنائیں اُسی طرح نہیں مٹ سکتی ہیں کہ جس طرح بغیر زمین کے درخت نہیں اُگ سکتا۔

(۱۰) بھکتی نہ کرنے والا زندہ لاش ہوتی ہے۔

گوسائیں جی نے فرمایا ہے:-

جنہہ ہری بھگتی ہردے نہیں آنی
جیوت شو سمان ہتی پرانی (بال کانڈ-۱۱۳)

ارتھ:- جنہوں نے بھگوان کی بھکتی کو اپنے ہردے میں ستھان نہیں دیا، وہ آدمی تو جیتے ہوئے بھی

مُردے کے سمان ہیں۔

(۱۱) بھگتی وِہین کو دُکھ ہی ہوتا ہے۔

جو لوگ پرمیشور سے بمکھ رہ کر بھکتی نہیں کرتے ، اُن کی بابت تُلسی داس جی نے فرمایا :-

سب جگ تاہی انل ہُو سئے تاتا　　　جو رگھبیر بمکھ سُن بھراتا　　　(ارنیہ کانڈ - ۲)

ارتھ :- ہے بھائی ! سُنئے - جو آدمی شری رگھوناتھ جی کے بمکھ ہوتا ہے - یعنی جو پربھو بھکتی نہیں کرتا - اس کے لیئے سارا سنسار آگ سے بھی زیادہ گرم یعنی دُکھ دائی ہو جاتا ہے۔

(۱۲) پربھو پریم کے بغیر گیان بھی شوبھا نہیں دیتا۔

سوہ نہ رام پریم بن گیانو　　　کرن دھار بن جمی جل جانو　　　(ایودھیا کانڈ - ۲۷۷)

ارتھ :- شری رام جی کے پریم یا بھکتی کے بنا گیان اُسی طرح شوبھا نہیں دیتا ، جس طرح کپتان کے بغیر جہاز -

جوگ کجوگ گیان اگیانو　　　جہہ نہہ رام پیم پردھانو　　　(ایودھیا کانڈ - ۲۹۱)

ارتھ :- جس جگہ شری رام پریم کی پردھانتا نہیں ہے وہ یوگ کیوگ ہے اور گیان اگیان ہے - یعنی یوگ اور گیان دونوں ویرتھ ہیں۔

یہ کچھ رہسیہ جو رام چرت مانس میں پربھو بھکتی کے سمبندھ میں آتے ہیں ، نویدن کیئے گئے ہیں - اب کچھ رہسیہ پربھو بھکت کے بھی سُنئیے - جو اس ادبھت گرنتھ میں دیئے ہیں۔

(۱۳) پربھو کو بھکت سب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

شری رام جی نے فرمایا ہے کہ مجھے منشیوں میں دوج ، وِرکت ، گیانی اور وگیانی پیارے ہیں - لیکن

(الف)　تِن تے پُنی موہی پریہ نج داسا　　　جیہی گتی موری نہ دُوسری آسا
　　　پُنی پُنی ستیہ کہوں توہی پاہیں　　　موہی سیوک سم پریہ کوؤ ناہیں　　　(اُتر کانڈ - ۸۶)

ارتھ :- ان سے بھی پیارا مجھے اپنا داس ہے ، جسے میرا ہی آشریہ ہے اور کوئی دُوسری آشا ہی اُسے نہیں ہے - میں تجھ سے بار بار یہ حقیقت کہتا ہوں کہ مجھے اپنے سیوک یعنی بھگت کے سمان اور کوئی بھی پیارا نہیں ہے۔

(ب)　اس بارے میں ایک پرمان بھکتی رہسیہ کے ۶ پر پہلے بھی دیا جا چکا ہے - وہاں بھی یہی تمقید و تکت کیا ہے - کہ جو بھی جیو ، چاہے وہ پُرش ہے یا استری یا نپُسک ، پرمیشور کا بھجن کپٹ رہت ہو کر شردھا پُور وک کرتا ہے

وہ پربھو کا پرم پیارا ہوتا ہے۔

(ج) سُن سریس اُپدیس ہمارا راجھہ سیوک پرم پیارا (ایودھیا کانڈ - ۲۱۹)

ارتھ :- ہے دیوراج ! ہمارا اُپدیش سُنو۔ شری رام جی کو اپنا بھگت پرم پیارا ہوتا ہے۔

۲- پربھو بھگت کی اَدبھت وِشیشتا ہے :-

مورے مَن پربھو اَس وِسواسا رام تے اَدھِک رام کر داسا (اُتر کانڈ - ۱۲۰)

ارتھ :- ہے پربھو ! میرے مَن میں ایسا وِشواس ہے کہ شری رام جی کے داس یا بھگت شری رام جی سے بھی بڑھ کر ہیں۔

۳- پربھو بھگت کو دُکھ دینے سے پربھو کی ناراضگی ہوتی ہے۔

جو اپرادھ بھگت کر کرئی رام روش پاوک سو جرئی
تنہوں نہ آپنے امرپتی رگھبیر بھگت اکاج
اجس لوک پرلوک دُکھ دِن دِن سوک سماج (ایودھیا کانڈ - ۲۱۸)

ارتھ :- جو کوئی شری رام جی کے بھگت کا اپرادھ کرتا ہے، وہ شری رام جی کی کرودھ اگنی میں جل جاتا ہے۔ اس لئے، ہے دیوراج ! شری رام جی کے بھگت کا کام بگاڑنے کی بات مَن میں بھی نہ لائیے۔ ایسا کرنے سے اس لوک میں تو بدنامی اور پرلوک میں دُکھ ملے گا اور رنج و غم کے اسباب دِن بدن بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

(۴) پربھو اپنے بھگت کی بھول چوک کو بھلا دیتے ہیں۔

رہتی نہ پربھو چِت چوک کِئے کی کرت سُرتی سے بار ہِئے کی (بال کانڈ - ۲۹)

ارتھ :- پربھو کے چِت میں اپنے بھگتوں کی کی ہوئی بھول چوک تو یاد نہیں رہتی۔ مگر اُن کے ہردے کے اچھے پن کو سَو سَو بار یاد کرتے ہیں۔

(۵) پربھو بھگت کو دُکھ نہیں ستاتے۔

رام بھگتی منی اُربس جاکے دُکھ لولیس نہ سپنے ہوں تاکے (اُتر کانڈ - ۱۲۰)

ارتھ :- شری رام جی کی بھگتی روپی منی جس کے ہردے میں بستی ہے، اُسے سپن میں بھی لیش ماتر دُکھ نہیں ہوتا۔ ان پرمانوں سے آپ پر پرگٹ ہو گیا ہوگا کہ پربھو بھگتی اور پربھو بھگت کی کتنی مہانتا ہے۔ اس لئے منش کو چاہیئے کہ اپنا جیون سپھل بنانے اور پرم آنند کی پراپتی کے لئے شُدھ بھاؤ اور شردھا بھاؤ سے پربھو بھگتی میں اپنے آپ کو لگائے۔

(ادم شم)

(اوم)
ایشور وشواس

از شری کانشی رام جی چاولہ

جو خوش نصیب انسان ایشور بھگتی کو اپنے کلیان کا سادھن بناتا ہے، اُسے اپنی سپھلتا کا جائزہ اس بات سے لینا چاہیئے کہ اس کے اندر ایشور وشواس کتنا بڑھا ہے۔ جب تک پورن روپ سے وہ اپنے آپ کو راضی برضا نہ پائے، وہ سمجھے کہ اُس کی ایشور بھکتی میں کمی ہے۔ جب تک وہ ہر ایک گھٹنا میں اپنی بھلائی نہ دیکھے، تب تک وہ اپنے آپ کو سچا بھکت نہ سمجھے۔ ہر گھٹنا میں منگل دیکھنا سچی بھکتی ہے۔

بھگتی کی باقی کریائیں اس کی سپھلتا کی پرتیک نہیں ہوتیں۔ ایشور وشواس ہی اس کی سپھلتا کا اصلی اندازہ بتاتا ہے۔ اسی لیئے ایک دانا نے فرمایا ہے۔

ع کتھا میں نہ کنٹھا میں، نہ تیرتھ کے پنتھا میں، نہ پوتھی میں نہ پاٹھ میں نہ ساتھ کی بسیت میں
جٹا میں نہ منڈن، نہ تلک ترپنڈن، نہ ندی کوپ کنڈن، نہان دان ریت میں
پیٹھ مٹھ منڈل نہ کنڈل کمنڈل، نہ مالا دنڈ پنڈل، نہ دیہورے کی بھیت میں
آپ ہی اپار سب اور پربھو پور رہیو، پایئے پرگٹ پرمیشور پرتیت میں

یہ ایشور پرتیت یا بھروسہ ایک سچے بھگت کا کیسا ہونا چاہیئے، اس کے وشے میں ایک بھکت کی سچی کتھا آپ کے سنمکھ نویدن کی جاتی ہے۔

بیکانیر کے ٹھاکر میگھ سنگھ بڑے پرجا ہتکاری جاگیردار تھے۔ وہ بھگوان کے پکّے وشواسی بھکت تھے۔ اُن کے ہاں ایک ہی اولاد تھی کنور سجن سنگھ۔ سجن سنگھ کی شادی تھوڑا ہی عرصہ ہُوا، بڑی دھوم دھام سے رچائی گئی تھی۔ بہو کے ہاتھ کی مہندی بھی ابھی میلی نہ ہوئی تھی۔ ٹھاکر میگھ سنگھ کی دھرم پتنی بھی اپنے پتی کی طرح بھگوان میں پورا وشواس رکھنے والی تھی۔

بھگوان کی لیلا بہت ادبُھت ہے۔ الپگیہ منش اس کو کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ اسی لیئے داناؤں نے کہا ہے کہ۔

ع مصیبت ہو کہ راحت ہو نہیں لازم گلہ کرنا   بشر کا فرض ہے ہر حال میں شکرِ خدا کرنا

ٹھاکر میگھ سنگھ اور اُس کی دھرم پتنی دونوں پریمی بھکت ہیں۔ اُن کے ایک ہی اولاد ہے جس کی شادی وہ تھوڑا عرصہ ہُوا کر چکے ہیں۔ اتفاق کیا بنتا ہے کہ اُن کا وہی نو شادی شدہ لڑکا کنور سجن سنگھ گھوڑے پر کسی کام کو جاتا ہے۔ گھوڑا بدک اُٹھتا ہے۔ سجن سنگھ گر جاتا ہے اور سر میں بڑے سخت قسم کی چوٹ آجاتی ہے۔ اس کا علاج

پورے طور پر کیا جاتا ہے لیکن اُس کی حالت روز بروز بگڑتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی زندگی کے بارے میں سب نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ سجن سنگھ خود بھی محسوس کرتا ہے کہ اُسے اب اِس دُنیا سے رخصت ہونا ہوگا۔ اپنی نئی بیاہی دُلہن کا اُسے خیال آتا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے پروگراموں کا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اور وہ بے حد اُداس ہو جاتا ہے۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں

ٹھاکر میگھ سنگھ کو اپنے بچّے کی جان کے متعلق پوری نا اُمیدی ہو چکی ہے۔ وہ بچّہ ڈبڈبائی آنکھوں سے نراشا بھری نگاہ اپنے باپ پر ڈال رہا ہے۔ ایسی صورت میں کیا ایشور وشواسی بھگت میگھ سنگھ نے بھی رونا شروع کر دیا؟ نہیں —! بچّے کو اُداس دیکھ کر وہ اُس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:—

"بیٹا سجن سنگھ! ابھی تم میرے پُتر ہو اور تم میری چھوٹی سی جاگیر کے ہی مالک ہو۔ تم اُداس کیوں ہو رہے ہو؟ یہ سب کچھ بھگوان کے منگل وِدھان سے ہوا ہے۔ نہ تم جانتے ہو نہ میں۔ کہ اِس میں کیا رہسیہ ہے۔ میں ایک اِنسان ہوں اور تم اِس وقت ایک تُچھ اِنسان کے پُتر ہو۔ لیکن تم اب اُسی دیالو کے منگل وِدھان سے ساکھشات اُس کے پُتر بننے جا رہے ہو جو برہمانڈ کا مالک ہے۔ جو آنند دھام کا سوامی ہے۔ میری چھوٹی سی جاگیر اِس لیلا دھاری نے تمہارے لیئے کافی نہیں سمجھی۔ اب تم کو اُس کے کنور بننے کا سوبھاگیہ پراپت ہوگا اور تم دِوّیہ دھام کی جاگیر کے مالک بنوگے۔

بیٹا! یہ تو اُداس ہونے کا وقت نہیں ہے۔ منگل مئے پربھو کے چرنوں میں پہنچ کر میرا اُن سے نمسکار کہنا اور یہ بھی کہنا کہ میگھ سنگھ بھی آپ کے منگل دھام کی اِنتظار میں ہے۔ ہاں وہ اُتاولا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اُس نے تو ویلا مئے کی چاکری کرنی ہے۔ جہاں جو سیوا ملیگی، کرتا رہے گا۔

"بیٹا! یہاں کے سنیوگ وِیوگ اِس لیلا مے کی لیلا سے ہوتے ہیں اور ہوتے ہیں ہمارے منگل کے لیئے ہی۔ اِس رہسیہ کو جو جانتا ہے، وہ نہ تو دُکھ کے سنیوگ سے دُکھی ہوتا ہے اور نہ ہی سُکھ کے وِیوگ سے۔ اُسے تو سبھی سمے سنیوگوں، وِیوگوں سے سبھی دُکھ سُکھوں میں سدا اکھنڈ سُکھ، اکھنڈ شانتی اور اکھنڈ ترپتی کا ہی انوبھو ہوتا ہے۔ تم بھگوان کے منگل سنکیت سے ہی یہاں آئے۔ اور اُن کے منگل سنکیت سے اُس منگل مے کی چرن دُھولی کو پرتیکش پراپت کرنے جا رہے ہو۔ اِس میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ شک کرنا تو گراوٹ ہے۔ وِشواسی اور شردھالو تو ہنستے ہنستے پربھو کے دھام میں چلا جاتا ہے۔ تم شردھا کو دڑھتا کے ساتھ پکڑے رہو اور وِشواس کو ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہونے دو۔

"بیٹا! تم سُکھ سے یاترا کرو۔ خود ہنستے ہنستے اور ہم سب کو ہنساتے ہوئے جاؤ۔ جب سب کو یہ وِشواس کہ تم وہاں جاکر یہاں کی نسبت بہت زیادہ سُکھی ہوگے تب تمہارے وِیوگ سے دُکھ کا انوبھو ہونے پر بھی سچے پریم کے کارن تمہارے سُکھ کو دھیان میں رکھتے ہوئے باقی دُکھ محسوس نہیں کریں گے۔ لیکن ایسا وِشواس اِن سب کو تبھی ہوگا کہ جب تم وِشواس پورن ہو کر ہنستے ہنستے اِس ناشوان شریر کو چھوڑ کر پرم پتا کے منگل مے دھام کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔

"تمہاری ماتا کو تو بھگوان کے منگل مے وِدھان پر اٹوٹ وِشواس ہے ہی۔ اُسے بھی بھگوان کی ہر بات میں منگل دِکھائی دیتا ہے۔

"اب رہی کنورانی کی بات۔ اُسے بھی تم خود بُلا کر کہہ دو کہ اِس جنم میں تمہارا دونوں کا اِتنا ہی سنیوگ تھا۔ اور کہ تم بڑی خوشی سے منگل دھام کو جا رہے ہو اور وہاں اُس کی اِنتظار کروگے۔ تمہارے اِس طرح اُسے تسلی دینے سے اُسے بھی تمہارے وِیوگ کے دُکھ کی پرتیتی نہیں ہوگی۔ اور وہ شانتی اور وِشواس سے اپنا جیون گذار کر تمہارے پاس آ جائیگی۔ اِس سنسار کے تو سبھی سنیوگ عارضی ہوتے ہیں۔ سچا سنیوگ تو منگل دھام کے سوامی کے چرنوں میں جا کر ہوتا ہے۔ جہاں کیول آنند ہی آنند ہے۔ اب تم وہاں ہی تو جا رہے ہو۔"

یہ سب باتیں کنورانی دُلہن بھی سُن رہی تھی۔ تب ٹھاکر میگھ سنگھ نے اُس کو اپنے پاس بُلایا اور سجن سنگھ سے کہا کہ اب تم پربھو کے چرنوں کا دھیان کر کے ہم سب کو مُسکراتا چہرہ بنا کر دکھاؤ۔ پِتا کا یہ سد اُپدیش سُن کر سجن سنگھ کے ہونٹوں پر خفیف سی مُسکراہٹ کی جھلک آئی اور پھر وہ سدا کی نیند سو گیا۔

یہ ہے ایشور بھگتی کی سپھلتا کا سوروپ جو ٹھاکر میگھ سنگھ نے تمہارے سامنے رکھا۔ ایسا وِشواس ہی اصل بھگتی کا پرتیک ہوتا ہے۔

(ادم شم)

اپنا کب اپنا ہوتا ہے؟

شری اُلفت ایمن آبادی

سر تا پا دھوکا ہوتا ہے
کون یہاں اپنا ہوتا ہے

کیسا حشر بپا ہوتا ہے
پل میں کیا سے کیا ہوتا ہے

دم میں ہنسنا، دم میں رونا
اور اِس جگ میں کیا ہوتا ہے

ہست و عدم ہم معنی کہیئے
دو رُخ، اِک نقشہ ہوتا ہے

غیر تو آخر غیر ہی ٹھہرا
اپنا کب اپنا ہوتا ہے

اِس بندے کی ہستی اِتنی
اب ہے، اب عنقا ہوتا ہے

عُمرِ رواں کی تیز روی یہ
آن میں طے رستہ ہوتا ہے

مَن کا رنگ بدلتا ہے جب
سارا جگ بدلا ہوتا ہے

اِک پتھر اِک موم سا نازک
دل اپنا اپنا ہوتا ہے

کِتنی موجیں، کِتنی لہریں ہیں
دل بھی اِک دریا ہوتا ہے

حُسن و شباب و شہرہ و غرّہ
دو دن کا چرچا ہوتا ہے

شعر نہیں، ہر شعر مرا اب
خُون مرے دِل کا ہوتا ہے

اُلفت سب کچھ پاس ہے اُس کے
جس کو پاس خُدا ہوتا ہے

تکمیل کا سال

دلّی کی نمایاں کامیابیاں

قیمتوں میں کمی:- بڑھتی ہوئی قیمتوں میں کمی آئی۔ شرح افراط زر منفی ہو گئی۔ اشیائے ضروریہ کی تقسیم کا مثالی نظام لاگو۔ شہری اور دیہی علاقوں میں ۲۵۳ کوآپریٹیوں اور ۲۲۵۱ سستے داموں والی دوکانوں کے توسط سے سستے کپڑے کی فروخت۔

بے گھر لوگوں کے لئے گھر، بے زمین لوگوں کے لئے زمین:- ۴۱۳۶ ایکڑ زرعی زمین ۴۵۳۸ ہریجن اور غریب بے زمین کھرانوں میں تقسیم۔ ہریجنوں کو مکان بنانے کے لئے ۱۸ لاکھ روپے کی مالی امداد۔ ۹ ہزار رہائشی پلاٹ غریب اور بے گھر ہریجنوں میں تقسیم۔

اپرنٹس شپ اسکیم:- مقررہ نشانہ ۳۵۰۰ کے مقابلے میں ۳۵۲۹ نوجوانوں کو مختلف صنعتوں میں بطور اپرنٹس لگایا گیا۔

سماج دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے:- بے ایمان بیوپاریوں کے خلاف ۲۲۵۹ چھاپے۔ ٹیکس چوری کے ۱۶ کروڑ روپے کے خفیہ بیوپاری سودوں کا پتہ لگایا گیا۔ جمع خوروں، ذخیرہ اندوزوں، منافع خوروں وغیرہ کے خلاف ۱۴ ہزار چھاپے مارے گئے۔

طلبا کو راحت:- ۸۵۳ سکولوں میں کتاب بنک قائم۔ پنسل اور کاپیاں وغیرہ سستے داموں پر مہیا۔ طلبا ہوسٹلوں میں سستا کھانا دستیاب۔ اسکولوں میں ۱۴ نکاتی سدھار پروگرام پر عمل۔ پرائمری سکولوں کے تمام بچوں کو مفت درسی کتابیں۔ غریب طلبا کو اسکولوں کی وردیاں مفت دینے کی سکیم پر ۸ لاکھ روپے خرچ۔ اس سال مزید ۸ لاکھ روپے کا صرفہ کیا جائے گا۔

پیداوار میں اضافہ:- ۶۰۰ صنعتی شیڈوں کی تعمیر۔ چھوٹے چھوٹے صنعتی یونٹوں کو ۳۵ء۵ کروڑ روپے کے قرضے تقسیم کئے گئے۔ سبزی کی کاشت کا رقبہ ۱۶ء۳۰ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۲) سے بڑھ کر ۲ء۱۹۷ ہزار ہیکٹر (۱۹۷۶) ہو گیا۔ کثیر مقاصد والی فصلوں کی کاشت کے رقبہ میں اضافہ۔ حاشیائی کسان و مزدور ترقیات ایجنسی کے توسط سے غریب کسانوں کی بھرپور امداد۔

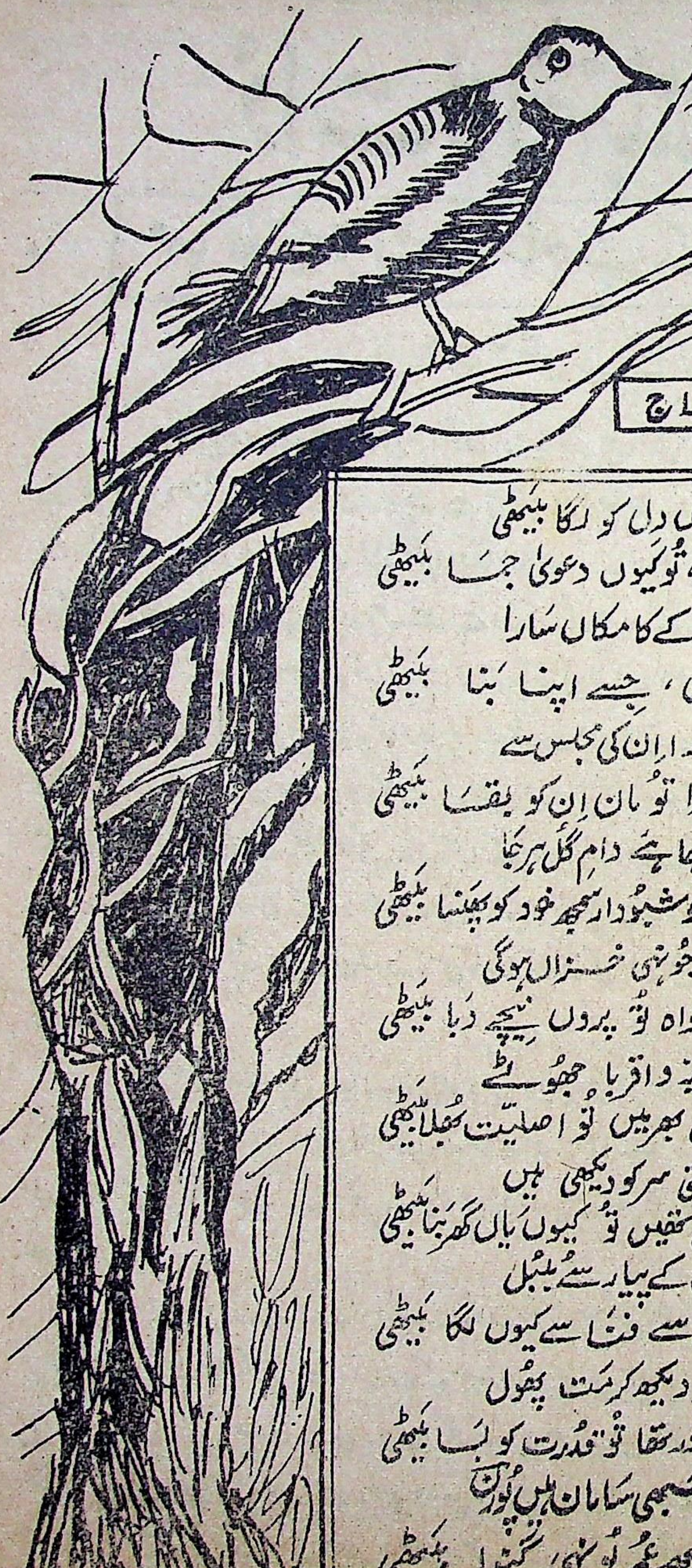
صاف و خوبصورت دلّی:- شہری علاقے میں صاف ستھرا ماحول۔ علاقہ جامع مسجد کی نئی ترقی۔ سبزی منڈی کی آزاد پور میں منتقلی۔ ۲۰۰ منظور شدہ صنعتوں کی منظور شدہ علاقے میں منتقلی۔ ۵۰ ہزار پلاٹوں اور عام سہولتوں کے ساتھ ۲۰ نئی کالونیوں کی نو آبادکاری۔ غریب اور کمزور طبقے کے لوگوں کے لئے بہتر زندگی اور روزگار کے لئے نئے مواقع۔ دلّی کو سرسبز اور شاداب بنانے کے لئے دس لاکھ پودے لگائے جا رہے ہیں۔ جن میں سے ۶ لاکھ پہلے ہی لگائے جا چکے ہیں۔

دیہی ترقی:- ۵۰ دیہات میں صفائی، نشہ بندی اور خاندانی منصوبہ بندی کا وسیع پروگرام ۷۷-۱۹۷۶ء کے آخر تک دلّی کے سبھی گاؤں میں اس پروگرام کی توسیع۔

دلّی کنبہ بندی اسکیموں کے عمل درآمد میں سب سے آگے:- افزائش نسل والے عمر گروپ کے ۶ء۵۸ فیصد جوڑوں نے مانع حمل چیزوں کا استعمال کر کے ملک بھر میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جبکہ پورے ملک میں اس کا اوسط ۱ء۱۶ فیصد ہے۔ یہ اوسط فیصد پانچویں منصوبہ کے ۳۸ فیصد نشانہ سے زیادہ ہے۔ اس وسیع مہم کی بدولت دوران سال میں اب تک ۷۰ ہزار سے زیادہ نسبندیاں عمل میں آ چکی ہیں۔

ہم پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کی قیادت میں شاہراہ ترقی پر آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔
آئیے! ہم اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھول کر ملک کی راجدھانی دلّی کی شان بڑھانے کے لئے مل جل کر کام کریں۔

جاری کردہ:- محکمہ اطلاعات و اشاعت، دلّی انتظامیہ دلّی



بُلبُل

از قلم شری سوامی پوری پورنا نند جی مہاراج

۱۔ اری بُلبُل تُو اِس گُلشن میں کیوں دل کو لگا بیٹھی
نہ گُل اپنا نہ باغ اپنا، تُو کیوں دعویٰ جما بیٹھی

۲۔ نہیں معلُوم کیا تجھ کو ہے دھوکے کا مکاں سارا
نہ تیرا ہے یہاں کچھ بھی، جِسے اپنا بنا بیٹھی

۳۔ گُلوں کو دیکھ کر تازہ نہ اِترا اِن کی مجلس سے
طِلسمی کھیل ہے سارا تُو مان اِن کو بقا بیٹھی

۴۔ تجھے بچ بچ کے چلنا تھا۔ بِچھا ہے دامِ گُل ہر جا
انہیں خوش رنگ و خوشبُو دار سمجھ خود کو پھنسا بیٹھی

۵۔ بہارستان میں تازہ گو۔ مگر جُونہی خزاں ہوگی
ہوں پژمُردہ انھیں خواہ تُو پروں نیچے دبا بیٹھی

۶۔ ہے نقشہ خواب کا سارا عزیز و اقربا جھُوٹے
فنا ہوں گے یہ پل بھر میں تُو اصلیت بھُلا بیٹھی

۷۔ ہزاروں ہی تیری جیسی بھٹکتی سر کو دیکھی ہیں
کفِ افسوس ملتی تھیں تُو کیوں یاں گھر بنا بیٹھی

۸۔ صفا کر دِل کے دامن کو گُلوں کے پیار سے بُلبُل
اِسے پیوستہ کر حق سے فنا سے کیوں لگا بیٹھی

۹۔ عذر کر پیار دُنیا سے گُلوں کو دیکھ کر مت پھُول
بسانا دِل میں قادر تھا تُو قُدرت کو بسا بیٹھی

۱۰۔ سنبھل اب بھی وقت کافی سبھی سامان ہیں پُورن
نہ پچھتائے کہیں پیچھے عُمر یُونہی گنوا بیٹھی

ذاتِ لا انتہا میں داخل ہونا

مہاتما جیمز ایلن صاحب کے زریں خیالات کا انتخاب

از شری منشی لال جی ایم۔ اے

باوجودیکہ اِنسان اپنی جسمانی خواہشوں اور میلانوں میں گرفتار ہے اور دُنیاوی اور ناپائیدار چیزوں سے رغبت رکھتا ہے۔ پھر بھی وہ شروع زمانہ سے لے کر ہمیشہ سے اِس بات کو جانتا ہے کہ اُس کی مادّی ہستی دراصل محدود، چند روزہ، اور مثلِ سُراب ہے۔ اور اُس نے اپنے تنہا اوقات میں اُس لا انتہا ذات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور آنسو بہا بہا کر خدا کی طرف رجُوع کی ہے۔ اور اِس سے اپنے دل کو ایک سرورِ باقی اور لازوال بخشا ہے۔

گو اِنسان کا یہ بیہودہ خیال ہے کہ اِس دُنیا کی لذتیں اصلی اور اطمینان بخش ہیں۔ لیکن دُکھ درد اور تکالیف متواتر اُسے یاد دِلاتی رہتی ہیں کہ یہ تمام لذتیں بے ثبات ہیں۔ یعنی اِن کو بالکل قیام نہیں۔ اور نہ یہ کسی طرح سے تسلی دے سکتی ہیں۔ گو اِنسان ہمیشہ اِس بات کے یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ کامل خوشی یا اطمینان مادّی چیزوں میں ہی ملتا ہے۔ لیکن اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کے اندر ایک ایسی شے ہے کہ جو مستقل طور سے اِس اعتقاد کے مخالف ہے اور یہ مخالفت اِنسان کے دراصل فانی ہونے کی تردید ہے۔ اور اِس بات کا بھی کافی ثبوت ہے کہ اِنسان کو مستمرہ خوشی اور پُورا پُورا اطمینان صرف اُسی باری تعالےٰ کی ذات میں حاصل ہو سکتا ہے جو غیر فانی، ابدی اور لا انتہا ہے۔

اور یہی اعتقادی بُنیاد ہے۔ یہی تمام مذاہب کی جڑ اور سرچشمہ ہے۔ یہ اخوت کی رُوح اور محبت کی جان ہے۔ یعنی یہ کہ اِنسان اصلیت اور رُوحانیت کے لحاظ سے ابدی ہے اور اسی کا ذات کا پرتو ہے۔ گو حالت فانی میں مبتلا اور بے چینی اور تکالیف سے دُکھی ہے۔ تاہم ہمیشہ اِس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ اپنی حقیقت سے واقفیت حاصل کرے۔

اِنسان کی رُوح ذات لا انتہا سے جُدا نہیں ہو سکتی اور کسی چیز کو جو لا انتہا سے درجہ میں کم ہے، حاصل کر کے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ اور اِنسان کے سینہ پر رنج کا بوجھ برابر قائم رہے گا۔ اور غم اور الم کی پرچھائیں اُس کے راستے میں تاریکی پھیلائے گی۔ جب تک کہ وہ خواب کی مانند ہیچ اور ناپائیدار اِس مادّی دُنیا میں آوارہ بھٹکتا پھرنے سے باز نہ آ کر اپنے اصلی وطن کو واپس نہ آ جائے، جو ذات ابدی میں موجود ہے۔

جیسا کہ سمندر کے چھوٹے سے چھوٹے پانی کے قطرے میں گو وہ سمندر سے علیحدہ ہے، سمندر

کی تمام صفتیں پائی جاتی ہیں۔ اس طرح گو انسان اُس لاانتہا نور اور بے حد علم سے علیحدہ ہے۔ پھر بھی انسان میں اُس باری تعالےٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور جیسا کہ پانی کا قطرہ قانونِ قدرت کے مطابق آخر کار ضرور اُلٹا سمندر کی طرف جائے گا اور اُس میں بلکہ غائب ہو جائے گا۔ اِسی طرح اِنسان بھی ضرور اپنی طبیعت کے لازوال قانون کے مطابق آخرش اپنے اصلی ماخذ کی طرف رجوع کریگا۔ اور اس لاانتہا ذات باری کے بڑے سمندر میں غائب ہو جائے گا۔

اِنسان کا ذاتِ باری سے وصل ہو جانا بس یہی اُس کی علت غائی ہے۔ قانون ابدی پر اپنی پوری پوری تسلیم و رضا ظاہر کرنا بس یہی بصیرت محبت اور امن ہے۔ لیکن جب کہ اِنسان خودی کا بندہ ہے اس ملکوتی حالت سے دُور ہے اور ہمیشہ دُور رہے گا۔ خودی، بیگانگی اور خود غرضی ایک ہی شئے ہیں اور دانائی اور الوہیت کی ضد ہیں۔ خودی کو بالکل ترک کر دینے سے بیگانگی اور خود غرضی جاتی رہتی ہے۔ اور اِنسان اپنی غیر فانی اور لاانتہا حالت موروثی پر قابض ہو جاتا ہے۔ یعنی مقدس ذات باری کو حاصل کر لیتا ہے۔

جن لوگوں کے خیالات دُنیوی اور خود غرضانہ ہیں، وہ لوگ اِس طرح کی ترکِ خودی کو ایک بڑی سخت مُصیبت اور بڑا بھاری نقصان تصور کرتے ہیں۔ مگر سچ پُوچھو تو یہی ایک نعمت عظمےٰ ہے۔ اور یہی اصلی دھن دولت ہے اور اِس کے مُقابلہ میں اور سب چیزیں ہیچ ہیں۔ جس شخص کا نفس ہستی کے اندرُونی قوانین سے ناواقف ہے۔ اور اپنی زندگی کی اصلیت اور نوشت سے بے بہرہ ہے، وہ چند روزہ اور ناپائیدار صورتوں پر فدا ہے اور اِس طرح محبت کرنے سے جب اُس کا سراب اور دھوکا جاتا رہتا ہے، خود بھی فنا ہو جاتا ہے۔

لوگ اِس مٹی کے پُتلے سے اِس طرح محبت کرتے ہیں اور اُس کی خواہشوں کو اِس طرح سیر کرتے ہیں گویا یہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ اور اگرچہ وہ اِس بات کے بھُولنے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ یہ عنقریب اور ضرور فنا ہوگا۔ لیکن موت کا خوف اور اِس بات کا خوف کہ جن چیزوں سے ہم محبت کرتے ہیں، یہ سب فنا اور ضائع ہو جائیں گے، اُن کے عیش کو تلخ کرتا ہے اور اُن کی خوشی کو منغص کر دیتا ہے۔ اور اُن کی اپنی خود غرضی ڈراؤنی صورت میں مجسّم ہو کر ایک بے رحم غولِ راہ کی طرح ان کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔

دُنیوی آرام و آسائش و عشرت کے اجتماع سے لوگوں کے اندرُونی نورِ الہٰی پر مدہوشی کا پردہ چھایا جاتا ہے۔ اور لوگ زیادہ تر مادی تعلقات اور خواہشات نفسانی میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ جہاں کافی عقل ہے وہاں پر عقل کے زور سے جسم کے غیر فانی ہونے کی بابت مختلف قیاس بمنزلہ بے خطا مسئلوں کے خیال کئے جاتے ہیں۔ جب اِنسان کی رُوح پر کسی قسم کی خود غرضی طاری ہو جاتی ہے تو اِنسان میں رُوحانی امتیاز کی قوت جاتی رہتی ہے۔ اور اِنسان عارضی کو ابدی، فانی کو جاودانی سے، فانی حالت کو غیر فانی حالت سے اور دروغ

کو راستی سے غلط ملط کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اِس قسم کے قیاسات اور خیالات بکھرے ہوئے ہیں جو اِنسانی تجربہ پر مبنی نہیں ہیں۔ گوشت کے بنے ہوئے ہر ایک جسم میں وقتِ پیدائش ہی سے زوال کے اجزا موجود ہیں۔ اور یہ جسم اپنی ہی اصلیت کے غیر متغیر قانون کی رُو سے ضرور فنا ہو جائے گا۔

اِس کائنات میں جس شے کو زوال ہے، وہ ہرگز دائم نہیں ہو سکتی، اور جس شے کو دوام ہے، وہ کبھی غائب نہ ہوگی۔ فانی شے ہرگز غیر فانی نہیں ہو سکتی اور غیر فانی کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ جو شے عارضی ہے وہ کبھی اَبدی نہیں ہو سکتی اور اَبدی عارضی نہیں ہو سکتی۔ صوری کبھی معنوی نہیں ہو سکتی اور معنوی کبھی صوری نہیں ہو سکتی۔ دروغ راستی نہیں ہو سکتا اور نہ راستی دروغ ہو سکتی ہے۔ اِنسان جسمانی گوشت کو غیر فانی نہیں بنا سکتا۔ یا یُوں کہو کہ اس میں حیاتِ جاودانی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن جسم پر غالب آ کر اور اُس کی تمام خواہشوں کو ترک کر کے اِنسان عالمِ جاودانی میں داخل ہو سکتا ہے۔ "خُداوند تعالےٰ ہی صرف غیر فانی ہے"۔ اب اِس امر کو ہی بخوبی سمجھ کر اِنسان غیر فانی حالت میں داخل ہو سکتا ہے ——— ادم شم۔

غلطی ہے

از شری کانشی رام صاحب چاولہ

۱۔ اِس خیال میں مگن رہنا کہ مَیں ہمیشہ ہی تندرست اور دولت مند رہوں گا۔
۲۔ اِس خیال سے پاپ یا گناہ کرنا کہ دو چار مرتبہ کر کے چھوڑ دُوں گا۔
۳۔ اِس خیال سے مرض کا علاج نہ کرنا کہ وہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔
۴۔ یہ خیال کرنا کہ مَیں اوروں سے زیادہ عقلمند ہُوں۔
۵۔ کسی بدکردار شخص کو ایک مرتبہ آزما کر پھر اُس کی چاپلوسی میں آجانا۔
۶۔ اپنی رائے کو ہمیشہ برتر خیال کرنا اور دُوسرے لوگوں کے مشورہ کی پرواہ نہ کرنا۔
۷۔ بیکاری میں خوش رہنا اور کام نہ کرنے کو خوش قسمتی یا سُکھ ماننا۔
۸۔ اپنا راز دُوسروں کو بتا کر اُسے پوشیدہ رکھنے کی تاکید کرنا۔
۹۔ خرچ آمدنی سے زیادہ رکھنا اور یہ توقع رکھنا کہ مالک چھت پھاڑ کر بھیج دے گا۔
۱۰۔ لوگوں کی تکلیف میں حصّہ نہ لینا اور اُن سے امداد کی توقع رکھنا۔
۱۱۔ پہلی اور سرسری ملاقات کے بعد کسی شخص کی نسبت قطعی رائے قائم کر لینا۔
۱۲۔ ہر ایک کی نسبت ہر بات میں شک کرنا۔
۱۳۔ ہر معاملہ کا تاریک پہلو ہی دیکھنے کی کوشش کرنا اور اسی پہلو سے اُس کا اندازہ کرنا۔
۱۴۔ اپنے والدین کی خدمت نہ کرنا لیکن اپنی اولاد سے خدمت کی توقع رکھنا۔

آئینۂ معرفت

از حضرت سیف صاحب موانوی

ہر بستی میں ہر ہستی میں ہر کایا میں ہر رنگ میں ہو
تم شجر میں ہو، تم بشر میں ہو، تم شرر میں ہو، تم سنگ میں ہو
تم کاہ میں ہو، تم کوہ میں ہو، تم جن میں ہو، تم گنگ میں ہو
ہر جیو کے اندر پنہاں ہو، ہر جسم کے ہر دم سنگ میں ہو
ہر ساز کے پردوں میں ہو چھپے مردنگ میں ہو، مرچنگ میں ہو
اوروں کی تو کچھ معلوم نہیں، ہم جان گئے جس رنگ میں ہو

ہو ہوا میں ہر دم رلے ملے پانی کی رفتاروں میں ہو
ہر موجیں موجیں مارتے ہو اور شور کناں دھاروں میں ہو
ہر کشتی کے ملاح ہو تم ہر گھاٹ کے سرکاروں میں ہو
ہو دریا کی آزادی میں ساحل بن خود داروں میں ہو
اٹھنے کی حباب کے اصل ہے کیا تمہیں اس کے عزم و آہنگ میں ہو
اوروں کی تو کچھ معلوم نہیں، ہم جان گئے جس رنگ میں ہو

تم گیان میں ہو تم دھیان میں ہو تم مسجد میں تم مندر میں
بتخانے میں میخانے میں ہر کوچہ میں اور گھر گھر میں
ہر ادنیٰ میں ہر اعلیٰ میں، ہر کمتر میں، ہر برتر میں
ہر کامل میں ہر ناقص میں، ہر حق بیں میں ہر خود سر میں
ہو سنجیوں کے ہر دے میں تمہیں اور تم ہی دل دل تنگ میں ہو
اوروں کی تو کچھ معلوم نہیں، ہم جان گئے جس رنگ میں ہو

انجیل میں تم قرآن میں تم، ہو وید میں اور پران میں تم
ہر مذہب میں ہر ملت میں ہر دین میں تم ایمان میں تم
مندر کے سنکھ کی صدا میں تم مسجد کے شورِ اذاں میں تم
کیا پشو پکھیرو اور انساں ہو براجمان ہر جان میں تم
ہو ایسے رنگیلے رنگ بھرے دنیا کے ہر اک نیرنگ میں ہو
اوروں کی تو کچھ معلوم نہیں، ہم جان گئے کس رنگ میں ہو

انعام آپ کے ان گن ہیں یاں زباں ایک اب کیا کیجے
کس بہتے پر کس لوتے پر کس منہ سے شکر ادا کیجے
کسی قابل سیف نہیں ہرگز نہیں اس پر لطف عطا کیجے
ہیں دونوں برابر اپنے لئے ہو جفا کہ آپ وفا کیجے
جو مزا خاک پر آتا ہے شاید نہ شہی اورنگ[1] میں ہو
اوروں کی تو کچھ معلوم نہیں ہم جان گئے جس رنگ میں ہو

[1] بادشاہی تخت

شہری حقوق کے تحفّظ کا قانون نافذ العمل

شہری حقوق کے تحفّظ کا قانون جس کے تحت اب چھوت چھات سے متعلق جرائم کے لیے زیادہ سخت اور کڑی سزائیں دی جا سکتی ہیں، نافذ ہو چکا ہے۔

- اِس قانون کے تحت کسی بھی شکل میں چھوت چھات برتنے والوں کو دو سال تک کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی زیادہ کڑی سزا دی جا سکتی ہے۔
- چھوت چھات سے متعلق جرائم قابلِ دست اندازی پولیس قرار دیے گئے ہیں۔ اب اِن سے متعلق کارروائی میں راضی نامہ بھی نہیں ہو سکے گا۔
- چھوت چھات کی تلقین یا کسی بھی بُنیاد پر اُس کو جائز ٹھہرانا جرم ہے۔
- وہ افراد جو چھوت چھات برتنے کے جُرم کے مرتکب ہوں گے اُنھیں پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے چناؤ لڑنے کے نااہل قرار دے دیا جائے گا۔
- چھوت چھات کے جُرم کی تحقیقات میں جان بوجھ کر غفلت برتنے والے سرکاری ملازمین کو سزا دی جا سکے گی۔
- نجی ملکیت کی عبادت گاہوں میں بھی، جہاں عام لوگ جا سکتے ہوں، کسی شکل میں چھوت چھات برتنا اب قابلِ سزا جرم ہوگا۔
- گذشتہ برس چھوت چھات سے متعلق جرائم کے سلسلے میں 449 اشخاص کو سزائیں دی گئیں۔

davp. 76/603

جین دھرم کے آخری تیرتھنکر
شری مہاویر بھگوان

از شری دگمبر داس جی جین

جب دُنیا میں اشانتی بڑھ جاتی ہے تو کوئی نہ کوئی اوتار دُنیا میں جنم لیتا ہے۔ چنانچہ جب کنس کی زیادتی سے رعایا پریشان ہوئی تو کرشن جی پرگٹ ہوئے۔ جب راون کے اتیاچار بڑھے تو شری رام چندر جی نے جنم لیا۔ جب بھائی کے خون کا بھائی پیاسا نظر آنے لگا تو گورو نانک جی کا جنم ہوا۔ جب ظلم و ستم کی گھٹا چاروں طرف پھیلنی شروع ہوئی تو محمدؐ صاحب ظاہر ہوئے۔

آج سے تقریباً ۲۵۰۰ سال قبل جب جہالت کا سورج اگیانتا کی کرنوں اور ہنسا روپی تپش سے دُنیا کو ستانے لگا۔ جابجا معصوم جانور گھوڑے، بیل، بکرے، بھینسے وغیرہ یگیوں میں بھسم کیے جانے لگے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے اپنے جذباتی نفسانی خواہشات کی قربانی کی بجائے دھرم اور ایمان کے نام پر مندروں کے پاک فرش خون آلودہ ہونے لگے تو حضرت مسیح سے پانچ سو چھبیس ۵۲۶ سال پیشتر چیت شدی تردوشی کے مبارک دن راجہ سدھارتھ والئے کنڈل پور علاقہ بہار کی مہارانی ترشلا دیوی کے گربھ سے وردھمان جی نے جنم لیا۔

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" جتنے اوتار، پیغمبر، رسول، گورو دُنیا میں پیدا ہوئے ہیں، کسی کے جیون چرتر کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے، وہ سب بچپن سے ہی کچھ ایسے شہ زور، قابل، عقلمند اور غیر معمولی طاقت کے مالک ہوتے ہیں کہ عوام کو خیال ہو جاوے کہ یہ ایک روز ضرور دُنیا کو مصیبت سے نجات دلائیں گے۔ چنانچہ ایک روز شری وردھمان اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک ہاتھی مست ہو کر شہر میں بڑا نقصان کر رہا ہے۔ جو سامنے آجاتا ہے، پاؤں تلے کچل دیتا ہے۔ بازار کی آمد و رفت کا راستہ بند ہے۔ کوئی شخص اُس کے پاس تک جانے کی جرأت نہیں کرتا۔

شری وردھمان سے اپنی رعایا کی تکلیف نہ دیکھی گئی اور خود ہاتھی کے پاس گئے۔ اُس کو پُچکارا اور سونڈ پکڑ کر اُوپر چڑھ گئے۔ اور اپنی شجاعت سے اُس کو زیر کر لیا۔ آپ کی بہادری کی تعریف سُن کر ایک دفعہ ایک دیو پریکشا کرنے کے لیے خوفناک کالا سانپ بن کر آیا اور شری وردھمان پر حملہ کیا۔ اُن کے پاس کے

سب لوگ خوف سے بھاگ گئے۔ لیکن آپ مستقل مزاجی سے وہیں بیٹھے رہے۔ قطعی نہیں گھبرائے۔ اور بے خوف ہوکر اُس کو پکڑ لیا اور اُس کے ساتھ کھیلنے لگے۔ آپ کا اصلی نام "وردھمان" تھا۔ لیکن آپ کی غیر معمولی شجاعت، بہادری، طاقت اور مردانگی دیکھ کر دُنیا آپ کو "ویر" "مہاویر" "اَتی ویر" وغیرہ ناموں سے پکارنے لگی۔

جیسا کہ موکش گامی شریروں کے خیالات ہُوا کرتے ہیں، بچپن سے ہی "مہاویر" کی طبیعت تیاگ اور بیراگ کی طرف راغب تھی۔ چُنانچہ ۸ سال کی عمر میں شراوک برت دھارن کئے۔

آپ کے پتاجی نے شادی کے لئے اصرار کیا۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ بہت کافی عرصہ لہو ولعب میں گذر چکا ہے۔ اب مجھ سے دُنیا کے اتیاچار زیادہ نہیں دیکھے جاتے۔ جب راجہ ناپائیدار سلطنت حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائیوں کو دُشمن جان کر اُن کے خون سے اپنی تلوار سُرخ کر سکتے ہیں تو کیا نجات (موکش) کی دائمی سلطنت حاصل کرنے کی خواہش سے کرم رُوپی دُشمنوں سے جنگ و جدل نہ کروں؟

آپ کی دیکشا لینے کی خبر جب آپ کی ماتا مہارانی ترشلا دیوی کو لگی تو اُنھوں نے بھی سمجھایا کہ تُم فقیری تکالیف برداشت نہیں کر سکتے۔ نرم نرم گدیلوں پر سونے والا جسم پتھریلی اور ناہموار زمین کے مصائب نہیں اُٹھا سکتا۔

تو آپ نے فرمایا:—

پڑا دُنیا میں دُکھ بھوگوں یہ مُجھ سے ہو نہیں سکتا — رتن ترئیہ ہاتھ سے کھو دوں یہ مُجھ سے ہو نہیں سکتا
اَنادی کال سے چکر لگائے کھ چوراسی میں — اِسی چکر میں پھر گھوموں یہ مُجھ سے ہو نہیں سکتا
یہ گھر اِک قید خانہ ہے، یہ عورت پاؤں کی بیڑی — کرم بندھن نہ اب کاٹوں، یہ مُجھ سے ہو نہیں سکتا
مچا ہے دیش میں ہنسا کا ہاہاکار زوروں پہ
مَیں اپنی آنکھ سے دیکھوں، یہ مُجھ سے ہو نہیں سکتا

چُنانچہ ۳۰ سال کی عُمر میں راج پاٹ کو لات مار کر اور موہ مایا کی زنجیروں کو توڑ کر مِتی بسیاکھ شُدی دشمی کے شُبھ دن آپ دِگمبر مُنی ہو گئے۔ اور بارہ ۱۲ سال تک بہت گھور تپسیا کی۔ قسم قسم کی تکالیف آئیں۔ لیکن سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ایک مرتبہ سانیکی رُودر نے آپ کے دھیان کی آزمائش کے لئے تپ کرتے وقت بہت تنگ کیا۔ لیکن کیا مجال جو اس دھرم کے مجسّم کو ذرا بھی ڈِگا سکے۔ میرو پربت کی طرح بے حس و حرکت دھرم دھیان میں سمادھی لگائے رکھی۔ بارش موسلا دھار پانی برسا گئی۔ کڑاکے کی سردی نے بھی پُورے طور پر آزمائش کی۔ گرمی کی تپش سے سُورج نے بھی اپنا زور دِکھایا۔ لیکن سنساری سمندر کی کرم رُوپی لہریں آپ کے دھیان رُوپی پربت کو اپنی جگہ سے نہ ڈگا سکیں۔ اِس طور کی بارہ ۱۲ سال کی سخت ریاضت کے بعد بیساکھ سُدی دشمی کو ۴۲ سال کی عُمر میں آپ نے کیولیہ گیان حاصل کیا۔ پھر ۳۰ سال دیش بدیش گھُوم کر ہنسا اور جیو بلیدان کو بند کرائے اور نفسانی خواہشات کا بلیدان کرنے اور آپس میں پریم بھاؤ رکھنے کا ایسا مُؤثر، مدلّل اور عام فہم اُپدیش دیا کہ

انسان تو انسان، حیوان، پرندے پرند تک بھی آپ کی شرن میں آکر دھرم اُپدیش سُنتے تھے۔

اُس وقت سنسار میں چاروں طرف ہنسا کا ہاہا کار زوروں پر مچا ہوا تھا۔ بھائی بھائی کے خون کے پیاسے تھے۔ دھرم کے نام پر مندروں کے مقدس فرش بیگناہوں کے خون سے لال کئے جاتے تھے۔ محبت اور پریم کا نام بھی نہ تھا۔ گھوڑے، بیل، بھینسوں وغیرہ کی گلیوں میں قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایسے بھیانک سمے پر مہاویر بھگوان نے اپنے لاثانی اُپدیش سے ایسا پریم رس پلایا کہ شیر۔ بکری۔ بلی۔ چوہا۔ نیولا۔ سانپ وغیرہ وغیرہ اپنی اپنی دُشمنی کو بھول کر شانت ہو جاتے تھے اور مہاویر بھگوان کی زبردست شخصیت کے سامنے نفرت، کدورت، بغض، دُشمنی وغیرہ کافور ہو جاتی تھیں۔ سب پریم سے ایک جگہ بیٹھ کر سچی روحانی خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ نے ایسے اچھے اور مفید اصول دُنیا کے سامنے عملی طور پر پیش کئے کہ ہر شخص آپ کا مداح ہو گیا۔

"اہنسا پرمو دھرم" یعنی سب پرانیوں پر دیا کرنا، اُن سے پریم بھاؤ رکھنا ——— Live and let live. ——— خود جینا اور دوسروں کو جینے دینا۔ یہ آپ کا سب سے بڑا اصول ہے۔ دوسرا اصول آپ کا تپ اور تیاگ ہے۔ چاروں کشائے (۱) کرودھ یعنی غصہ (۲) مان یعنی غرور (۳) مایا یعنی دھوکا (۴) لوبھ یعنی لالچ اور پانچوں پاپ (۱) ایذا رسانی (۲) جھوٹ (۳) چوری (۴) زنا (۵) اسباب دُنیا کی زیادتی کی تمنا) کو تیاگ کر جس قدر ریاضت اور تپ کرے گا، وہ اُسی قدر کرموں کا ناش کر کے موکش حاصل کر سکے گا۔ چنانچہ کیولیہ گیان کے ۳۰ سال بعد تک اِس طرح کے اصول دُنیا کو سمجھا کر اور "اہنسا پرمو دھرمہ" کا اُپدیش دے کر مہاویر سوامی نے ایک دفعہ پھر پریم سے سب کو گلے ملوایا۔ آخرکار ۷۲ سال کی عمر میں کارتک بدی چودس کے مبارک دن آپ نے پاواں پور (علاقہ بہار) سے نروان (موکش) حاصل کی۔

(اوم شانتی)

پرارتھنا

اے ست چت آنند برہم، اے آنند کے ساگر، گیان کے بھنڈار، موکش کے داتا، تو اونکار ہے، یہ سنسار اور وید تجھ میں سے نکلے ہیں، تیرا نہ آدی ہے نہ انت، تو اکھشر ہے، تو سویم پرکاش ہے، تو اس دُنیا کا آدھار ہے، تو پرم کارن ہے۔ تو ہماری آتما اور سنسار کی آتما (وشو آتما) ہے جس کو وید کے جاننے والے ابناشی کہتے ہیں۔ جس میں جتی اور یوگی پرویش کرتے ہیں۔ جس کی اچھا سے برہمچریہ کیا جاتا ہے۔ وہ تیرا ہی ست چت آنند سروپ ہے۔

تیرے حکم سے سورج چمکتا ہے، آگ جلتی ہے۔ ہوا چلتی ہے، دریا بہتے ہیں، سمندر اپنی حدود کے اندر رہتے ہیں اور اندر اور یم اپنا کام کرتے ہیں، تیرے حکم سے من سوچتا ہے۔ سانس چلتا ہے، اور اندریاں اپنا کام کرتی ہیں، تو ایشوروں کا ایشور ہے، سورجوں کا سورج، روشنیوں کی روشنی اور سب آنند کا مرکز ہے۔

ذات ہی ذات ہوں میں ہندسہ صفر مجھ میں نہیں

از مہاتما شہنشاہ جی مہاراج

نور ہی نور ہوں میں شام و سحر مجھ میں نہیں
جان کی جان ہوں میں خوف و خطر مجھ میں نہیں

ایک نہ دو ہوں میں تین نہیں پانچ نہیں
ذات ہی ذات ہوں میں ہندسہ صفر مجھ میں نہیں

بے وجہ ناصح تو کرتا ہے شکایت میری
بے خطا میں ہوں خطا کا تو گمر ہی مجھ میں نہیں

چال ٹیڑھی ہے تیری دنیا تجھے یاد رہے
راہ سیدھا ہے میرا ٹیڑھی ڈگر مجھ میں نہیں

تو نہ مجھ میں ہے نہ وہ ہے نہ میں ہے مجھ میں
قیل اور قال نہیں مادہ و نر مجھ میں نہیں

ایک رس رہتا ہوں میں ہوتا نہیں بیش نہ کم
جیت اور ہار نہیں زیر و زبر مجھ میں نہیں

گیانی میں گیان ہوں میں دھیانی میں دھیان ہوں میں
جہل اور علم نہیں عیب و ہنر مجھ میں نہیں

کانپتے سب ہیں عفو سے کہ ہے اوزار میرا
تیر و پیکان نہیں تیغ و تبر مجھ میں نہیں

فوج تو رکھتا شہنشاہ ہے وہ ہوں دشمن جس کے
میں ہی میں سب میں ہوں اور غیر کا ڈر مجھ میں نہیں

گوتم بدھ کا تیاگ

(پروفیسر ہیرالال جی چوپڑہ ایم۔ اے)

کپل وستو کے شہزادے سدھارتھ کی شادی اپنے وقت کی ایک نہایت حسین شہزادی یشودھرا سے ہوئی اور میاں بیوی کچھ عرصہ تک اپنی زندگی عیش و عشرت سے بسر کرتے رہے۔ اسی شہزادے سدھارتھ کو لوگ اُس کے خاندانی نام "گوتم" سے پکارتے ہیں۔ اور یہی اپنی روحانیت کی بیداری اور گیان کی روشنی کی وجہ سے بُدھ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

اگرچہ تاریخ اس بات پہ خاموش ہے کہ گوتم بُدھ نے اپنی شادی شُدہ زندگی کے پہلے دس سالوں میں کیا کچھ کیا۔ لیکن اُس کے فوراً بعد کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں ایک کسک سی رہتی تھی اور دُنیا کے دُکھوں اور مصیبتوں کا بڑی دُور اندیش نگاہوں سے جائزہ لیتا تھا۔ یا یُوں کہیئے کہ ابھی سے ہی اُس کے دل کے اندر کسی غیب کی طاقت سے احساس ہو گیا تھا کہ وہ دُنیا کے بھلے کے لیئے اوتار کی صورت میں پیدا ہُوا ہے۔ لیکن یہ بات کہ یہ خیال کیونکر ظاہر ہُوا؟ اور اس کو عملی شکل کیونکر دی جائے؟ اس کا اُسے علم نہ تھا۔

گوتم بُدھ کے باپ نے اُس کے آرام کے لیئے کھلے ہُوئے غُنچوں سے بھرپُور ہرے بھرے باغوں کے درمیان ایک ایسی جگہ مقرر کر دی جہاں دُنیا کے غم اور تکلیفوں کا دخل ہی ناممکن تھا۔ صاف اور شفاف پانی کے چمکدار حوض شہزادے کے نہانے کے لیئے بنائے گئے۔ جن کے نیچے نو سیمیں فرش تھے اور اُوپر آبشار اور جھرنے۔

ایک شام گوتم کے جی میں سیر کی دُھن سمائی اور اُس نے اپنے سارتھی چنّا سے رتھ جوتنے کو کہا۔ روپہلی پہیّوں کا سُنہری رتھ چار نُقرئی گھوڑوں سے جوتا گیا اور جس سمت سے شہزادے کی سواری جاتی، لوگ اظہارِ عقیدت کے لیئے دست بستہ کھڑے ہو کر سر کو جھکاتے اور آداب بجا لاتے۔ اچانک سڑک کے درمیان اور رتھ کے عین سامنے ایک بُوڑھا آدمی لڑکھڑا رہا تھا۔ اُس کی کمر بڑھاپے کی وجہ سے دوہری ہو گئی تھی، اور وہ ایک لکڑی کے سہارے اپنے آپ کو سنبھالے ہُوئے کھڑا تھا۔ اُس کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔ شہزادے نے ایسی صورت کبھی نہ دیکھی تھی۔ فوراً اپنے سارتھی چنّا سے پُوچھا کہ اس میں اور دُوسرے

لوگوں میں اتنا فرق کیوں ہے؟ چنّا نے جواب دیا:۔ شہزادے! یہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے کافی سالوں تک زندگی بسر کی ہے۔ اور ہر وہ شخص جو زیادہ سالوں تک زندہ رہتا ہے، اس کی ایسی ہی صورت ہو جاتی ہے۔

کچھ آگے بڑھ کر اس نے ایک اور شخص کو دیکھا جو سڑک کے کنارے درد سے کراہ رہا تھا۔ اور اس کی آہ و پکار دل کے پار ہوئی جاتی تھی۔ گوتم نے رتھ میں سے چھلانگ لگائی اور اس رونے چلّانے والے مریض کے پاس جا پہنچا۔ چنّا سے پھر پوچھا:۔ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ شخص بیمار ہے اور بیماری کی شدت سے چلّا رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ہم بھی کسی نہ کسی دن کسی ایسی ہی بیماری میں مبتلا ہو جائیں۔ شہزادہ سوچنے لگا کہ جب ایسی ایسی ہولناک بیماریاں لوگوں کو پھانسنے کے لیے جال بچھائے موجود ہوں، تو ایسی دنیا کے سب عیش و آرام بے بنیاد ہیں۔

کچھ فاصلہ اور آگے بڑھنے پر اس نے دیکھا کہ لوگ، ایک بے جان اور خاموش لاش کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ عورتیں بال بکھیرے ساتھ ساتھ رو پیٹ رہی ہیں۔ شہزادے نے خوف اور حیرت سے چنّا سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ چنّا نے جواب دیا:۔ شہزادے! اس دنیا میں ہر ایک آدمی ایک نہ ایک دن ایسی ہی بے جان لاش کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ موت ہے۔ شہزادے کے دماغ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور وہ بے اختیار آہ کھینچتے ہوئے یہ کہنے لگا کہ دنیا کی تمام مسرتیں فانی ہیں۔ اور دنیاوی شان و شوکت ایک خواب ہے۔ یہ خوشیاں ایسی کلیاں ہیں جو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتی ہیں۔ گویا کہ شہزادے کے دل و دماغ پر ایک ایسا دھکا لگا جس سے وہ طرح طرح کے خیالات میں محو ہو گیا اور دنیا کے روشن اور تاریک پہلوؤں پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے ان کا آپس میں مقابلہ کرنے لگا۔

واپس لوٹتے ہوئے شہزادہ اپنے خیالات کی دنیا میں منہمک بیٹھا تھا کہ اس کی نگاہ ایک عجیب و غریب انسان پر پڑی۔ وہ گیروے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے سر کے بال اور داڑھی کے بال منڈے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا جس میں گھر گھر سے مانگی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے جمع تھے۔ شہزادہ اس شخص کی شانتی اور دھیرج سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے چنّا سے اس شخص کی بابت بھی پوچھا چنّا نے جواب دیا کہ یہ شخص ایک نیک اور راست رو آدمی ہے۔ اس نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے اور بھیک مانگ کر اپنا گذارہ کرتا ہے۔

شہزادے نے رتھ سے اتر کر اس سادھو سے ایک دو باتیں کیں جس سے شہزادے کی تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں اور اس نے بھی اپنے دل میں یہ پکا ارادہ کر لیا کہ اس کا بھی آئندہ کا طریقہ یہی ہو گا۔ دل میں اس نے کہا کہ میں بھی دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں گھومتا پھروں گا۔ شانتی حاصل کر کے گیان اور معرفت

کا راستہ طے کروں گا۔ جس سے بنی نوع انسان کو یہ سبق دوں گا کہ یہ فانی زندگی کس طرح کامیابی سے بسر کی جاتی ہے۔

گھر واپس پہنچنے پر خادموں نے حسب معمول شہزادے کو بڑے سلیقے سے سجایا۔ شہزادہ خاموشی سے ان تمام تکلفات کو برداشت کرتا گیا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ زیب و زینت آج آخری بار ہو رہی ہے۔ جونہی کہ یہ شاہی ادب و آداب ختم ہوئے، اُسے یہ پیغام پہنچا کہ اُس کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ شہزادے نے دفعتاً سوچا اور کہا کہ اب گرہ کا کھلنا کٹھن ہے۔ یہ میرے راستے کا ایک روڑا ہے۔ لیکن مکمل انسان وہی ہے جو درمیان کی حائل شدہ رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتا ہوا ساحل کامیابی پر جا پہنچتا ہے۔ اُس کے لئے یہ روڑے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

شہر میں اس تقریب کے سلسلے میں جا بجا خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ شادیانے بج رہے تھے اور گانے بجانے کی خوش آیند آواز سے تمام محل گونج رہے تھے۔ ناچنے والی دوشیزہ لڑکیاں پاؤں میں گھنگھرو باندھے چپے چپے پر نیا سماں باندھے کھڑی تھیں۔ سب لوگ نئے نئے لباس پہنے اس قومی خوشی میں شریک ہو رہے تھے۔ ہر شخص شہزادے کی واپسی کا بڑی بیتابی سے انتظار کر رہا تھا۔ کہ اُس کو مبارک باد دے سکے۔ عورتیں اپنی سلطنت کے حسین شہزادے کے انتظار میں اپنے مکانوں کی چھتوں پر ہاتھوں میں پھول اور مالائیں لئے کھڑی تھیں۔ تاکہ بازار میں گزرتے ہوئے رتھ پر وہ پھولوں کی بارش کر سکیں اور شہزادے کے گلے میں مالائیں ڈال سکیں۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ بچے کے پیدا ہونے کی خوشی باپ کے چہرے پر کس غیر معمولی رونق سے عیاں ہوتی ہے۔ غرضیکہ در و دیوار پر حسن کھیل رہا تھا اور کپل دستو کا سارا شہر جگمگاتا ہوا بہشت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔

گوتم بدھ رات تمام باتوں سے بے نیاز اپنے خیالات میں منہمک تھا۔ اور آخر انھیں وچاروں میں کھو کر سو گیا۔ گانے بجانے والے اس بات کے منتظر بیٹھے تھے کہ شہزادہ بیدار ہو اور وہ اُسے اپنے راگ رنگ سے مسرور کریں۔ لیکن انتظار کرتے کرتے اُن پر بھی نیند غالب آ گئی۔

کوئی آدھی رات کے وقت گوتم بدھ جاگا۔ اور آہستہ آہستہ پھونک پھونک کر قدم بڑھاتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ نہایت ہوشیاری سے باریک آواز میں اُس نے چنا کو بیدار کیا اور گھوڑے پر زین کسنے کو کہا۔ اُدھر چنا گھوڑا تیار کرنے کے لئے رخصت ہوا، اُدھر شہزادے کے دل میں پیار اور محبت کا ایک تلاطم برپا ہو گیا اور اُس کے خیالات اپنی رانی یشودھرا کے کمرے میں چکر لگانے لگے۔ اُس کا جی چاہا کہ ایک دفعہ اپنے بچے کو گود میں اُٹھا کر پیار کرے۔ قدم خود بخود بڑھے چلے جا رہے تھے کہ اچانک یشودھرا کے کمرے کے دروازے پر آ کر ٹھٹھک گئے۔ شہزادے نے اندر جھانکا۔ شمع کی مدھم سی روشنی میں اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی پھولوں کی سیج پر اطمینان سے سو رہی ہے اور اُس کا ایک ہاتھ ننھے بچے کی گردن میں حمائل ہے۔ گوتم نے سوچا کہ اگر میں اُس کے ہاتھ کو پرے کروں تو وہ بیدار ہو جائیگی اور مجھ کو گھر سے جانے نہ دیگی۔ اس خیال سے اُس نے بچے کو چھوا تک نہیں

اور وہیں پتھر کی مورت بنکر کچھ دیر تک دونوں کو کھڑا دیکھتا رہا۔ زندگی کے فرائض قدموں کو باہر کی طرف کھینچتے تھے۔ اور حسن و عشق کی کشش دل کو اندر کی طرف۔ اس کشمکش میں وہ آگے کو جھکا ہوا اور پیچھے کو کھنچا ہوا کچھ دیر تک اضطراب میں کھڑا رہا۔ اور دل کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے خود فراموشی اور بے اختیاری کی حالت میں زبردست قوت ارادی سے اپنے دل پر قابو پاکر اس نے اپنے منہ کو ادھر سے پھیرا۔ اور باہر چلا گیا۔

باہر نکلا تو چنا گھوڑے پہ زین کسے تیار کھڑا تھا۔ اور دونوں مالک اور نوکر گھوڑوں پر سوار ہو کر سنسان گلی کوچوں میں سے گزرنے لگے۔ روایت ہے کہ دیوتاؤں نے اس رات پھولوں کی اس کثرت سے بارش کی کہ گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز تک پیدا نہ ہو سکی۔ راجدھانی کے دروازے کے قریب پہنچنے پر گوتم کو ایسا معلوم ہوا کہ تاروں بھرے آسمان سے کوئی نہایت حسین صورت نیچے اتر رہی ہے۔ وہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ صورت اس کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بدی کی روح تھی۔ جو گوتم کو اپنے نیک اور پاک ارادوں سے گرانا چاہتی تھی۔ اس کے گمراہ کرنے کے لیے اس نے کئی قسم کے چکمے دیئے۔ گوتم کا راستہ روک کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اور کہنے لگی ؎ "بھگوان ٹھہرو! آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر تمام دنیا کی بادشاہت تمہارے سپرد کر دوں گی۔" لیکن گوتم نے بڑی مردانگی سے یہ جواب دیکر اسے آگے سے ہٹ جانے کو کہا کہ گوتم دنیا کی بادشاہت نہیں چاہتا ہے۔ وہ دل کی سلطنت کھوجے گا۔ بدھ بنے گا اور تمام دنیا کو دکھوں سے نجات کی خوشخبری کا پیغام دیگا۔

کپل وستو کے دروازے اتنے بھاری بھرکم تھے کہ کئی کئی آدمیوں کی کوشش سے مشکل سے کھلتے تھے۔ لیکن آج رات گوتم کی آمد سے خود بخود کھل گئے اور گوتم اور چنا ایک وسیع میدان میں آ نکلے۔ جہاں قدرت ہر ساز سے ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار تھی۔ درختوں کی تمام پتیاں ہمہ تن چشم منتظر تھیں۔ ہوا دم روکے ہوئے نہایت خاموشی سے ایک ہونے والے اوتار کی راہ دیکھتی تھی۔ چاند ایک اگنے والے سورج کے استقبال کے لیے رات کے سیاہ کپڑے اتار کر اسے چاندنی کی تاریں پہنا رہا تھا۔ سورج ایڑیاں اٹھا اٹھا کر مشرق سے کسی مد مقابل کو جھانکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ یکایک گوتم بدھ کی آمد کے ساتھ ہی ہوا نے پتوں میں سے گزر کر اپنی سرسراہٹ سے ایک ایسے دل سہانے والے ترانے کا آغاز کیا جس سے تمام فطرت مسحور ہو کر ناچنے لگی۔ کلیاں چٹک چٹک کر پھول بن گئیں اور ڈالوں میں جا بجا شگوفے اور کونپلیں دکھلائی دینے لگے۔

ساری رات سفر کرنے کے بعد جب صبح نمودار ہوئی تو گوتم اور چنا ایک ندی کے کنارے پہنچے۔ گوتم نے گھوڑے کو ٹھہرایا اور اپنے شاہی لباس اور دیگر آرائش کی چیزوں کو اتار کر چنا کے حوالے کرتے ہوئے اسے کپل وستو واپس جانے کی ہدایت کی۔ چنا نے بہت دفعہ یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے آقا کے ہمراہ چلنا چاہتا ہے۔ لیکن گوتم نہ مانا اور کہا کہ تم واپس لوٹ کر میرے باپ اور دیگر رشتہ داروں کو مفصل اطلاع دو کہ میں نے دل میں کیا ٹھانی ہے۔ میں کس چیز کی تلاش میں اپنے گھر، بیوی اور بچے کو چھوڑ کر جنگل میں گھومنے کے لیے نکلا ہوں۔ وہ کون سے بلند ارادے

ہیں، جنہوں نے مجھے اس دُنیا کے عیش و آرام کو خیرباد کہنے کے لئے مجبور کیا ہے۔ جاؤ اور تم میرے باپ سے کہو کہ گوتم بنی نوع انسان کی بھلائی کرنے کے لئے شاہی جنجالوں سے آزاد ہو رہا ہے۔ وہ تنہائی کے کونے میں بیٹھ کر دُنیا کے دُکھی لوگوں کے واسطے سُکھ کا سندیش لانا چاہتا ہے۔ غرض یہ سب باتیں کہہ کر میرے باپ کو سمجھاؤ کہ یہ موقعہ غم کا نہیں بلکہ خوشی کا ہے۔

یہ کہتے ہوئے گوتم نے تلوار کھینچ لی اور اپنے سر اور داڑھی کے لمبے بالوں کو کاٹ دیا اور اپنے شاہی لباس کو ایک غریب راہگیر کے پھٹے پُرانے کپڑوں سے تبدیل کر لیا۔

چنّا آہیں بھرتا ہوا اپنے آقا کو ایک سادھو کے چیتھڑوں میں ملبوس چھوڑ کر روتا دھوتا کپل وستو کو واپس چل دیا۔

سنتوکھ

مرسلہ

رائے صاحب شری ملکھراج جی چڈھا

بنا سنتوکھ کے کوئی ہوا دھنوان تو کیا ہے
نہیں نج رُوپ کو جانا تجا ابھیمان تو کیا ہے

وہی ہے بادشاہ پورا جسے سنتوکھ ہے آیا
تجی نہیں واسنا من کی، لگایا دھیان تو کیا ہے

ویراگی ہیں جو دُنیا کے جھمیلوں سے سکھی ہیں وہ
تجی نہیں کلپنا من کی، ہوا سوگیان تو کیا ہے

اگر اس کی سمجھ ہوتی تو بھوسا گر سے تر جاتے
نہ چھوڑا مان ہردے کا کیا گئوُدان تو کیا ہے

اگر تو موکش چاہتا ہے تو اپنا رُوپ لکھ پیارے
جو من کا میل نہیں چھوٹا کیا اشنان تو کیا ہے

تُو چنتا دُور کر دل سے جلا نہیں آگ ترشنا کی
بھلا کر کے تُو مالک کو جیا انسان تو کیا ہے

سگن اور نرگن برہم

سنت ہری سنگھ جی

تُوں پیڈ ساکھ تیری پھُولی
تُوں سُوکھم ہو یا استھُولی
تُوں جل ندھ تُوں پھین بُدبُدا
تُدھ بن اور نہ بھالیئے جیو
تُوں سوت منیاں بھی توں ہیں
تُوں گنٹھی میر سر توں ہے
آدھ مدھ انت پربھ سوئی
اور نہ کوئی دکھالیئے جیو
تُوں نرگن سرگن سُکھ داتا
تُوں نربان رسیا رنگ راتا
اپنے کرتب آپے جانیں
آپے تدھ سمالیئے جیو
تُوں ٹھاکر سیوک پھُن آپے
تُوں گپت پرگٹ پربھ آپے
نانک داس سدا گُن گاوے
اِک بھوری ندر نہالیئے جیو

(گورو گرنتھ صاحب)

آریہ گرنتھوں میں رشیوں نے برہم سگُن اور نرگُن دو پرکار کا ورنن کیا ہے۔ اگرچہ برہم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اِس میں بھید کی کلپنا کے ممکنات نہیں ہیں۔ تاہم ادھیکاریوں کے بھید کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایسا ماننا جائز ہی سمجھا گیا ہے۔ سگُن کے معنی ہیں گُن کے سہت کے اور نرگُن سے مُراد گُن رہت کے ہیں۔ گُن بھی تین۳ ہیں یعنی ست، رج اور تم۔ اور ایسی ترگُن آتمک مایا مانی گئی ہے۔ جیسے مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ کوئی اُسے پرکرتی یا علت مادہ کہتے ہیں۔ کسی کی زبان میں وہ بھگوت شکتی ہے۔ اور دُوسرے کوئی تو اُسے اگیان یا جہل آدی ناموں سے شمار کرتے ہیں۔ کچھ ہی نام کیوں نہ دیا جائے، یہ ہی ایک پرماتما کی شکتی ہے جس کے سبب سے نرگُن نردشیش اور نِر اُپادھک برہم سگُن یا اُدشیش اور سا اُپادھک ہو جاتا ہے۔ مگر اُس کے ایسا ہونے سے اُس کے واستوِ شُدھ نِروکار سورُوپ میں کوئی تغیر و تبدل یا پری ورتن نہیں آجاتا۔ اگرچہ کئی وادیوں نے اُس اُپادھی کو ایک سوتنتر تتو یعنی Self Existing entity مانا ہے۔ مگر ادویت ویدانت میں اُس کا کوئی اپنا وجود نہیں ہے۔ بلکہ محض امر عوزی سے اور برہم سے علیحدہ کوئی جُداگانہ ہستی نہیں رکھتی۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بذاتِ خود نرگُن برہم کس طرح سگُن ہوتا ہے۔ اور فی الواقع یہ امر ثابت ہے کہ برہم سگُن بھی ہے کیونکہ اِس قدر بڑا وشال اور وِستِرت جگت جو ہمارے سامنے ہے، یہ ہی تو وراٹ پُرش کا دیہہ ہے۔ اور یہی

سگُن سوُروپ ہے۔ پس لازمی طور پہ اگر سگُن بھاؤ ماننا ہو تو اُس شکتی یعنی اُپادھی کو کچھ نہ کچھ جگہ دینی ہوگی کیونکہ بغیر کسی کارن کے خود بخود نِرگُن سگُن کے رُوپ میں نہیں اُتر سکتا۔ یہ ہی سبب ہے، شُدھ ادویت واد میں بھی اِسے انروچنی کہہ کر استھان دِیا گیا ہے۔ انروچنی اُسے بولتے ہیں جس کا بیان کسی طرح بھی نہ ہو سکے۔ اَرتھات نہ ست رُوپ سے نہ اَست رُوپ سے۔ نہ جڑ نہ چیتن۔ نہ ستھُول نہ سُوکھشم۔ نہ اور ہی کسی پرکار کا رُوپن کیا جا سکے۔ اور اِس کو ویدانت پری بھاشا میں "مِتھیا" کے نام سے بولتے ہیں۔ اگرچہ "مِتھیا" شبد سے عام لوگوں کو کراہت ہوتی ہے۔ مگر یہ سراسر اُن کی بھُول ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ماہیت کو نہیں پہچانتے۔ اور اُس کی تعریف جو ویدانت شاستر میں کی ہے، نہیں سمجھتے۔ ورنہ مِتھیا کے معنی فی الواقع قُدرت اور شکتی کے ہیں۔ جس سے مُراد اُس شے سے ہے جو اپنا حقیقی وجُود تو نہ رکھتی ہو، مگر معدُومی المعلوم ثابت ہو۔ یعنی موہومہ طور پر صاف ظاہر اور پرتیکش ہو۔ مثال اس میں دیکھیئے۔ جس طرح آسمان میں کوئی رنگت نہیں کیونکہ محققین نے اِس امر کو ثابت کیا ہے کہ آکاش بے رنگ اور بغیر رُوپ کے ہے، تو بھی اِس میں نیلاپن کس گہرائی سے نظر پڑتا ہے۔ یا جس طرح کلّر کی زمین میں پانی کی بُوند نہیں ہوتی۔ مگر کس طرح بہتا اور لہراتا ہُوا ایک دریائے عظیم نظر آتا ہے۔ اور بھی دیکھیئے جس طرح آئینہ میں منعکسہ شے کا کچھ بھی وجُود نہیں ہوتا، تو بھی ظاہر آسب کچھ دیکھ پڑتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اِس قسم کی بے شمار مثالیں دُنیا میں ہی موجُود ہیں۔ جو انروچنی یعنی مِتھیا وستُو کی تعریف میں بطور شہادت پیش کی جا سکتی ہیں۔ بھگوان شری شنکر آچاریہ اِس کی تعریف میں یوُں فرماتے ہیں:۔

सन्नाप्यसन्नाप्यु भात्मिका नो ।
भिन्नाप्यभिन्नापयु भयात्मका नो ।
सङ्गाप्यनङ्ग सुभायात्मिका नो ।
महाद्र भुतानिषत्तनीमरूपा ॥

معنی:۔ نہ ستا ہے نہ اَست ہے۔ اور نہ سَت اَست ہے۔ (برہم سے) نہ بھِن ہے نہ ابھِن ہے۔ نہ بھِن ابھِن ہے۔ (برہم سے) نہ مِلی ہُوئی ہے نہ جُدا ہے۔ مہان اَدبھُت انروچنی سرُوپ والی ہے۔

بس اِسی کے ہی سنیوگ سمبندھ سے نِرگُن برہم سگُن رُوپ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اُن کے ایسا ہونے میں اُن کی ذاتِ مُبارک میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہونے کی کیا ضرُورت ہے؟ مگر جواب اُن ہی آچاریوں کے دوارا مِلتا ہے۔ کہ ہاں ضرُورت ہے اور نہایت ضرُورت ہے۔ بغیر ضرورت کے کچھ نہیں۔

اگر تھوڑے سمے کے لیئے مان لیا جاوے کہ برہم نِرگُن ہی ہے، سگُن نہیں۔ جیسا کہ بعض فرقے تصدیق کرتے ہیں، تو یہاں مُشکل یہ پیش آتی ہے کہ جو چیز کوئی رنگ، رُوپ، چِنہہ، چکّر، صوُرت، شکل نہیں رکھتی

اور جسے کسی بھی داخلی اور خارجی حِس سے نہیں جان سکتے، اس کی اُپاسنا یعنی عبادت کس طرح ممکن ہو سکتی ہے؟ اور جس کی اُپاسنا محال ہو، اُس کے درشن کے ممکنات ہو ہی کہاں سکتے ہیں؟ محض اُس کے نرگن نرگنُ، نراکار، نراکار، کہنے سے تو کچھ حاصِل نہیں ہوتا۔ اور اِدھر حالت یہ ہے کہ چِت کو کوئی نہ کوئی اولمبن یعنی آسرا یہ جب تک نہ ملے، اِس کی ایکاگرتا یعنی یکسوئی نہایت دشوار ہے۔ اور جب تک چِت کی استھرتا ہی نہ ہو شانتی کہاں ہے؟ بھگوان کہتے ہیں अशान्तस्य कुत: सुखं (بھگوت گیتا)

چنانچہ اِس غرض کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے آریہ بدھوں نے کئی پرکار کے اُپائے رچے۔ جن میں خاص خاص یہ ہیں۔ مورتی پوجا۔ پرتیک اُپاسنا، اشٹانگ یوگ وغیرہ۔ یہ سب کے سب کسی نہ کسی سہارے یعنی اولمبن کو لے کر ہی چِت کی ایکاگرتا کے لئے پرورت ہوتے ہیں۔ اور یہ اچھی طرح تصدیق ہو چکا ہے کہ اُن کے ذریعہ ہی قلب کی صفائی اور یکسوئی حاصِل ہوتی ہے۔ نرگن یا نرویشیش برہم کبھی بھی دھیان کے گوچر نہیں ہو سکتا۔ اور اِدھر یہ بھی امر ثبوتی ہے کہ سگن یعنی ساوِشیش ارتھات ساکار سروپ کی اُپاسنا یعنی بھگتی بنا آرادھنا نہیں ہو سکتی۔ جس کے بغیر قلب صاف نہیں ہوتا۔ بس یہی ہے ضرورت اور اُدیش جس کی بنا پر سناتن گرنتھوں میں سگن برہم اور اُس کی اُپاسنا کا تذکرہ ہوا ہے۔ ہمیں یوں معلوم پڑتا ہے کہ رشیوں نے اِس قسم کے قاعدے اور نیم باندھ کر جنتا کے اوپر ایک مہان اُپکار کیا ہے۔

روحانی غزل

مصرعہ
نہ منزل ہے، نہ منزل کی خبر ہے
میرا ہر سانس مجبورِ سفر ہے

نتیجۂ فکر: منشی جے چند پریم جرنلسٹ کانپور

۱۔ میرا جذبۂ محبت پُر اثر ہے
مگر پھر بھی وہ مجھ سے بے خبر ہے

۲۔ میری منزل بہت ہے دُور لیکن
مگر پختہ مرا عزمِ سفر ہے

۳۔ وہ مدت سے مجھے بھولے ہوئے ہیں
کسی کی یاد۔ یہ دل سر بسر ہے

۴۔ بڑھے جاتا ہوں میں منزل کی جانب
خدایا تُو ہی میرا راہبر ہے

۵۔ کبھی تو دیکھ کعبے سے تُو آ کر
درِ میخانہ زاہد میرا گھر ہے

۶۔ یہ چشمِ خوں فشاں ہے اور میں ہوں
میرے آلام کی کس کو خبر ہے

۷۔ سُناؤ پریم تازہ شعر کوئی
تیرا ہی شعر گویا پُر اثر ہے

॥ اوم ॥

پربھو درشن

شری ۱۰۸ سوامی ستاشوت آنندجی مہاراج

۱۔ جویں بندہ پران بن نہیں ہلدا — جویں ریل نہ چلے بنا اگّ پانی
جویں بلب نہ چمکدے باجھ بجلی — سنسار چلے نہ باجھ اُس جان جانی
ڈھونڈھ بھال کے دیکھے نربھوت جودہ — ملیا کوئی نہ اوسدا ہور ثانی
تہاں اوس دی کتھن وچہ کویں آوے — جتھے پہنچ نہ سکے ایہہ من بانی

۲۔ پھر بھی بانی تے من دی شدّھی ہیتوُ — مہما گاونا اوہ بھگوان ہے دے
اوہی اگّ تے پانی زمین اندر — اوہی وایو آکاش دے پران ہے دے
جیون بجلیاں گڈّیاں انجناں دا — اوہی جیو جگت تے پرکرت دی جان ہے دے
پرانی ماتر دی زندگی ہے آپ اوہی — اوہی جیواں دے نین پران ہے دے

۳۔ اوہدی ستّا نوں پاکے آپ سورج — تارے سارے پیارے ایہہ چمکدے نے
ہیرے پنّے دی چمک وچہ چمک اُسدی — موتی، لال، جواہر پئے چمکدے نے
ویکھ اندریہ پران تے من بدّھی — نور ایس دے نال پئے ڈلکدے نے
اوہدی چیتنا پاکے سرب پرانی — بولن چالن تے ہل جل سکدے نے

۴۔ شمع بن کے آپ پیا اوہی چمکے — اوہ وچ نور پُر نور بھرپور ہویا
اوہی آپ بن کے شمع پروانہ — وچہ عشق صادق ہے مشہور ہویا

پردہ اوڑھ کے آپ اپنی شان والا اپنے آپ توں آپ ہی دُور ہویا
مُرشد بن اگیان نُوں دُور کردا آپے اوہلے تے آپ حضُور ہویا

۵۔ اوہی وِچ گلزار دے کھڑے آہا بن کے گُل گُلاب تے کیوڑا اے
اوہی آپ بنیا تکھا سول کنڈا نالے پتہ ٹھہنی مِٹھا میوڑا اے
بنیا آپ مسیت دے وِچ قبلہ وِچ مندر دے آپ ہی دیوڑا[1] اے مالک[1]
کِتھوں تیک گناواں میں رُوپ اُس دے آپے سوامی تے آپ ہی سیوڑا[2] اے خادم[2]

۶۔ اوہی پتھر دے وِچ کھٹورتا اے اوہ پھُلاں وِچ کوملتا لے بیٹھا
اوہی کھنڈ دے وِچ مٹھاس ہویا وِچ نمک دے کھار اوہ لے بیٹھا
اوہی وِچ آکاش دے پول ہویا وِچ اگنی پرکاش نُوں لے بیٹھا
اوہدے باجھ نہ دُوسرا ہور کوئی وِچ جیواں دے جیون نُوں لے بیٹھا

۷۔ اوہ وِچ عاشقاں دے زار زار روندا اوہی بن معشُوق پیا ہس دا اے
اوہی عشق تے پریم دا رُوپ بن کے دل پریمیاں دا پیا کھس دا اے
اوہی نام تے رُوپ دی پہن چادر پیا وِچ جہان دے وسدا اے
اصل وِچ جہان بنا کے تے رب آپنا پتہ پیا دسدا اے

۸۔ کِتے قہر بنیا تے کِتے مہر بنیا کِتے دوہاں توں وکھرا آپ بنیا
کِتے سینتراں گنگیاں وانگ کردا کِتے گلاں دے وِچ چالاک بنیا
کِتے پاگل تے جاہل دانا بنیا کِتے شُدھ تے کِتے ناپاک بنیا
کِتے لیکھنی لکھے تے مست ہووے کِتے قلم تے کِتے دوات بنیا

۹۔ کِتے ہو جگیا سو پھرے کھوج اندر — کِتے مُرشد دا رُوپ اُس دکھایا اے
کِتے جپ تپ سادھنا بن آیا — کِتے بھگتاں نوں درشن دے تاریا اے
کِدھرے پُن اوہ یگیہ تے دان اندر — کِدھرے پاپ دا رُوپ اُس دکھایا اے
کِدھرے ماں بیٹی کِدھرے پتی پتنی — پُتر پِتا دا سوانگ اُس دکھایا اے

۱۰۔ کِدھرے بن گنگا جمنا گیا، کاشی — کِدھرے آپ ہی بدری کیدار ہویا
کِدھرے وِچ شراب دے بنیا مستی — کِدھرے پی کے آپ خوار ہویا
کِدھرے سادھ بنیا، کِدھرے چور بنیا — کِدھرے آپ منصور تے دار ہویا
کِدھرے لیکھک دے رُوپ وِچ آپ بیٹھا — کِدھرے اِک کِدھرے بے شُمار ہویا

۱۱۔ اوہدا بھید جتاں دسو چھپیدا اے — جیکر چُپ کر دپیا گُڑھکدا اے
جیہڑا بول تے چُپ دا سدا ساکھشی — پرکاش آپنے نال پیا چمکدا اے
جدھے پاس وِویک ویراگ تے شُدھ بُدھی — آپا برہم سرُوپ اوہنوں سُجھدا اے
وِرلا گورمکھ کوئی اِس سنسار اندر — ہِن مار کے آپ نوں بُجھدا اے

۱۲۔ شرُتی ویدشاستر ایتھے چُپ ہو گئے — نیتی نیتی کہہ کے آخر رہ گئے نے
کوئی بھید آکھے کوئی ابھید آکھے — بھید ابھید وادی سارے بہہ گئے نے
نرک نیائے ویشیشک سانکھیہ آدی — درشن سارے پاتال وِچ لہہ گئے نے
ویدانت سدّھانت ویتا ستگورو دیکھو — چُپ رہ کے بھی سب کُجھ کہہ گئے نے

۱۳۔ اوہناں ست گوراں پرم پیاریاں دے — چُماں چرن تے متھے تے خاک لاواں
جنہاں آپنے رنگ وِچ رنگ لیتا — شاشوت رُوپ دا بخشیا آپ ناواں
رہندے آتم نور وِچ سدا مخمور ہے سن — وار وار میں پیا بلہار جاواں
سیتا آپنے نال ہے چِت میرا — گیت نِت گوِند دے پیا گاواں

۱۴۔ اوہدا سگن تے نرگن دا چھوڑ جھگڑا
اوہی ادم ہے چیتن سروپ ساکھشی
ست چت آنند سروپ پورن
ایسا جان کے ہر اک وچہ کرو درشن

لکشیہ آتما روپ اسنوں جان تو جی
بھوما تتو اوہی ایہہ پہچان تو جی
اہم برہم اسمی ایہی مان تو جی
پھل ایس دا پرم نروان تو جی

۱۵۔ ایہو وچہ ویداں نالے وچہ گیتا
اس نوں جان کے رہے نہ جاننا کچھ
لکھن پڑھن تے بولن دی جا کوئی نہ
جیہڑا جانن نہ جانن نوں آپ جانے

پران انجیل قرآن وچہ آیا ہے
ویداں وچہ فرمان ایہہ آیا ہے
نہ وچہ سُنن تے جانن وچہ آیا ہے
"تت توم اسی" ایہہ وید فرمایا ہے

۱۶۔ ایہو سنو تے سمجھو تے جان لیو و
قائم نت ہی نج سروپ اندر
شدھ سچدانند ہمیشں پورن
متی لکھے نہ۔ متی نوں آپ لکھدا

سُنن سمجھن تے جانن وچہ آوندا ناں
کدھرے آوندا تے کدھرے جاوندا نا
وچہ آکاش پاتال سماوندا ناں
شاشوت قلم ہن اگے چلاوندا ناں

رسالہ "ادم" کے معزز خریداران سے نویدن

ادم کے خریداران سے نویدن ہے کہ وہ اپنا خریداری نمبر اپنی پاکٹ بک میں نوٹ کریں یہ نمبر پتہ والی چٹ پر درج ہوتا ہے۔ خریداری نمبر کا حوالہ دینے سے خط وکتابت کرنے میں سہولیت رہتی ہے اور تعمیل کرنے میں دیر نہیں ہوتی۔

۲۔ ہر سال پتہ والی چٹ نئی چھپتی ہیں اور خریداری نمبر تبدیل ہوتا ہے۔ اُس کو غور سے پڑھیں اور اگر پتہ میں کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں فوراً تحریر فرماویں۔ تاکہ غلط پتہ کی وجہ سے آئندہ پرچہ ڈاک میں گم نہ ہو۔

۳۔ ہم ہر ماہ کی ۲۹ ریا ۳۰ رتاریخ کو پرچہ ڈسپیچ کرتے ہیں۔ تاہم اگر پرچہ وقت پر نہ ملے تو ۱۰ رتاریخ تک انتظار کرکے ہمیں اطلاع دیں۔ ہم دوبارہ پرچہ فری بھیج دیں گے۔

۴۔ پتہ تبدیلی کی اطلاع ۲۰ تاریخ سے پہلے دینے کی کرپا کریں۔

"مینیجر"

شری سوامی رام کرشن پرم ہنس

سرورِ بے خودی اور محویت کے اُمڈتے ہُوئے دریا کے مناظر!

سوامی رام کرشن جی پرم ہنس کا جنم صُوبہ بنگال کے ضلع ہُگلی میں بردوان کے قریب موضع کمارپور میں ہُوا۔ آپ کے پتا جی کا نام پنڈت خودی رام تھا۔ وہ نہ صرف ذات کے ہی براہمن تھے بلکہ سچے رام بھگت بھی تھے۔ کہتے ہیں ایک رات اُنھیں وِشنو بھگوان کے درشن ہُوئے جس میں اُنہیں بشارت ملی کہ فلاں تاریخ کو میں تمہارے گھر جنم لُوں گا۔ اِس بشارت کے عین مطابق ۲۰ فروری ۱۸۳۵ء کو آپ کا جنم ہُوا۔

پتا نے وِشنو بھگوان کے نام پر اُن کا نام گدا دھر (گدا دھارنے والا) رکھا۔ جسے پیار سے لوگ گدالا کہنے لگے۔ اُس لڑکے کے چہرے میں کچھ ایسی کشش تھی کہ جو کوئی اُسے دیکھتا، فرطِ محبت میں جھٹ گود میں اُٹھا کر گلے سے لگا لیتا۔ محلّے کی عورتیں تو عجیب طرح سے اُس پر مفتون تھیں۔ گھر کے کاروبار سے گھنٹہ دو گھنٹہ فرصت نکال کر ضرور اُسے دیکھنے آتیں۔ جب گدالا تھوڑا تھوڑا چلنے لگا تو وہ اُسے اپنے گھر لے جاتیں۔ جس عورت کو کبھی گھر کے کاروبار کی وجہ سے دیکھنے کی فرصت نہ ملتی، وہ دُوسروں سے کہتی کہ آج مجھے گدالا کے درشن نہیں ہُوئے۔ وہ راضی تو تھا۔

وقت آنے پر گدالا کو مکتب میں داخل کرایا گیا۔ لیکن وہ پڑھنے لکھنے کی طرف راغب نہ ہُوا۔ اِس پہلو میں ہر چند کوشش کی گئی۔ مگر بے سُود۔ اُسے رامائن، مہابھارت وغیرہ سُننے اور کرشن لیلا دیکھنے کا بڑا شوق تھا اور حافظہ بھی بلا کا تھا۔ جو بات ایکبار سُنی وہ پتھر کی لکیر ہو گئی۔ ٹھاکروں کی مُورتیاں بنانے میں تو اُسے قدرتاً ہی کمال تھا۔ اِس کے اِس کمال کی شہرت یہاں تک پہنچی کہ جب لوگ ٹھاکر جی کی مُورتی بناتے تو اُس کے متعلق گدالا کی رائے پُوچھتے۔ گدالا جو جو نقص نکالتا اُسے سب درست تسلیم کر لیتے۔

اِس کے علاوہ وہ اِتنا خوش الحان تھا کہ جب وہ کوئی کرشن لیلا کا بھجن میٹھی سُر سے گاتا اور بے خودی کے ڈھنگ میں تان لگاتا تو سُننے والے کا کلیجہ نکال لیتا اور لوگ بار بار اُس کی منّت کر کے اُس سے پھر سُنتے۔ کئی اُسے اپنے گھر لے جاتے اور بڑی خاطر داری سے اُس کے بھجن سُنتے۔ کبھی کبھی گدا دھر چند لڑکوں کو ہمراہ لے کر دُور کھیتوں میں چلا جاتا اور کسی کو رادھا، کسی کو سکھی، کبھی کو اودھو بناتا اور خود کرشن بن کر خُوب لیلا کرتا۔

جگن ناتھ پوری کو جانے والی سڑک کمارپور کے پاس سے ہی گزرتی تھی۔ اس لئے اس گاؤں میں اکثر زائرین یعنی سادھو اور جوگی وغیرہ ٹھہرا کرتے تھے۔ گدادھر ان سادھوؤں کے پاس جاتا اور جو کچھ ان سے سنتا، خوب یاد رکھتا۔ حتیٰ کہ بارہ برس کی عمر میں ہی گدادھر کے روحانی جذبات نے اچھی طرح نشو ونما پالی۔ ایک دن ایک امیر کے ہاں شرادھ کے موقعہ پر بڑے بڑے پنڈت جمع تھے۔ گدادھر بھی وہاں گیا۔ اتفاق سے پنڈتوں میں ایک مسئلہ پر بحث چھڑ گئی۔ اور دیر تک مباحثہ ہوتا رہا۔ مگر کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ پہلے تو گدادھر چپ چاپ سنتا رہا۔ مگر جب مباحثہ بڑے زور پر پہنچا تو گدادھر نے دو تین باتیں ایسی کہیں کہ سب کے سب پنڈت دنگ رہ کر خاموش ہو گئے۔

آپ کے بڑے بھائی رام کمار کی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح گدادھر کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو جائے۔ تو اپنا پنڈتائی کا کاروبار چلانے میں اُسے آسانی ہو۔ اس لئے وہ اُسے کلکتہ لے گیا۔ مگر وہاں بھی اُس کا دل پڑھنے کی طرف راغب نہ ہوا اور وہ اِدھر اُدھر کھیل تماشوں میں ہی رہا۔ جب ایک دن بھائی نے اس بارے میں زیادہ اصرار کیا تو جواب ملا کہ میں اس علم کو جو محض خیرات لینے کے لئے سیکھا جاتا ہے، پڑھنے کو تیار نہیں۔ مجھے تو وہ علم درکار ہے جو ستیہ گیان دے اور زندگی کو پُرسکون بنائے۔

۱۸۵۴ء میں کلکتہ کی مشہور رانی راس منی نے گنگا کے کنارے دکھنیشور کے مقام پر کالی دیوی کا ایک بڑا عالیشان مندر تعمیر کرایا۔ چونکہ رانی چھوٹی ذات کی تھی۔ اس لئے اُس نے یہ مندر اپنے گورو کے نام پر بنوایا۔ تاکہ مندر میں آنے جانے والوں کو مندر کا کھانا کھانے میں کسی قسم کا تامل نہ ہو۔ اس مندر کا پجاری گدادھر کا بڑا بھائی رام کمار مقرر ہوا۔ مورتی ستھاپن کی رسم بڑی دھوم دھام سے ادا ہوئی۔ ہزاروں آدمیوں کو مندر میں کھانا کھلایا گیا۔ مگر گدادھر نے مطلق کچھ نہ کھایا۔ رام کمار نے ہر چند سمجھایا۔ شاستروں کے پرمان پیش کئے مگر گدادھر نے ایک نہ سنی اور دو دن بھوکا رہنے کے بعد کچی رسوئی یعنی منظور کی۔ بھائی سے کچی رسوئی لے کر گنگا کے تٹ پر خود بنائی اور کھائی۔ لیکن یہ سماں کسی اور کام کے لئے مخصوص تھا۔ رات کا سماں، مقام کی دلفریب خوبصورتی، کالی دیوی کا نیا اور شاندار مندر، گنگا میّا کے پوتر درشن۔ ان سب باتوں نے اُس پر جادو کا اثر کیا۔ کایا پلٹ گئی۔ دل سے شک وشبہات دور ہو گئے۔ اور وہی ستھان جو اپوتر معلوم ہوتا تھا، اب پوترتا کا گھر معلوم ہونے لگا۔ اور گدادھر اب شوق سے اس مندر میں رہنے لگے۔

رانی راس منی کا داماد ماتھر بابو عموماً پوجا کے لئے اس مندر میں آیا کرتا تھا۔ اُس نے جب گدادھر کا روحانی ذوق دیکھا اور اُس سے گیت سنے تو وہ اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ اِدھر رام کمار بیمار ہو گیا۔ اس لئے ماتھر بابو نے رام کمار سے مشورہ کیا کہ گدادھر کو مندر کا پجاری مقرر کیا جائے۔ مگر جب یہ بات گدادھر سے کہی گئی تو اُس نے کہا کہ نوکری سے مجھے نفرت ہے۔ اس پر بھائی نے سمجھایا کہ یہ نوکری عام نوکری نہیں۔ تم پر کسی کی حکومت نہیں ہوگی بلکہ تم آزاد ہی رہو گے۔ اس نوکری میں ہرج نہیں۔ تم میری خاطر مان جاؤ اور میری

بے بسی اور افلاس پہ رحم کرو۔ تو گدا دھر نے پجاری بننا منظور کر لیا۔ اور اس کے بعد اس کا نام رام کرشن پڑ گیا۔

رام کرشن جو مندر کا پجاری کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں بنا تھا، جب پوجا کراتا تو اس ذوق و شوق سے گیت گاتا کہ سننے والے محوِ حیرت ہو جاتے اور انہیں ایسا پرتیت ہوتا کہ گویا خود کالی دیوی اُن میں زندہ موجود ہے اور راگ سن رہی ہے۔ یہ ذوق رفتہ رفتہ یہاں تک بڑھا کہ رام کرشن پوجا کراتے کراتے بے ہوش ہو جاتے اور گھنٹوں عالمِ وجد میں پڑے رہتے۔ کبھی کبھی آپ اس طرح زار زار روتے کہ منہ آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتا اور اس حالت میں بے اختیار اُن کے منہ سے نکلتا کہ ماتا! کرم کر! دیدار دے! مجھے نہ دھن چاہیئے نہ عزت۔ مجھے تو تیرے دیدار کی آرزو ہے۔ میری یہ آرزو پوری کر

اس اثنا میں اُن کا بڑا بھائی رام کمار گزر گیا۔ جس طرح راجکمار سا کی منی گوتم بدھ نے ایک بوڑھے، ایک بیمار اور ایک مردہ لاش کو دیکھا تھا اور اس کے دل میں ویراگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اسی طرح کمار کی موت نے بھی رام کرشن کے اندر اس ویراگ کو پوری طرح جگا دیا۔ اب وہ جگت ماتا (کالی دیوی) کی پوجا میں اور بھی وقت صرف کرنے لگے۔ اُن کے دل میں یہ سوال زور مارنے لگا کہ کیا سچ مچ ماتا کے درشن اور سچے آنند کی پراپتی ہو سکتی ہے؟ اسلئے اب وہ پوجا پر ہی بس نہیں کرتے تھے، بلکہ پوجا کر چکنے کے بعد گھنٹوں مورتی کے سامنے بیٹھ کر اس کے دھیان میں مگن رہتے یا "رام پرشاد" یا "کالی کانت" جیسے بھگتوں کے گیت گا گا کر بے سدھ ہو جاتے۔

بھگتی بھاؤ کی گاڑھتا نے اُن کی پوجا کو بھی نیا روپ دے دیا۔ وہ حسبِ معمول پوجا کرنے بیٹھتے تو ماتا کے سر پہ پہلے ایک پھول رکھتے اور دو دو گھنٹے محو رہتے۔ اس کے بعد ماتا کے آگے بھوجن رکھ کر گھنٹہ بھر تک یہی دھیان کیا کرتے کہ ماتا بھوجن کھا رہی ہے۔ اور آخر یہ بات سب لوگوں میں پھیل گئی کہ پوجا کرتے وقت رام کرشن جی اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتے ہیں۔

اُن کا اپنا بیان ہے کہ "میں ایک دن ماتا کے درشن پراپت نہ ہونے کا ناقابلِ برداشت درد محسوس کر رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے دل کو کوئی کپڑے کی طرح نچوڑ اور مروڑ رہا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید ماتا کا درشن مجھے جنم بھر نہ ہوگا۔ نراشا سے پاگل ہو کر میں نے یہی خیال کیا کہ اگر ایسی بات ہے تو میں اس زندگی کو لے کر کیا کروں؟ مجھے جینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مندر میں ایک بڑی تلوار پڑی تھی، میں نے اسے دیوانہ وار ہاتھ میں لیا اور اپنا کام تمام کرنے کو ہی تھا کہ بس اسی وقت مجھے ماتا کے درشن ہو گئے۔ مجھے کسی چیز کی سدھ ہی نہ رہی۔ درشن کے آنند میں ڈوبا ہوا اسی فرش پر گر پڑا۔ ایسی حالت میں دو دن گزر گئے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں گیان کا اننت اور چمکیلا سمندر دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد وہ کئی دن تک سرور کے وفور اور مستی میں اس طرح غرق رہے کہ وہ کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔

حتیٰ کہ معمولی پُوجا سے بھی رہ گئے۔

اب اُن کی پُوجا کی وِدھی بھی بدل گئی۔ شاستروں کی مریادا اُنوسار باقاعدہ پرستش کرنے کی بجائے اب وہ بیکس بچے کی مانند ماں کے آگے رویا کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھی یہ بھی کہتے تھے کہ ماتا اُن کے ساتھ ساتھ چلتی پھرتی ہے اور اُن کو کبھی کبھی کہتی ہے کہ "یہ کرو"۔ "یہ مت کرو"۔ اور کبھی کبھی ماتا سا کھشات سامنے موجود ہو کر بھوجن کھاتی تھی۔ کبھی کبھی وہ بھوجن بھینٹ کرتے وقت ماتا کے ساتھ کھانے کے لیئے اصرار کرنے لگتے اور اُس کے مُنہ میں زور سے ڈالتے ہُوئے کہتے — "ماں کھاؤ"۔ "خوب سیر ہو کر کھاؤ"۔ مگر دُوسری آن میں خود ہی کہتے — "کیا تم چاہتی ہو کہ میں بھی کھاؤں"۔ اِس کے بعد اُس میں سے تھوڑا سا کھا کر ماتا سے مخاطب ہوتے۔ "لو میں نے تو کھا لیا ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔ جتنا باقی ہے، سب کھا جاؤ"۔

یہ حالات کب تک چھُپ سکتے تھے۔ مندر کے نوکر اور کلرک روز یہ حالت دیکھتے تھے۔ آخر اُنہوں نے ڈر کے مارے مالکان مندر کی خدمت میں رپورٹ بھیج دی کہ رام کرشن پاگل ہو گیا ہے یا اُسے کوئی بھوت چمٹ گیا ہے۔ اِس لیئے اُسے ماتا کی پُوجا کرنے کی اجازت نہیں ملنی چاہیئے۔ ورنہ ماتا کی پُوجا نہیں، اُلٹی ہتک ہوتی رہے گی۔

اِس کے جواب میں ماتھر بابُو نے کہلا بھیجا کہ جب تک میں خود آ کر سارا حال نہ دیکھ لُوں، رام کرشن کو پُوجا کرنے دو۔

اِس کے چند دن بعد کسی کو اطلاع دیئے بغیر ایک دن ماتھر بابُو پُوجا کے وقت مندر میں آئے اور چُپ چاپ پُوجا دیکھنے لگے۔ رام کرشن جی اُس وقت پُوری توجہ سے پُوجا میں مصروف تھے۔ اُن کو ماتھر بابُو کے آنے کا پتہ نہ لگا۔

ماتھر بابُو نے آتے ہی محسوس کیا کہ پُوجا میں جو بات رام کرشن جی کے مُنہ سے نکلتی ہے، وہ اُن کے دِلی جذبات کا عکس ہے۔ اور اُن کے دِل میں ماتا کے پریم کا سمندر موجزن ہے۔ رام کرشن جی کے کسی وقت پریم سے آنسو نکل آتے اور کسی وقت اُن پر محویت کی حالت طاری ہو جاتی۔ اور وہ پتھر کی طرح چُپ چاپ، بے حس و حرکت ہو جاتے۔ اِس حالت کو دیکھ کر ماتھر بابُو کا چِت بہت پرسن ہُوا اور دُوسرے دن اُنہوں نے مندر کے منتظمین کے نام حکم بھیجا کہ آئندہ پُوجا میں کوئی شخص کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ جس شکل میں اور جس طرح رام کرشن جی پُوجا کرنا چاہیں، اُنھیں کرنے دیں —

اِمتحان کرنے والوں نے ایک دن رات کے وقت ایک بیسوا کو اُن کی کوٹھڑی میں بھیج دیا۔ پرم ہنس جی نے "ماں"، "ماں" کہہ کر اُس کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔

۱۸۶۶ء میں برہمو سماج کے لیڈر بابُو کیشب چندر سین جن کا شہرہ امریکہ اور یُورپ میں عام ہو رہا تھا، دکھنیشور سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بیلگھاریہ اپنے باغیچہ میں کچھ دن تنہا رہنے کے لیئے گئے۔ پرم ہنس جی اُن کی مُلاقات کے لیئے خود ہی اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ بابُو کیشب چندر سین ایسے سادہ وضع آدمی کی دانشمندانہ باتیں سُن کر

حیران رہ گئے۔ اور آپ کی عظمت کے قائل ہوکر ہر روز آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ دن بدن محبت بڑھتی گئی اور پرم ہنس جی نے عشقِ الٰہی کی آگ اُن کے ہردے میں بھی پرجلت کردی۔ اس پر بابو جی نے ایک مختصر سی کتاب پرم ہنس جی کے متعلق شائع کی۔ جس میں لکھا کہ "گو میں ویراگ اور گیان کو خوب سمجھتا تھا۔ مگر مجھ میں عشقِ الٰہی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پرمیشور کو ماں کہہ کر پوجنے کا کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ میں ہمیشہ خدا کو باپ ہی کے نام سے پکارتا تھا ماں کی محبت کے دروازے تک میری رسائی نہ تھی۔ مگر پرم ہنس جی کی مہربانی سے خدا کو ماں کے روپ میں دیکھ کر پریم بھگتی کے رس کو چکھا ہے۔"

اس سے پہلے خاص خاص کلکتہ میں پرم ہنس جی کو خاص خاص آدمی جانتے تھے۔ لیکن اس تحریر کے نکلنے پر کلکتہ کے بڑے بڑے ڈگری یافتہ عالم و فاضل جوق در جوق پرم ہنس جی کی خدمت میں آکر تعلیم پانے لگے۔ بڑے بڑے شریف گھرانوں کی عورتیں اُن کے درشنوں کو آئیں۔

پرم ہنس جی خدا اور انسان کا عجیب ملاپ تھے۔ ان میں الوہیت اور انسانیت عجیب طور سے پیوست تھی۔ انسانی حالت میں بڑے عاجز اور منکسر تھے اور اپنے آپ کو داسوں کا داس اور غلاموں کا غلام تصور کرتے تھے۔ لیکن جب وہ عالم الوہیت میں ہوتے تو اُن کی حالت بالکل بدل جاتی۔ اُس وقت کہتے کہ میں ہمہ دان ہوں۔ میں ہی رام ہوں۔ میں ہی کرشن ہوں۔ میں ہی بدھ ہوں۔ میں ہی مسیح ہوں۔

گو پرم ہنس جی اپنی روحانی طاقتوں کے اظہار سے پرہیز کرتے تھے۔ مگر خود بخود اُن کی روحانی طاقتیں لوگوں پر ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔ اور اس کا مشاہدہ بہت لوگوں نے کیا۔ وہ دوسرے کے دل کے خیالات پا جاتے تھے۔ اور آنے والے واقعات کے متعلق اُن کے منہ سے پیشین گوئیاں نکلتی تھیں۔

ایک دفعہ ایک بڑے شریف گھرانے کی مہیلا آپ کے درشنوں کو آئی۔ آپ نے مریدوں سے کہا کہ یہ عورت دیوی ہے یعنی اس میں دیویوں کے اوصاف موجود ہیں۔ ذرا خوشبو جلاؤ۔ مریدوں نے خوشبو جلائی اور پرم ہنس جی نے ماں کہہ کر اُس کے پاؤں پکڑے۔ اُسی وقت وہ مہیلا بے ہوش ہوگئی اور اُس پر وجد کا عالم طاری ہوگیا۔

پرم ہنس جی کی عادت تھی کہ راہِ حق بتانے میں کسی سے سنکوچ نہ کرتے۔ رفتہ رفتہ اس قدر خلقت کا ہجوم ہونے لگا کہ اُن کے حلق میں بولتے بولتے زخم ہوگیا مرید انھیں کلکتہ لے گئے اور بڑے لائق ڈاکٹروں سے اُن کا علاج کرایا۔ ڈاکٹر اِس بات کی تاکید کرتے تھے کہ آپ کچھ دنوں کے لئے بولنا بند کر دیں۔ مگر پرم ہنس جی کب سنتے تھے؟ جونہی کوئی حق کا پیاسا سامنے آتا، آپ بولنا شروع کر دیتے۔ لوگ بھی آپ کے ایک ایک لفظ پر جان دیتے تھے۔ زخم بجائے اچھا ہونے کے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ غذا بھی حلق سے اُترنی بند ہوگئی۔ آخر ۱۶ راگست ۱۸۸۶ء میں آپ ایسی سمادھی میں گئے کہ پھر واپس نہ آئے۔

آپ کے شاگرد رشید سوامی ویویکا نند جی نے لکھا ہے کہ جب میں نے پرم ہنس جی کی شہرت کو سُنا، تو

میں اُن کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک معمولی آدمی ہیں۔ کوئی ظاہرا خصوصیت اُن میں نہیں اور اُن کی زبان سیدھی سادی ہے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کیا یہ شخص ایک بڑا معتقم ہو سکتا ہے؟ میں اُن کے قریب گیا اور اُن سے ایک سوال پُوچھا، جو کہ میں قریباً ہر ایک بُزرگ، سے پُوچھا کرتا تھا۔ "صاحب! کیا آپ کو پرماتما کا پُختہ یقین ہے؟" آپ نے جواب دیا "ہاں"۔ میں نے پُوچھا "کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں؟" "ہاں!" اِس پر میں نے کہا کہ "کس طرح؟" آپ نے فرمایا "میں پرماتما کو ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے کہ تم کو دیکھ رہا ہوں بلکہ اِس سے بھی زیادہ"۔ میرے اُوپر اِس دلیرانہ قول کی بڑی تاثیر ہُوئی اور میں عقیدت سے اُن کے پاؤں پر گر پڑا۔ (ادم شم)

پربھو پریم

کوی کرشن چندر روی

جس نے پربھو کے پیار میں دِل کو لگا لیا
اندر ہی اُس نے جلوے کا دِیدار پا لیا
جوگی، جتی، مُنی ہے، وہ سنت اور مہاتما
جس کام، کرودھ، موہ کو اندر دبا لیا
کعبہ و کاشی جانے کی اُس کو غرض ہے کیا
اندر ہی جس نے پریم کا مندر بنا لیا
یم اور نیم سے کی ہے جس نے یوگ سادھنا
اُس نے چوراسی چکر سے خود کو بچا لیا
پیشِ نظر خُدا کے نظارے ہیں رُوبرُو
دُوئی کا پردہ دِل سے ہے جس نے ہٹا لیا
اُس پر روی خُدا کی ہونگی لاکھ رحمتیں
جس نے خُدا کا خود کو بندہ بنا لیا

رام سمرن

کوی کرشن چندر روی

لگن پریم سے دھیان دھرنا بھلا ہے
شری رام ہردم سُمرنا بھلا ہے
پڑھو روز گیتا، کرو رام چرچا
یہ شُبھ کام ہر روز کرنا بھلا ہے
کیا جس نے پیدا یہ سنسار سارا
بڑا جبر وہ اُس سے ڈرنا بھلا ہے
نکو بد کا ہے وہ کرم پھل کا داتا
جو دُکھ سکھ وہ دے ہم کو جرنا بھلا ہے
پربھو کی شرن میں جو پل بھر نہ بیٹھے
وہ مانو ہے پاپی کا مرنا بھلا ہے
روی چند روزہ ملی زندگانی
کرو نیکی سب سے یہ کرنا بھلا ہے

شانتی کا راستہ

شہنشاہ مارکس اریلیس اینٹونینس کے خیالات سے انتخاب

(مترجمہ کپتان سورج سنگھ جی)

ہم کو صرف یہی خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہر دن جو گزرتا ہے، زندگی کو کم کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی کہ گو زندگی لمبی بھی ہو تاہم یہ بھروسہ نہیں کہ وہ گیان اور دانش جو ہوش کے ساتھ تھا، شاید آخر وقت تک رہ جائے۔ کیونکہ یہی طاقت ہے جس سے انسان نیک کام سوچتا اور کرتا ہے۔ شاید ایسی بے ہوشی طاری ہو جاوے کہ سانس بھی چلتا رہے جسم کی پرورش بھی ہوتی رہے۔ درد وغیرہ کی پہچان بھی رہے۔ لیکن دل اور ہوش قابو سے نکل جاویں، جس سے اپنے فرائض کی پہچان اور غور و فکر کی طاقت نہ رہے۔

اِس لئے، اے دل! اپنے کام میں پورے جوش سے مشغول ہو۔ کیونکہ ہر دن صرف موت کے نزدیک ہی نہیں لاتا بلکہ یہ معلوم نہیں کہ ہوش اور عقل کب گم ہو جاوے۔

بقراط نے سینکڑوں کا علاج کیا۔ لیکن خود بیمار ہو کر موت کا شکار ہُوا۔ حکمائے شہر چل دیے۔ ہمیشہ لوگوں کی موت کا وقت بنایا کرتے تھے لیکن قسمت نے اُن کو بھی نہیں چھوڑا۔ سکندر، پامپئی، جولیس، قیصر، انہوں نے کئی شہروں کو برباد کیا۔ لاکھوں فوج سوار اور پیدل میدان جنگ میں تہ تیغ کیے۔ لیکن اُن کے واسطے بھی پیغام اجل آیا۔ حکیم ہراکلیٹس نے دُنیا کی روشنی کا سبب معلوم کرتے کرتے مرض جلندھر میں مبتلا ہو کر گوبر میں لتھڑ کر جان دی۔ ڈیماکریٹس کو کیڑوں نے مار ڈالا۔ اور سقراط کو زہر کھا کر مرنا پڑا۔ یہ کیا ہی عجیب تماشہ ہے۔ بس یہ ایسے ہے کہ ایک آدمی کشتی پر سوار ہو کر سفر کرتا ہے (زندگی گزارتا ہے) بندرگاہ پر پہنچ کر کشتی سے اتر جاتا ہے۔ اگر موت کے بعد پھر کوئی زندگی گزارنا ہے تو کیا فکر۔ جیسے مالک نے تجھ کو اِس جہان میں راہنمائی کے لیے عقل و دانش دی، وہاں بھی ملے گی۔ پس موت سے کیا ڈر، دیکھ جب مرنے کے بعد ہوش اُڑ جائیں گے تب خوشی اور رنج سے تجھ کو رہائی ہوگی۔ اور تجھ کو اِس خاکی جسم کی روزانہ تکالیفیں نہ ستائیں گی۔ کیونکہ رُوح ایسی کم قیمت چیز نہیں کہ خاک کی چوکیداری میں خرچ کی جاوے۔ کیونکہ رُوح ذرّہ پروردگار ہے اور جسم ناپاک۔

اپنی باقی زندگی کو دُوسرے شخصوں کے فعل تاکنے میں نہ خرچ کر، سوائے اِس کے کہ جب کوئی کام رفاہِ عام کے واسطے ہو۔ کیونکہ یہ خیال کر کے کہ فلاں شخص کیا کر رہا ہے یا کیا سوچتا ہے یا کیا تدبیریں کر رہا ہے؟

یا کیا کہتا ہے؟ تو اپنے دل کی پاسبانی سے غافل ہوتا ہے۔ بے فایدہ اور فحش خیالوں سے اپنے آپ کو بچا۔ خاصکر کینہ اور بغض کے خیالوں سے۔

یاد رکھ کہ صرف ایسے خیالات دل میں رہیں کہ اگر کوئی شخص پوچھ بیٹھے کہ بتلا اس وقت تیرے دل میں کیا ہے؟ تو فوراً بلا پس و پیش تو سچ سچ کہہ سکے اور ثابت کر سکے کہ تیرے دل میں صرف نیک اور رحمدلی کے خیال تھے۔ جیسے کہ نیکوں کو ہونے چاہئیں۔ ایسے پاک دل والا شخص جو صرف نیکی اور سچائی کا متلاشی ہے، بیشک سچا اُپدیشک اور ہادی ہے۔ اور ہر وقت اپنے ضمیر میں بستا ہے۔ اور اس اندرونی طاقت کو جو باطن بیں ہے، ہمیشہ کامیابی کی خوشی، تکلیف کے دکھ، کینہ، بغض، کمینہ پن، غرور اور سب عیبوں سے پاک رکھتا ہے۔ ایسا شخص دُنیا کی سب سے بڑی لڑائی کا لڑنے والا ہے جو اس کو نفس پر فتح دیتی ہے اور منصف مزاجی تو اس کے ضمیر میں سما گئی ہوتی ہے۔ جو آفت نازل ہو اس کو سچے دل سے قبول کرتا ہے۔ اور شاذ و نادر ہی وہ دوسروں کے افعال، گفتار یا خیالات کی طرف توجہ دیتا ہے۔ سوائے اس حالت کے کہ جب ایسا کرنے سے عام کا فایدہ ہو۔ روزانہ زندگی میں اس کو اپنی ہی حرکات کا خیال رہتا ہے۔ اور وہ بخوبی سمجھ جاتا ہے کہ کیسا زمانہ اس کو کاٹنا ہے۔ اس کے لئے ہمیشہ وہ اعلیٰ کام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قسمت ہمیشہ اچھی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ کام نیک ہوں۔ کیونکہ انسان کی قسمت اس کو زمانہ کی گردش کے ساتھ برابر گھما دیتی ہے۔ وہ کبھی نہیں بھولتا کہ تمام انسان اس کے بھائی ہیں۔ یا یہ کہ قدرت چاہتی ہے کہ تمام نوع انسان سے ہمدردی رکھے اور دُنیا کی رائے پر نہ چلے۔ لیکن اُن کی رائے پر جو قدرت کے قانون کے مطابق ہیں، وہ ہمیشہ غور کرتا ہے کہ جو شخص قانونِ قدرت کے موافق زندگی نہیں بسر کر سکتے، وہ کیسے چال چلن کے شخص ہیں گھر اور باہر اُن کا کیسا برتاؤ ہے۔ رات اور دن وہ کیسی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ وہ شخص ایسے اشخاص کی تعریف کا بھی خواستگار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو نہیں خوش کر سکتا، وہ اور سے کیا خوش ہوگا؟

ہر ایک کام جو تو کرتا ہے، صدق دلی سے کر۔ بے لگاؤ ٹھیک اور مناسب ہو۔ اور تیرے اور دوسرے لوگوں کے خیال میں قابل اعتراض نہ ہو اور کسی کام کے انجام میں شہرت نہ مانگ اور نہ فخر دکھلا۔ ضرورت سے زیادہ نہ کلام کرنا چاہیئے نہ کام۔ اس آتما کا، جو اندر ہے، اپنے اُوپر اختیار دے دے کہ تو ایک زندہ آدمی عمر گذشتہ روشن بادشاہ ہے۔ تو کوچ کرنے والی فوج کے ہراول میں ہے۔ تو اس طرح ہے جیسے کوئی شخص زندگی کو پورا کر چکا ہے۔ اور واپسی کے حکم کا بلا گواہی و شہادت منتظر ہے۔

جمال و کمال کو حاصل کرنے کی یہی چابی ہے۔ جو بغیر دوسروں کی مدد اور امن سے ملتی ہے۔ خود راست رہ اور دوسروں کے بنائے سے نہ بن۔

کیا انسان کی زندگی کا مقصد انصاف، سچائی، دانائی اور بہادری کے علاوہ کچھ اور ہے؟ اگر تجھ کو اس سے

بھی زیادہ عالی مقصد دکھائی دے تو اپنے سچے دل سے کہہ کہ مجھے اس کے پالنے سے فائدہ ہوا۔

اور اگر آتما سے بڑھ کر جو باطن میں رونق افروز ہے، تمام حواسوں پر قابو رکھتا ہے، تمام خیالات پر غور کرتا ہے اور جو بقول سقراط حواس سے عالی اور آزاد ہے اور جس کی رہنمائی پروردگارِ عالم کی طرف ہوتی ہے جس کو قوم انسان سے خاص اُنس ہے اور باقی سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ تو ہوشیار ہو۔ کسی اور خیال کو نزدیک نہ پھٹکنے دے۔ کیونکہ تجھے اپنی ذاتی برکتوں میں ترقی نہ کرنے دیں گے۔

کوئی بیرونی خواہش جیسے شہرۂ خلق، حکومت، دولت یا خوش نصیبی اس درجۂ عظیم کو نہیں پہنچتی۔ یہ دھوکا دینے والی بلائیں چند روز کو مسرت بخش ہوتی ہیں۔ لیکن پھر ایکدم دل پر قابو پاکر انسان کو اپنی حالت امن سے نیچے گرا دیتی ہیں۔ ان باتوں کا خیال کرکے میں حوصلہ اور جرأت سے صاف صاف پکارتا ہوں کہ بس سب سے اعلیٰ شے کو ڈھونڈو اور اسی میں پیوست ہو جاؤ۔ سب سے اعلیٰ وہ چیز ہے جس میں تمہارا سچا منافع ہو۔ لیکن سوچ لینا کہ منافع دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو تم کو حالتِ فہم میں معلوم ہوگا۔ دوسرا صرف ضروریات جاندار ان سے ہوگا۔ پس ہوشیاری سے سوچ بچار کر منافع کی پیروی کرنا۔

کسی ایسی حالت کو فائدہ مندمت سمجھو جس میں تم کو اپنا ایمان توڑنا پڑے۔ اپنی آتما سے چوری کرنی پڑے۔ جس میں پردہ درکار ہو۔ وہ شخص جو اپنی آتما سے یا نورِ خدا سے سچا ہے اور اس شہنشاہِ باطن کی ہدایت کے موافق کام کرتا ہے۔ اور کوئی کام نمائش کے واسطے نہیں کرتا۔ کسی نقصان پر افسوس کے سانس نہیں لیتا، اس کو نہ جنگل درکار ہے نہ مجمع۔

سب سے اچھی گزر اس کی ہے جس کی نہ خواہش ہے نہ ترک۔ اس کو اس بات کی ذرا پرواہ نہیں کہ روح اس جامہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرے یا کم۔ جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ علیٰحدگی کا وقت آگیا، وہ چلنے کے لئے بالکل تیار ہوتا ہے۔ گویا اس کو ایک کام سے علیحدہ ہوکر دوسرے کام میں مشغول ہونا ہے۔ اور جب تک زندگی ہے اس کا ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ وہ ایک انسان ہے اور دوسروں کی بھلائی کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ یہ خیال اس کے دل سے آخر وقت تک دور نہیں ہوتا۔

جو دل تمام آلودگی سے پاکیزہ ہوگیا ہو، اس میں خوشی، تکلیف، کینہ یا بدی کو دخل نہیں۔

قسمت کبھی کسی انسان کو بغیر انجام ہونے اس کے کام کے کہیں نہیں بھیجتی۔ جیسے کوئی ایکٹر (تماشہ کرنے والا) چبوترے سے نہیں جاتا جب تک وہ اپنا کام ختم نہ کرلے۔ صاف باطن والا شخص پس و پیش اور ہچکچاہٹ نہیں جانتا۔ وہ نہ کسی پر بھروسہ کرتا ہے نہ کسی سے نفرت۔ وہ نہ کسی محاسب سے ڈرتا ہے نہ دل سے کوئی کام کرتا ہے جو پوشیدگی چاہے۔

دھیان یوگ

از۔ یوگیراج سری سوامی شوانند جی سرسوتی

اگر کبھی ہمارے مکان کو آگ لگ جاتی ہے تو ہم مکان کے اندر سوتے ہوئے بچے کو نکالنے کے لئے کتنی جرأت کے ساتھ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی جرأت ہمیں روحانی راستہ پر چلنے میں اختیار کرنی چاہیئے۔ خوف کو پاس تک پھٹکنے نہیں دینا چاہیئے۔ اپنے شریر کو بالکل بھول جاویں۔ تبھی بہت جلدی ہم اپنے تئیں پہچان سکتے ہیں۔ بزدل اور ڈرپوک اشخاص روحانی راستہ کے بالکل ناقابل ہیں۔

اگر کسی بڑے درخت کی چوٹی پر ہمیں آم نظر آئیں۔ تو ہم انہیں توڑنے کے لئے یکدم ہی چھلانگ نہیں لگاتے۔ ایسا ناممکن ہے۔ ہم آہستہ آہستہ مختلف شاخوں اور ٹہنیوں کو پکڑ کر چڑھتے ہیں اور پھر درخت کی چوٹی پر پہنچتے ہیں۔ اسی طرح روحانی سیڑھی کی چوٹی پر بھی یکدم ہی نہیں پہنچا جا سکتا۔ سیڑھی کے ہر ایک ڈنڈے پر بڑی احتیاط سے پاؤں رکھنا ہوتا ہے۔ یم، نیم، آسن، پرانایام، پرتیاہار، دھارنا اور دھیان ان ڈنڈوں پر یکے بعد دیگرے چڑھ کر پھر سیڑھی کے سب سے آخری ڈنڈے سمادھی پر پہنچ سکتے ہیں۔ ویدانت کے طالب علم شرون، منن اور ندھی دھیاسن کے بعد ہی برہم ساکھشاتکار کر سکتے ہیں۔ بھگتی یوگ پر چلنے والے نو قسم کی بھگتی یعنی شرون، کیرتن، سمرن، پدسیون، ارچن، وندن، داسیہ، ساکھیہ اور آتم نویدن پر عمل کر کے پرا بھگتی کی حالت حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر مرغے مرغیاں اور چوزے گندگی کھانے کے لئے ادھر ادھر بھاگتے ہیں، تو اُن کا مالک کیا کرتا ہے۔ وہ ان کے سروں پر آہستہ سے تھپکی دیتا ہے۔ اور ان کے آگے کھانے کے لئے دانہ ڈالتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ گندگی کھانے کی بُری عادت چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح من بھی گندی چیزیں کھانے اور وشیوں کے بھوگ کے لئے ادھر ادھر دوڑتا ہے۔ اس کے سر پر تھپکی دو اور آہستہ آہستہ اُسے بھی جپ اور دھیان کے عمل سے روحانی آنند کی چاشنی چکھاؤ۔

کوئلہ میں آگ لگنے کے لئے کچھ دیر درکار ہے مگر بارود میں آنکھ جھپکتے ہی آگ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک ایسے آدمی کو جس کا من اشدھ ہے۔ گیان کی اگنی روشن کرنے کے لئے بہت عرصہ لگتا ہے۔ لیکن وہ جگیاسو جس کا من شدھ ہے ایک لمحہ بھر میں ہی آتم گیان حاصل کر لیتا ہے۔ اس کو اتنی ہی دیر لگتی ہے جتنی انگلیوں سے ایک پھول کو نچوڑنے میں۔

مایا ایک بہت بڑا آرا ہے۔ کام، کرودھ، لوبھ، موہ، اہنکار، حسد، نفرت وغیرہ اس آرے کے دانت ہیں۔ تمام دنیاوی آدمی اس آرے کے دانتوں میں پھنس جاتے ہیں اور کچلے جاتے ہیں۔ جن لوگوں میں عاجزی، پریم، بھگتی اور شدھتا ہے۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وہ ایشور کی کرپا سے بچ جاتے ہیں۔ وہ آرے کے نیچے سے گذر جاتے ہیں۔ اور امرتا

کے دُوسرے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔

دھیان کرنے کے لئے سردی کا موسم بہت موافق ہے۔ کئی کئی گھنٹے لگاتار دھیان کر کے بھی آدمی تکان محسُوس نہیں کرتا۔ لیکن صُبح کے وقت سُستی غلبہ پانے کی بہت کوشش کرتی ہے۔ اگر ایک یا دو گرم کمبلوں سے جسم کو ڈھک لیا جاوے تو ذرا سُکھ محسُوس ہوتا ہے، اور اگر الارم بھی لگا دیا جاوے اور وہ لگاتار بجتا رہے تو بھی اُٹھنے کو دِل نہیں کرتا۔ خیال آتا ہے، پندرہ منٹ اور سولیں، پھر دھیان شروع کریں گے۔ پھر ذرا پاؤں پر کمبل اچھی طرح اوڑھ لیا اور زیادہ سُکھ محسُوس ہُوا۔ اِس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ خُوب خرّاٹے لینے لگتے ہیں، اور سُورج نِکلنے کے بعد ہی بستر سے نِکلتے ہیں۔ دِن، ہفتہ اور مہینہ اِسی طرح گزر جاتے ہیں۔ ہر موسم سرما بھی اِسی طرح گُزر جائے گا۔ ایسا اُس وقت کہ جو دھیان کے لئے نہایت موافق ہے۔ تُمہارا مَن تُمہیں دھوکا دیتا ہے۔ اور نتیجہ غلبہ پا لیتی ہے۔ مَن ایک بڑا جادُوگر ہے۔ اِسے بہت سے داؤ پیچ آتے ہیں۔ مایا مَن کے ذریعہ کام کرتی ہے۔ یہ مایا بہت گہری ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ تُم مایا اور مَن پر قابُو پا سکتے ہو۔ الارم کی آواز سُنتے ہی کمبل کو اُتار کر پھینک دو۔ بجر آسن پر بیٹھو۔ بس پرانا یام کرو۔ غنُودگی اُڑ جائے گی۔

اے دوستو! جاگو، بہت سو چکے، دھیان کرو، اب برہم مُہورت ہے، اپنے دِل کے اندر پربھُو کے مندر کا دروازہ پریم کی کُنجی سے کھولو، آتما کا راگ سُنو۔ پریم کا گیت اپنے پریتم کے سامنے گاؤ۔ انادی پربھُو کی تان الاپو، اپنے مَن کو اس کے دھیان میں پگھلا دو، اُس کے اندر جذب ہو جاؤ، اپنے تئیں پریم اور آنند کے ساگر میں ڈُبا دو۔

جِس طرح تُم فوراً ہی ایک کنکر کو اپنے جُوتے سے نِکالتے ہو، اُسی طرح تمہیں اپنے مَن سے تکلیف دینے والے خیالات کو نِکالنا ہوگا۔ تب ہی خیالات پر قابُو پانے کے لئے کافی طاقت حاصل ہو سکتی ہے۔ تب ہی رُوحانی راستہ میں سچّی ترقی ہو سکتی ہے۔

ایک جگیاسُو کہتا ہے۔ "میں ایک آسن پر بیٹھ کر تین گھنٹہ تک دھیان جمانے کے قابِل ہو گیا ہُوں۔ آخر میں میں بیہوش ہو جاتا ہُوں۔ لیکن میں زمین پر نہیں گرتا۔" اگر ٹھیک دھیان کی حالت ہو، تو کبھی بے ہوش نہیں ہو سکتے۔ تمہیں پُوری ہوشیار رہے گی۔ بے ہوشی کی حالت ایک ایسی مَن کی حالت ہے۔ جس کی خواہش کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسی حالت کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فرض کرو کہ مَن دھیان کے وقت ایک گھنٹہ میں چالیس دفعہ باہر دوڑتا ہے۔ اگر تُم اسے گھٹا کر ۳ دفعہ پر لا سکتے ہو، تو یہ بڑی ترقی ہے تم نے مَن پر کچھ فتح حاصل کر لی ہے۔ مَن کی آوارہ گردی کو روکنے کے لئے زبردست مشق کی ضرورت ہے۔ وکشیپ شکتی بہت زبردست ہے لیکن ستو وکشیپ شکتی سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ اپنے اندر ستو کو بڑھاؤ۔ پھر مَن کا اُچھلنا کُودنا بند ہو جاوے گا جب گہرا دھیان جمتا ہے۔ تو بہت خوشی اور رُوحانی مستی حاصل ہوتی ہے۔ تم اپنے جسم اور گِرد و نواح کو بھُول جاتے ہو۔ تمام پران سر میں پہنچ جاتے ہیں۔

اگر ایک کمرے میں دھیان جمانا مُشکل ہو، تو باہر آؤ اور کھُلی جگہ یا دریا کے کنارے یا کسی باغ کے تنہا گوشے

میں بیٹھو، وہاں دھیان جم جائے گا۔ جب تم اپنے بستر پہ لیٹے ہُوئے ہو، تو بعض اوقات ایک بڑی روشنی تمہاری پیشانی میں سے گزرتی ہُوئی محسوس ہو گی۔ جونہی کہ تم اُس روشنی کو بیٹھ کر دھیان لگا کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہو، وہ غائب ہو جاتی ہے۔ تم تو پُوچھو گے "کیا سبب ہے کہ جب میں کوشش کر کے روشنی کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہُوں تو نظر نہیں آتی۔ لیکن جب میں لیٹا ہُوا کوئی کوشش نہیں کرتا، تو یہ خود ہی آ جاتی ہے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تم دھیان کے لئے بیٹھتے ہو، تو دُنیاوی خیالات نے من میں داخل ہو کر تمہارے دھیان میں خلل ڈال دیا۔

شروع میں بھگوان کرشن کی پُوری تصویر پر من جمانا تمہارے لئے بہت مُشکل ہے۔ کیونکہ مَن کی تمام کرنیں اکٹھی نہیں ہُوئیں۔ بعض دفعہ تم صرف چرنوں کا دھیان کر سکتے ہو، بعض دفعہ چہرے کا۔ اور بعض دفعہ صرف آنکھوں کا شریر کے اُس حصّہ پر من کو جماؤ۔ جس کو من سب سے زیادہ پسند کرتا ہو۔

من کو نئے الفاظ یا شہروں اور لوگوں کے نئے ناموں سے اُلفت ہوتی ہے۔ پُرانے ناموں اور شبدوں میں اُس کے لئے کشش کم ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ بچپن کے زمانہ میں یاد کئے بھجن من کو اچھے لگتے ہیں اور سنسکرت کے شلوک اور نظمیں من خوش ہو کر گاتا ہے۔ اس لئے من کو ہوشیاری سے دیکھتے رہنا چاہیئے۔ اور جس طرح بھی ہو سکے، اس کو مرکز میں لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

جب تم آنکھیں کھُلی رکھ کر دھیان کرتے ہو۔ تو تم اپنے سامنے ایک دوست کو دیکھتے ہو، اور اُس کی آواز سُنتے ہو۔ لیکن تم آدمی کو اور مَن کی آواز کو پہچان نہیں سکتے۔ کیونکہ مَن کی توجہ آنکھوں اور کانوں میں نہیں ہے۔ اگر مَن وشیوں سے بالکل کھینچ لیا گیا ہے، اگر تمام خیالات کچل دیئے گئے ہیں، تمام پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزیں وناش ہو گئی ہیں۔ تو تم دُنیا کو کیسے دیکھ سکتے ہو، تمہارا من ہی نیست ہو جاوے گا۔ تم آتما کو ہی ہر جگہ دیکھو گے۔ تمام نام اور شکلیں غائب ہو جاویں گی۔

مَن کو فوراً ہی، ایک لکش پر قائم کرنا بہت مُشکل ہے۔ مَن کی رفتار غضب ناک ہے۔ جس طرح سرکس میں گھوڑا ایک دائرے میں ہی بار بار دوڑتا ہے۔ اُسی طرح من بھی دائرہ میں بار بار دوڑتا ہے۔ اس دائرہ کو گھٹاتے جاؤ۔ آخر کار دائرہ گھٹتے گھٹتے نقطہ بن جائے گا۔ بہت ہوشیاری سے اِسے پکڑنا ہو گا۔ زبردستی سے کام نہیں چلے گا۔ یہ کام خراب کر دے گا۔

بعض اوقات تم مایُوس ہو جاؤ گے اور محسُوس کرو گے "مجھ میں بہت کمزوریاں اور نُقص ہیں۔ مَیں اُن کو کیسے نکال سکتا ہُوں۔ مَیں اپنے زبردست اور طوفانی من کو کیسے قابُو میں کر سکتا ہُوں۔ کیا مجھے اِسی جنم میں موکش اور نروکلپ سمادھی حاصل ہو گی۔ مجھے آٹھ سال دھیان کی مشق کرتے ہو گئے لیکن ابھی تک مَیں نے کچھ حاصل نہیں کیا"۔

حوصلہ نہ ہارو اگر تم نے ایک یا دو اِندریوں کو مطیع کر لیا ہے، اگر کچھ خیالات تمہارے زیرِ اثر ہو گئے ہیں، تو آدھی جنگ جیتی گئی۔ ایک وچار کی فتح یا ایک خواہش کا ناش تمہیں بہت مانسک شکتی دے گا۔ ہر وچار اور ہر خواہش جو ناش کی جاتی ہے۔ ہر اندری جو مطیع کی جاتی ہے ہر نقص اور کمزوری جو دُور کی جاتی ہے۔ تمہارے من

کی طاقت میں اضافہ کرے گی، تمہاری قوت ارادی بڑھائے گی، اور تمہیں منزل مقصود کے نزدیک پہنچائے گی۔ دوستو پھر مایوسی اور افسوس کیوں۔ ادھیاتمک میدان جنگ میں بہادری سے لڑو۔ روحانی سپاہی بنو فتح و نصرت لیکر آؤ۔ اور ایشوری گیان، شانتی اور پرم آنند کے پھول پہنو۔

بعض دفعہ من بری طرح سست ہوجاتا ہے۔ تم دھیان جما ہی نہیں سکتے۔ اڑیل گھوڑے کی طرح من بھی اڑجاتا ہے۔ کام کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہی من جو کہ دھیان کے آغاز میں بہت پر زور تھا۔ آخر میں بہت سست ہوجاتا ہے۔ جس طرح ایک گھوڑا جو سفر کے شروع میں بہت تیز دوڑتا تھا۔ آخر میں تھک کر آہستہ ہوجاتا ہے۔ جس طرح کوچوان گھوڑے کو گھاس اور پانی سے تازہ کر لیتا ہے۔ اسی طرح تم بھی بلند اور پرجوش خیالات سے من کو تازہ کرو، اگر پھر بھی بے چین رہے، تو پندرہ منٹ تک شو آسن میں مردہ کی طرح لیٹ جاؤ، اور شریر اور من کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دو۔ خوبصورت پھولوں، ہمالیہ کے نظاروں، آسمان، سمندر یا کشمیر یا ہمالیہ کے خوبصورت چشموں وغیرہ کا خیال کرو۔ پھر تم دوبارہ دھیان کے لئے بیٹھ سکو گے

جب تم گہری سمادھی میں پرویش کروگے، تو تمہیں اپنے شریر کا کوئی خیال نہیں رہے گا، تمہیں کوئی آواز سنائی نہیں دیگی۔ خودی بھی آہستہ آہستہ ناش ہوجاوے گی۔ تمہیں ناقابل بیان آنند انوبھو ہوگا۔ آہستہ آہستہ خیال اور وچار اور بدھی بھی اس وقت بند ہوجاوے گی۔ گہری سمادھی کے وقت نبض کی حرکت ... تک آجاتی ہے۔ سانس تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ نتھنوں سے سانس باہر نہیں آتا ہٹھ یوگیوں کی جڑ سمادھی میں دل کی حرکت بھی بالکل بند ہو جاتی ہے چیتنیہ سمادھی میں پھیپھڑے اور دل بہت ہی آہستہ کام کرتے ہیں۔

جو جگیاسو سمادھی اوستھا میں آگے بڑھ گئے ہوں۔ انہیں ہر قسم کا کام اور دھارمک کتابوں کا مطالعہ بھی بالکل بند کردینا چاہیئے۔ اور اگر وہ سمادھی میں جلدی پرویش کرنا چاہیں۔ انہیں گنگا، جمنا، نربدا یا کسی اور دریا کے کنارے ایکانت میں رہنا چاہیئے۔ اور مون دھارن کرنا چاہیئے۔ وہ صرف دودھ یا پھلوں پر گذارہ کریں۔ صرف دو یا تین گھنٹہ سوئیں۔ سردیوں کے شروع میں نومبر میں عمل شروع کریں۔ دھیان میں بہت آرام ملتا ہے۔ ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ دھیان سے جو آرام ہوتا ہے۔ وہ نیند سے بھی کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

ہمالیہ کی گپھا میں بیٹھا ہوا یوگی یا میدانوں میں دھیان کرنے والا جگیاسو سمجھنے لگتا ہے، کہ اس نے روحانیت میں بہت ترقی کرلی ہے۔ وہ اپنے بھائی کو جو ابھی اس راستہ میں کشمکش اور جدوجہد کر رہا ہے اور نشکام سیوا اور دھیان سے منزل تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ وہ یوگی، ویراگیہ اور تتکشا میں بہت بڑھ گیا ہو۔ اسے وید شاستر زبانی یاد ہوں۔ وہ سردی برداشت کرسکتا ہو، دال روٹی پر ہی گذارہ کرسکتا ہو۔ وہ گھنٹوں ایک آسن پر بیٹھنے کے قابل ہوگیا ہو۔ لیکن ضروری نہیں، کہ اس میں دیا، وشو پریم، دریا دلی اور حوصلہ وغیرہ بھی پوری طرح ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ گرمی برداشت نہ کرسکتا ہو۔ اسے دکشیپ کی شکایت ہو۔ میدان میں اتر کر وہ اپنے من کا توازن ٹھیک نہ رکھ سکتا ہو۔ حالانکہ دوسرا جگیاسو اپنے اندر اپنی خاص خوبیاں یکسوئی قلب رکھتا ہو۔ اور

ہمالیہ کے یوگی سے بہت باتوں میں بڑھا ہوا ہو۔ ہر شخص کو ہر بات میں پُورنتا ہونی بہت مشکل ہے لیکن یہ پورنتا ہونے سے ہی آدمی رشی بن سکتا ہے۔

ایک دُنیاوی آدمی کو اپنی دولت اور جائیداد کا ابھیمان ہے۔ اُسے اپنی بیوی اور بچوں میں موہ ہے۔ لیکن سنیاسی یا یوگی کو اپنی رُوحانیت اور اخلاق پر ابھیمان ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں گرہستی سے برتر ہُوں۔ میں بڑا یوگی ہوں۔ میں بارہ گھنٹہ دھیان جما سکتا ہُوں۔ میرے اندر بہت پاکیزگی، ریاضت اور تیاگ ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

ایک سنیاسی کا ابھیمان ایک دُنیاوی آدمی کے ابھیمان سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور اس کا نکالنا بہت مشکل ہے۔

بعض دفعہ من بُری طرح بغاوت کرتا ہے۔ تم محسوس کرتے لگو گے "تپ اور دھیان سے میں نے کچھ حاصل نہیں کیا۔ یہ برہمچریہ یونہی ہے۔ میں اسے توڑ دُوں گا۔ خوراک کی پابندی بھی فضُول ہے۔ کیوں نہ میں دل بھر کر کھاؤں۔ اور مزے لُوں"۔ دیکھنا کہیں ایسا نہ کر بیٹھنا۔ اپنے من کو پچکارو، جاپ اور کیرتن کرو۔ بھرتری ہری کا ویراگ شتک پڑھو۔ سنسار کی دُکھ اور نفسانی زندگی کی تکلیفیں یاد کرو۔ مہاتماؤں کے جیون اور اُن کے اُپدیش پڑھو۔ چٹان کی طرح ڈٹ جاؤ، ہوشیار رہو، خبردار رہو، اور پرارتھنا کرو۔ باغی من آہستہ آہستہ شانت ہو جاوے گا۔

بھگوان کیا کرے؟

از۔ پنڈت خوشدل ایڈیٹر "دیش سیوک" دہرہ دُون

قابو میں اپنا من نہ ہو تو دھیان کیا کرے
کہتے ہیں لوگ دھرم اور ایمان کچھ نہیں
پہچانتے ہیں حق کو سدا حق شناس ہی
پینے ہی کو سمجھتا ہو جو مقصدِ حیات
دیدار اپنے بھگتوں کو دیتا ہے ایشور
احساسِ کمتری سے جو جھک جائے خودبخود
جس گھر کے والدین ہوں عیاش خود پرست
ہوں رہنما جو قوم کے کوسوں عمل سے دُور
سب نیتا بھُول بیٹھے ہوں جب اپنے فرض کو

ہوش و حواس گم ہوں تو وگیان کیا کرے
اعمال ہوں خراب تو ایمان کیا کرے
آنکھیں ہوں جس کی بند وہ پہچان کیا کرے
وہ رُوح کے سکون کا سامان کیا کرے
بندہ نہ کرے دھیان تو بھگوان کیا کرے
اُس بے وقوف کا کوئی سنمان کیا کرے
اُس گھر کی بہتری بھلا سنتان کیا کرے
تو قوم دیش کے لئے بلیدان کیا کرے
خوشدل اکیلا دیش کا کلیان کیا کرے

بُلّھا کی جاناں میں کون؟

ناں میں مومن وچ مسیتاں   ناں میں وچ کفر دیاں ریتاں
ناں میں پاکاں وچ پلیتاں   ناں میں موسے نہ فرعون
بُلّھا کی جاناں میں کون

ناں میں اندر وید کتاباں   ناں وچ بھنگاں ناں شراباں
ناں وچ رنداں مست خراباں   ناں وچ جاگن نہ وچ سون!
بُلّھا کی جاناں میں کون

ناں وچ شادی نہ غمناکی   ناں میں وچ پلیتی پاکی!
ناں میں آبی نہ میں خاکی   ناں میں آتش نہ میں پون
بُلّھا کی جاناں میں کون

ناں میں عربی ناں لاہوری   ناں میں ہندی شہر نگوری
ناں میں ہندو ترک پشوری   ناں میں رہندا وچ ندون
بُلّھا کی جاناں میں کون

ناں میں بھید مذہب دا پایا!   ناں میں آدم حوا جایا!
ناں میں اپنا نام دھرایا!   ناں وچ بیٹھن ناں وچ بھون
بُلّھا کی جاناں میں کون

اوّل آخر آپ نوں جاناں   اکوئی دوجا ہور پچھاناں!
میتھوں ہور نہ کوئی سیاناں   بُلّھا شوہ کھڑا ہے کون!
بُلّھا کی جاناں میں کون

"ہریا"

از قلم۔ شری رام بخش جی تلونی

رام نومی کا دن ہریا کہار کے لئے مصروف ترین دن ثابت ہوا کرتا تھا۔ علی الصبح اُٹھ کر ہری کیرتن کی تیاریوں میں مشغول ہو جاتا۔ بھگتوں کے بیٹھنے کے لئے دریاں اکٹھی کرتا، کسی سے ہارمونیم مانگتا، کسی سے ڈھولک، طبلہ اور کھرتالیں۔ بھگوان کے بھوگ کے لئے خود گائے کے دودھ کا کھویا تیار کرتا۔

ہریا کے اولاد نہیں تھی، بیوی بڑی نیک تھی، اور اپنے پتی کی طرح اُسے بھی بھجن بھگتی کا شوق تھا۔ رام نومی کے دن ہریا اپنی بہن کرمی کو اس کی سسرال سے بلا بھیجتا تھا۔ وہ آکر اس کام میں اپنے بھائی اور بھاوج کا ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔ اس دفعہ ہریا کو بہت خوشی تھی۔ کیونکہ کرمی کی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ ہریا کو اپنے بھانجے سے بہت محبت تھی۔ اس کا نام بھی ہریا نے خود رکھا تھا "رام جی"۔

ہریا نے اپنی بہن کو لکھا تھا۔ اس سال ہری کیرتن کا بہت آنند ہوگا۔ میرا رام جی کیرتن میں کھیلے گا۔ میں نے اُسے پہنانے کے لئے نئے کپڑے سلوائے ہیں۔

کرمی حسب دستور رام نومی سے تین دن پہلے ہی آ گئی

(۲)

بھگتوں نے رات کو ہری کیرتن میں شامل ہونا منظور کر لیا تھا۔ گوپی درزی شام کو ہی آ گیا۔ ہریا کی تیاری دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ بھگوان کا سنگھاسن نہایت سُندر تھا۔ بھگوان کی نہایت ہی خوبصورت تصویر سنگھاسن پر رکھی ہوئی تھی۔ کمرہ میں چاروں طرف پھلکاریاں آویزاں تھیں، اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دیوتاؤں کی تصویریں لٹکائی ہوئی تھیں۔

گوپی کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ ہریا کو مخاطب ہو کر بولا۔ "بھگت جی! کمال کر دیا! اس دفعہ کیرتن خوب ہوگا۔ تیاری سُندر ہے"۔

ہریا نے کہا۔ "بھائی یہ بھگوان کی کرپا ہے، یا بھگتوں کی۔ سب بھگت آ جائیں تو خوب آنند ہو"۔

"پنڈت جی بھی آئیں گے"

"کون؟ مُراری لال!"

"ہاں"

ہریا کے چہرے پر خوشی ناچنے لگی۔ دل ہی دل میں خیال کیا "دھنیہ بھاگ جو پنڈت جی درشن دیں"۔ بولا۔ گوپی بھگت!

سچ کہو پنڈت جی آئیں گے!

ضرور آئیں گے مجھے لالہ کرم چند جی نے بھی بلایا تھا کہ پنڈت مراری جی کیرتن میں شامل ہوں گے۔

پنڈت مراری لال جی ایک کرم کانڈی پنڈت تھے۔ نل کا پانی انہوں نے عمر بھر نہ پیا تھا۔ برف کبھی استعمال نہ کی تھی۔ انگریزی دوائی اور ولائتی کپڑے سے ہر وقت بچتے تھے۔ ریل میں بیٹھ کر کھانا نہ کھاتے۔ دو کام وہ اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ مندر کی صفائی اور گائے کی سیوا۔ ان کے مندر میں روزانہ کتھا ہوتی تھی۔

قصبہ والے بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب کبھی بازار میں پنڈت جی گزرتے۔ لوگ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے، کئی آدمی پاؤں کو ہاتھ لگاتے۔

ہریا کو یقین نہ آتا تھا، کہ ایک کرم کانڈی برہمن ایک کہار کے گھر آئے۔

(۳)

گوپی نے ہریا کے ساتھ لیمپ صاف کروائے، دریاں بچھوائیں۔ رات کے ۹ بجے تک بھگت آتے رہے۔ پنڈت مراری لال بھی آئے۔ ہریا نے ان کے پاؤں چھوئے۔ اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "آج میری کٹیا پوتر ہوگئی"۔

پنڈت مراری لال ہریا کا پریم اور شردھا دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے محبت سے ہریا کو اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ یہ روحانی منظر دیکھ کر بھگت بہت مسرور ہوئے۔ ایک کرم کانڈی براہمن کی بغل میں ایک کہار۔ سب نے پریم سے جے کارہ بلایا۔ ———— "سیتا پتی رام چندر جی کی جے"۔

بھگوان کے دربار میں اونچ نیچ نہیں۔ براہمن، کھشتری، ویش اور شودر دنیاوی معاملات میں اپنی اپنی ذات پر نازاں ہو تو بجا ہے۔ مگر وہاں سب برابر ہیں۔ بھگتی کا رنگ سب پر یکساں چڑھتا ہے۔

ہر کو بھجے سو ہر کا ہو۔

کیرتن شروع ہوا۔ گوپی درزی نے "میراں بائی" کا بھگتی بھاؤ سے بھجن گانا شروع کیا۔

میراں نے سب چھوڑ کے ایک رام نام دھن لینا

بھگتوں پر محویت کا عالم طاری تھا۔ پنڈت مراری لال مست ہو کر جھوم رہے تھے۔ نہایت ہی خوش کن سماں تھا۔ حاضرین میں سے ہر ایک کے دل میں بھگتی کا دریا موجزن تھا۔ سب نے پریم کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ سب کے دلوں سے اونچ نیچ کا بھاؤ مٹ چکا تھا۔

یوں تو میراں بائی کا ہر ایک بھجن بھگتی کا ساگر ہے۔ مگر اس بھجن میں بھگوان رام کے چرنوں میں اظہار عقیدت کی گئی ہے۔ گوپی درزی بھجن کا وہ حصہ گا رہا تھا جس میں میراں بائی کے زہر کا پیالہ پینے کا ذکر تھا جو اسے رانا نے دیا تھا۔

بھرا پیالہ زہر کا دیا میراں کے ہاتھ
امرت کر کے پی لیا تم جانو رگھو ناتھ

آخری الفاظ میں جادو کا اثر تھا۔ سب کچھ بھگوان رام کے ارپن۔ ہریا بے خودی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس وقت

گوپی نے کھرتالوں کے ساتھ "تم جانو رگھو ناتھ" الاپا تو ہریا سے رہا نہ گیا۔ جوش عقیدت سے اُٹھا، اور گانے لگا۔

"تم جانو رگھو ناتھ"

(۴)

ہریا بار بار یہی مصرعہ گا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھگوان کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ بھگتی کی لہریں تصویر سے ٹکرا کر جلال پیدا کر رہی تھیں۔ وایو منڈل سے پریم برس رہا تھا۔

بھگتوں کی محفل میں تو کمال تھا۔ مگر ہریا کی بیوی اور کرمی مصیبت میں مبتلا تھیں۔ رام جی کو سُلا کر دونوں کھانا بنانے میں مصروف ہو گئیں۔ جب کھانا بن چکا تو کرمی نے دودھ گرم کیا۔ اور برتن میں ڈال کر رام جی کو پلانے چلی۔ حسب معمول اُس نے رام جی کا سر اوپر اُٹھا کر برتن مُنہ سے لگا دیا۔ مگر رام جی نے ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔ کرمی کو بڑا تعجب ہوا۔ ساتھ ہی اُس کے دل میں شُبہ بھی پیدا ہو گیا۔ پہلے جب کبھی رام جی کے مُنہ سے دودھ کا برتن لگایا جاتا تھا تو وہ اپنی حسب خواہش دودھ پی لیا کرتا تھا۔ کرمی نے زور سے اپنی بھاوجہ کو آواز دی۔ وہ گھبراتی ہوئی آئی، اور بولی۔ "کیا ہوا کرمی"۔

"رام جی دودھ نہیں پیتا"۔ کرمی نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اپنی بھاوجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"پی لے گا۔ ابھی خواہش نہ ہو گی"۔

"نہیں بھابی اسے دیکھو تو سہی۔ اس کا سانس......"

ہریا کی بیوی نے جھٹ پٹ رام جی کو اُٹھا لیا۔ اُسے بچوں کی بیماری سے کافی واقفیت تھی۔ محلے کی عورتیں اپنے بیمار بچوں کے علاج کی خاطر ہریا کی بیوی کے پاس آیا کرتی تھیں۔ اُس نے رام جی کو غور سے دیکھا۔ پھر اُس کی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دل کی رفتار محسوس کرنے لگی۔ اپنی بھاوجہ کے اس عمل کے دوران میں کرمی نہایت بے تابانہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس طرح کوئی طالب علم نتیجہ سُننے کے وقت اُستاد کی طرف دیکھا کرتا ہے۔

"اسے اس کے ماموں کے پاس لے جا، اور کہہ کہ وہ حکیم کو جلد بُلائے"۔

کرمی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اُس کی بھاوجہ نے یہ بات کہہ کر حالات کی نزاکت اس پر روشن کر دی تھی وہ سب کچھ سمجھ گئی۔

"کیا میرا رام جی......"

جس وقت وہ رام جی کو لے کر کیرتن والے کمرہ میں گئی۔ اُس وقت ہریا بھگوان کے آگے جھوم جھوم کر گا رہا تھا۔

"تُم جانو رگھو ناتھ"۔

"ہریا رام جی......" اس سے زیادہ کرمی نہ بول سکی۔ وہ رو رہی تھی۔ ہریا کا راگ، ڈھولک کی آواز، کھرتالوں کی جھنکار اس کے لئے بے سُری آوازیں تھیں۔

ہریا نے خیال کیا۔ کہ کرمی رام جی کو اس غرض سے دینے آئی ہے، کہ وہ کیرتن میں کھیلے۔ اس نے کرمی کی گودی سے بچہ کو لے لیا، اور پھر گانے میں محو ہو گیا۔

"تم جانو رگھو ناتھ"۔

"ہریا! کرمی روتی ہوئی بولی "اسے بچاؤ، میرا رام جی جا رہا ہے۔ کوئی حکیم......."

پنڈت مُراری لال کے کان میں کرمی کے یہ الفاظ پڑے۔ چونکے ہو کر بولے!

"کرمی کیا بات ہے؟"

"میرا رام جی! پنڈت جی کوئی حکیم بلایئے"۔

ہریا بیخودی کے عالم میں اُوپر ہی اُوپر جا رہا تھا۔ اس کے کان "تم جانو رگھو ناتھ" سُن رہے تھے۔ کرمی کے رونے کی آواز ان سے کوسوں دُور تھی۔ اس کی آنکھیں بھگوان کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ کرمی کے آنسو وہ دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ اس نے رام جی کو تصویر کے آگے لٹا دیا۔ اُور پہلے سے دو چند جوش کے ساتھ گانے لگا۔ اس کے جوش میں مُسرت پنہاں تھی، اُور عقیدت عیاں۔ معمولی سا مصرعہ تھا۔ مگر ہریا کے لیے یہ مصرعہ مُعانی سے پُر تھا۔

(۵)

پنڈت مُراری لال چُپکے سے اُٹھے، اُور گردھاری لال حکیم کو بُلانے دوڑے۔ بازار کے دُوسرے سرے پر انہیں گردھاری لال مل گیا۔

"حکیم جی! ہریا کے گھر چلیں، ذرا جلدی"۔ پنڈت مُراری لال نے بیتابانہ کہا۔

"مَیں خود وہاں کیرتن میں شامل ہونے جا رہا ہُوں"۔

"کیرتن کیسا! رنگ میں بھنگ مل گئی"۔

"کیوں؟ کیا ہُوا؟"

"ہریا کا بچہ اچانک بیمار ہو گیا۔ اس کا سانس ٹھیک نہیں چلتا۔ بھگوان کریں کہ آپ کے پہنچنے تک وہ....."

"تب گھر ہوتے چلیں۔ دُوائی ساتھ لے جائیں"۔

حکیم جی نے گھر آ کر دُوائی نکالی۔ اُور پنڈت جی کے ساتھ ہریا کے گھر کی طرف روانہ ہُوئے۔ جب دونوں ہریا کے نزدیک پہنچے، تو انہیں کیرتن کی آواز سُنائی دی۔ جس کی اُنہیں توقع نہیں تھی۔ مگر گانے والا ہریا نہیں گوپی تھا۔ اندر جا کر پنڈت جی نے عجیب و غریب نظارہ دیکھا۔

ہریا رام جی کو اپنی گود میں لیئے دُودھ پلا رہا تھا۔ گوپی مست ہو کر گا رہا تھا۔

"لے دے میا مجھے چندر کھلونا"

اُور رام جی اپنے ننھے ننھے ہاتھ لیمپ کی طرف بڑھا رہا تھا۔ کرمی اُسے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اس کی بھاوجہ کی مسرت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ پنڈت جی حیران کھڑے تھے۔ اُنہوں نے بھگوان کے سنگھاسن کی طرف نگاہ کی۔ مُورتی مسکراتی ہُوئی معلوم دی۔ وہ "تم جانو رگھو ناتھ" کے اصلی معنی سمجھ گئے تھے۔ گوپی درزی سے بولے۔ "بھگت جی! مجھے بھی گا لینے دیجئے ——— گوپی بیٹھ گیا ——— پنڈت جی گانے لگے۔ "تم جانو رگھو ناتھ"۔

نیتی شتک — (بھرتری ہری)

ازقلم۔ دیوان تیج ونت رائے ساحر

پرارتھنا

شلوک نمبر ۱

اے کہ تیری ذات ہے موجود دس اطراف میں
اے کہ تیری ذات لامحدود ہے اوصاف میں
حال، ماضی اور مستقبل میں تو موجود ہے
جسم میں تو۔ جان میں تو، دل میں تو موجود ہے
ہم کو تیرا علم ہوتا ہے فقط احساس سے
تو ہے پوشیدہ مگر چشمِ عوام الناس سے
تو مجسم نور ہے واجب ہے تیرا احترام
سینکڑوں سجدے تری خدمت میں لاکھوں ہی سلام

جاہلوں کا بیان

شلوک نمبر ۲

چاہتا ہوں میں جسے، وہ غیر کی اُلفت میں ہے
اور پھر وہ غیر خود اک اور کی حسرت میں ہے
غیر جس کو چاہتا ہے، چاہتی ہے وہ مجھے
آگ یہ وہ ہے جو بجھ سکتی نہیں تدبیر سے
اِس لئے لعنت ہے اُس معشوقۂ طنّاز[۱] پر
چھوڑ کر مجھ کو مرے، جو غیر کے انداز پر
اُس پہ لعنت ہے نہ چاہے چاہنے والی کو جو
چھوڑ کر اُس کو وہ مائل دُوسری عورت پہ ہو
اور اُس عورت پہ لعنت، چاہتی ہے جو مجھے
اور لعنت مجھ پہ جو رکھتا ہوں اُلفت اُس سے
سب سے بڑھ کر لعنت اُس پر نفس جس کا نام ہے
ایسی طرزِ عشق اُسی کے تابعِ احکام ہے

شلوک نمبر ۳

بے خرد[۳] انسان کو راہِ راست پر لانا ہے سہل
اور عاقل کا بھی اس رستے پر آجانا ہے سہل
لیکن اس دُنیا میں جو ہوتا ہے جاہل آدمی
لا نہیں سکتا اُسے برہما بھی رستے پر کبھی

شلوک نمبر ۴

زورِ بازو سے مگرمچھ کو گرا سکتے ہیں ہم
اُس کے منہ میں ہو اگر گوہر تو لا سکتے ہیں ہم
تُند موجوں اور بے پایاں سمندر کو بھی ہم
پار کر جاتے ہیں بے خوف و خطر بے رنج و غم

[illegible] ۳۔ بے عقل

افعیٔ[1] خوں خوار کو بھی ایک مردِ ہوشیار — ڈال سکتا ہے گلے میں جان کر پھولوں کا ہار
نقش ہو جائے مگر جاہل کے دل میں جو خیال — لاکھ کوشش سے بھی مٹنا اس کا ہوتا ہے محال

شلوک نمبر ۵

آگ کا پانی سے باہم میل، ناممکن نہیں — ریت بھٹی کی اُگل دے تیل، ناممکن نہیں
ہر سرابِ[2] خشک بن سکتا ہے چشمہ آب کا — سینگ ہو جائیں گدھے کے سر پہ شاید رونما
جو برائی ہو کسی جاہل کے دل میں جاگزیں[3] — اس برائی کی کبھی اصلاح ہو سکتی نہیں

شلوک نمبر ۶

جو بشر جاہل کو لانا چاہتا ہے راہ پر — وعظ[4] کرتا ہے اسے حکمت کے دفتر کھول کر
اس کی یہ خواہش ہے ایسی جس طرح کوئی بشر — مطمئین ہو شاخِ گل سے مست ہاتھی باندھ کر
یا وہ پانی بحر کا شیریں بنانے کے لئے — سادگی سے اس میں میٹھا رس ذرا سا ڈال دے
یا کمالِ سادگی سے دل میں یہ خواہش کرے — پھول کی پتی سے ہیرے کا کلیجہ کٹ سکے

شلوک نمبر ۷

خامشی وہ شے ہے خود ہے جس پہ اپنا اختیار — اور اس میں فائدے ہیں بے حساب و بے شمار
خامشی ہی ظرفِ[5] کم عقلی کا اک سرپوش ہے — اور بزمِ ہوشمنداں میں جوابِ ہوش ہے

شلوک نمبر ۸

دل پہ جب تک تھا جہالت کا نشہ چھایا ہوا — مست ہاتھی کی طرح میں مست تھا مدہوش تھا
تھا غرور اپنی ہمہ دانی[6] کا دل میں جاگزیں — میں سمجھتا تھا کوئی میرے برابر کا نہیں!
ایک دن جب عقلمندوں کی ہوئی صحبت نصیب — پھر نہ آئی نخوتِ[7] علم و خرد میرے قریب
جہل کا پردہ اٹھا، اپنی نظر سے گر گیا — ہو گیا تپ کی طرح کافور[8] میرا سب نشا

شلوک نمبر ۹

ایک کتّے کو اگر مل جائے اک ہڈی کہیں! — کرم خوردہ[9] اور گندی، گوشت بھی جس پر نہیں
ہو عفونت اس میں اتنی چل نہ سکتی ہو زباں — ڈھونڈھنے سے بھی نہ پائیں گوشت کا جس پر نشاں
جب چباتا ہے اسے وہ ایک نعمت جان کر — راجا اندر سے بھی خطرہ اس کو آتا ہے نظر
بس اسی صورت جو دل میں بیٹھ جائے کوئی بات — جاہل انساں پا نہیں سکتا کبھی اس سے نجات
کچھ بھلائی یا برائی سے اسے مطلب نہیں — جانتا ہے وہ اسی کو حاصلِ دنیا و دیں

شلوک نمبر ۱۰

جس طرح شوجی کی پیشانی پہ گنگا پاک تر — سورگ سے آ کر گری، آئی وہاں سے کوہ پر

۱ کالا سانپ ۲ ریت جس پہ پانی کا دھوکا ہو ۳ بسی ہوئی ۴ نصیحت ۵ برتن ۶ سب کچھ جاننا ۷ غرور ۸ اڑ گیا ۹ کیڑے کا کھایا ہوا

کوہ سے میدان میں آئی اُور پھر بہتی ہُوئی — اُوج اپنا چھوڑ کر بحرِ رواں تک آگئی
دم بہ دم، منزل بہ منزل جانبِ پستی چلی — شان اس کی، شوکت اس کی، کم سے کم ہوتی گئی
اِس طرح ہوتے ہیں جو اِس دہر میں جاہل بشر — جانبِ پستی ہُوا کرتا ہے ان کا بھی سفر

شلوک نمبر ۱۱

آگ ہو جاتی ہے ٹھنڈی اس پہ جب پانی گرے — دُھوپ رُک جاتی ہے جب انسان چھاتہ تان لے
تیز آنکس مست ہاتھی کو بھی کر لیتا ہے رام — لٹھ کے ڈر سے گاؤ خر سے لے لیا جاتا ہے کام
ہر مرض کی ہے دوا کوئی نہ کوئی کارگر — دُور کر دیتے ہیں منتر زہر قاتل کا اثر
شاستر سے ہر مرض کا عین ممکن ہے علاج — غیر ممکن ہے کہ بدلے مردِ جاہل کا مزاج

شلوک نمبر ۱۲

جو ہے لُطفِ شعر و نغمہ سے سراسر بے خبر — وہ بشر ہے بالیقیں بے سینگ و بے دُم جانور
گھاس تو کھائے نہ وہ اُور اس پہ بھی زندہ رہے — اس کو اُس کی خوش نصیبی ہی سمجھنا چاہیئے!

شلوک نمبر ۱۳

جو نہیں نیکی سے واقف، راستی سے بہرہ ور — جن کو راس آتے نہیں دانائی و علم و ہُنر
مادرِ گیتی کے کندھوں پر وہ بے شک بار ہیں — شکل انسانی ہے حیوانی مگر اطوار ہیں!

شلوک نمبر ۱۴

لاکھ بہتر ہے کہ ہم صُحبت ہوں وحشی جانور — زندگی کرنی پڑے ساتھ ان کے صحرا میں بسر
لیکن اِک جاہل کی صُحبت ہو نہ قسمت سے نصیب — لیں نہ جنّت بھی اگر ہو اس کی صُحبت سے نصیب

(باقی پھر)

رسالہ "اُوم" کے معزز خریداران سے نویدن

(۱) اُوم کے خریداران سے نویدن ہے کہ وہ اپنا نیا خریداری نمبر اپنی پاکٹ بُک میں نوٹ کر لیں۔ یہ نمبر پتہ والی چِٹ پر درج ہوتا ہے۔ خریداری نمبر کا حوالہ دینے سے خط و کتابت کرنے میں سہولیت رہتی ہے اُور تعمیل کرنے میں دیر نہیں ہوتی۔ (۲) ہر سال پتہ والی چِٹ نئی چھپتی ہیں اُور خریداری نمبر تبدیل ہوتا ہے، اُس کو غور سے پڑھیں، اُور اگر پتہ میں کوئی غلطی نظر آئے، تو ہمیں فوراً تحریر فرماویں۔ تاکہ غلط پتہ کی وجہ سے آئندہ پرچہ ڈاک میں گُم نہ ہو۔ (۳) ہم ہر ماہ کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو پرچہ ڈسپیچ کرتے ہیں۔ تاہم اگر پرچہ وقت پر نہ ملے تو ۱۰ تاریخ تک اِنتظار کر کے ہمیں اِطلاع دیں۔ ہم دوبارہ پرچہ فری بھیج دینگے۔

"مینیجر"

؎۱ بھیل ؎۲ دھرتی ماتا۔ ؎۳ طور طریقے

جَنُّو بھگت

"تا کو کہا کلیش ہے، جا کے رکھشک آپ"

جنّو سوامی کی بھگتی کے معجزات دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا کرتے تھے۔ کیوں نہ ہو۔ عشقِ حقیقی بھگوان کی سچی بھگتی میں تمام مادی قطرتی اور مافوق الفطرت طاقتوں کا راز مضمر ہے۔ عشقِ حقیقی و جذبہ بھگتی ایک ایسی عالمگیر علوی قوت و دیویہ شکتی ہے جس کے نزدیک دُنیا میں کوئی بھی اُمر، کوئی بھی کام ناممکنات میں سے نہیں۔ یہی جذبہ پاک، ولولہ، بھگت جنّو سوامی کے دِل میں کارفرما تھا۔ وہ گنگا و جمنا کے دوابہ میں کسی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ کھیتی باڑی سے جو کچھ نفع ہوتا، وہ سب سادھو سیوا اور بھگوان کی پوجا میں لگا دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ چور آئے اور جنّو سوامی کے بیل چُرا لے گئے۔ بھگوان نے جنّو سوامی کے ہاں ہو بہو ویسے ہی بیل پرگٹ کر دیئے۔ جیسے کہ چور چرا کر لے گئے تھے۔ چور جب دوبارہ آئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ بیل جو وہ ابھی ابھی چُرا کر لے گئے تھے۔ سوامی کے ہاں ویسے ہی موجود ہیں۔ چور بہت حیران ہوئے۔ واپس لوٹ کر اُنہوں نے اپنے گھر میں وہی بیل دیکھے۔ چنانچہ وہ دوڑے دوڑے سوامی کے مکان پر آئے، تو پھر وُہی نظارہ دیکھا۔ غرضیکہ تین چار بار وہ اپنے گھر گئے اور سوامی جی کے ہاں آئے۔ مگر اُنہوں نے ایک ہی وقت پر وُہی بیل دونوں جگہوں پر موجود پائے۔ آخر جب وہ بہت حیران و پریشان ہوئے، مگر حقیقتِ حال کا پتہ نہ چلا، تو سوامی کے قدموں پر گر پڑے اور سارا حال من وعن کہہ سُنایا۔ سوامی جی نے مسکرا کر کہا۔ "بھئی یہ سب معجزات بھگوان کے ہیں۔ تم اپنا کام کرتے جاؤ ہم اپنا کام کرتے جائیں گے۔ تمہیں اِن باتوں سے کیا؟"

چوروں کو یقین ہو گیا کہ یہ بڑے شکتیمان پربھو کے بھگت ہیں اور فوراً وہ بیل جو وہ چُرا کر لے گئے تھے۔ سوامی جی کے ہاں لا کر باندھ دیئے۔ اُس وقت بھگوان کی اِچھیا سے مایاوی بیل غائب ہو چکے تھے۔

وہ چور اُسی دن سے چوری کی بُری عادت کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر سادھو بن گئے۔

ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور — سب اپنے لئے ہیں تو سب کے لئے
وفا کرو کہ جفا اختیار ہے تم کو — بُرے ہیں یا بھلے جیسے ہیں تمہارے ہیں
ہر شے میں جمالِ دلرُبا کو دیکھا — ہر چیز میں شانِ کبریا کو دیکھا
مخلوق میں خالق نظر آیا جس کو — اُس دیکھنے والے نے خُدا کو دیکھا
ظاہر کی آنکھ سے نہ دیکھا کرے کوئی — ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

مجبوریاں

از قلم پنڈت نریندر ناتھ جی شرما نزبیدار

اب پریشاں حال پر کچھ لطف فرمائی بھی ہو!

آہ و نالوں کی میرے آخر سنوائی بھی ہو
بندگی کرتا خلوصِ دل سے میں تیری ضرور
علم و حکمت سے ہی تیری راہ کا پاتا سراغ
محو ہوتی گر تمنا کچھ سکوں ہوتا بہم
دید سے تیری کبھی ہوتا الٰہی سرفراز
لب کشا ہوتا نہ میں سہہ کر مقدر کے ستم
راہ و رسم عاشقی کے راز کس سے پوچھتا
شادماں بھی لوگ کچھ دنیا میں ہیں یا رب مگر
روزِ محشر کچھ بھی ہو پر مصلحت اس میں ہے کیا
ہو چکا ہوں زندگی میں بخت کے ہاتھوں ذلیل
عاشقی میں شرط نا واجب بجز شرطِ وفا
بندگی تب ہے۔ کہ یک سو دل میں ہو اُن کا خیال
مشکلیں نادانِ دل تیری وہ کرتے سب کشا
جلوۂ بے رنگ ہو جا۔ صورتِ پیکر عیاں

جاں بلب ہوں۔ آئیے۔ مشقِ مسیحائی بھی ہو
پر فریبِ رنگ و بو سے مخلصی پائی بھی ہو
جاہلِ مطلق ہوں یا رب۔ ایسی دانائی بھی ہو
ترک کی عادت دلِ ناداں نے اپنائی بھی ہو
شومئ قسمت۔ تیری راہوں سے آگاہی بھی ہو
جسم و جاں میں اب مگر تاب و توانائی بھی ہو
واقفِ اسرار لوگوں سے شناسائی بھی ہو
وائے قسمت۔ مجھ کو دنیا راس کچھ آئی بھی ہو
تیرے بندوں کی اسی دنیا میں رسوائی بھی ہو
اب پریشاں حال پر کچھ لطف فرمائی بھی ہو
لازمی اس راہ میں ترکِ من و مائی بھی ہو
فرطِ الفت سے فضائے دل جو گرمائی بھی ہو
چھوڑ کر سارے بھرم سے عرضِ دوہرائی بھی ہو
تیرے قدموں میں مجھے شرفِ جبیں سائی بھی ہو

یادِ حق میں کیفیت تیری یہ کب ہو گی نزبیدار
ٹیس دل میں۔ آنکھ پُر نم۔ نطق بھرائی بھی ہو

شری گورو ارجن دیو جی مہاراج

از شری اُلفت امین آبادی

گورو ارجن دیو جی کے پِتا جو تھے گورو سری گورو رام داس جی ۱۲ سال کی عمر میں گوبند وال (ضلع امرتسر) آئے۔ یہ قصبہ تیسرے گورو سری گورو امر داس جی نے ۱۵۴۶ء میں بسایا تھا اور اُنہی نے سری رام داس جی کو اُن کے ماتا پتا کے دیہانت کے بعد یہاں آبسنے کا حکم دیا تھا۔ اس بارہ سالہ یتیم لڑکے (سری رام داس جی) کی اپنی خوش نصیبی کہ وہ اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث گورو امرداس جی کے اس حد تک منظور نظر ہوئے کہ انہوں نے ۱۵۵۳ء میں اپنی لڑکی بی بی بھانی کی اُن سے شادی کر دی اور اُن کی استعداد و قابلیت دیکھ کر ۱۵۷۶ء میں اُنہیں گورو گدّی سے سرفراز فرمایا۔

سری گورو رام داس جی کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) پرتھی چند (۲) مہا دیو اور (۳) ارجن دیو (تاریخ پیدائش ۱۵۶۲ء) پرتھی چند دُنیاوی امور میں ضرور قابل تھے۔ لیکن گورو گدّی کے شایاں اخلاقی و رُوحانی فضائل سے معرا تھے۔ مہا دیو طبعاً خاموش اور زہد و عبادت میں خلوت کوش رہتے تھے۔ گورپائی جیسے اہم ذمّہ دار منصب سے اُنہیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ سری گورو ارجن دیو جی اپنی فطری ذہانت، علمیت و قابلیت کے طفیل ہر طرح سے گورو گدّی کے اہل سمجھے گئے۔ چنانچہ سری گورو رام داس جی نے دین و دُنیا کی لیڈر شپ کے لئے سری گورو ارجن دیو کو انتخاب کیا۔ اپنے جوتی جوت سمانے سے ایک ماہ قبل یعنی اگست ۱۵۸۱ء میں سنگت کی موجودگی میں اُنہیں گورو گدّی سونپی۔ گورپائی حاصل کرتے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال چار ماہ تھی۔

گورو ارجن دیو جی نے اس منصبِ اعلےٰ کے لئے بھرپور تربیت پائی تھی۔ آپ پہلے گورو تھے، جن کو پیدا ہوتے ہی گورمت کی شکھشا گھُٹی میں ملی تھی۔ گورو امر داس جی نے اس ہونہار بالک کی تربیت میں خاص دلچسپی لینا شروع کی۔ ارجن دیو بلا کے ذہین تھے، غضب کا حافظہ پایا تھا۔ نانا جی کی زبان سے سُنی ہوئی گوربانی اپنی توتلی زبان سے ایسے انداز میں دُہراتے تھے، کہ گورو امرداس جی مسرت سے جھوم اُٹھتے تھے۔ ایک دن انتہائی خوشی کے عالم میں گورو امرداس جی پکار اُٹھے۔ "دوہتا بانی کا بوہتھا" (یعنی میرا یہ دوہتا ایک دن جہاز شاعری ہوگا) اُن کی یہ پیشگوئی گورو ارجن دیو جی کی آئندہ زندگی میں حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

نانا پِتا (گورو امرداس جی) نے اُس زمانہ کی مروّج زبان فارسی کے علاوہ سنسکرت کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ آپ کی مقدس بانی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ فارسی اور بالخصوص سنسکرت میں خوب دسترس رکھتے تھے! اور انہیں سناتن گرنتھوں پر عبور حاصل تھا۔ اُنکے ابتدائی کلام کی ایک نادر مثال سری گورو گرنتھ صاحب "سہنس کرتی سلوک" کے عنوان سے درج ہے۔

گورو گرنتھ صاحب کی تالیف

سولہویں صدی تک ہم جتنی بھی کتابیں دیکھتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک، ایک ہی مصنّف کے خیال کی آئینہ دار ہے۔ لیکن گورو ارجن دیوجی ادبی دُنیا کے اوّلین ایڈیٹر (مولّف) ہیں۔ جنہوں نے ۱۶۰۴ء میں ۳۵ مصنّفین کے ایک ہی سدھانت اور ایک ہی موضوع کا حسین ترین مرقع پیش کیا۔ ان ۳۵ مصنّفین میں مندرجہ ذیل پوتر رُوحیں شامل ہیں:-

ا۔ ۶ گورو ——— (۱) گورو نانک دیوجی (۲) گورو انگد دیوجی (۳) گورو امرداس جی (۴) گورو رامداس (۵) گورو ارجن دیوجی (۶) یاد رہے کہ ۹ ویں گورو تیغ بہادر کا کلام بعد میں شامل کیا گیا (ii) پندرہ بھگت (iii) گیارہ بھٹ (iv) بابا سُندرجی (v) سُتا اور بلونت ——— اس ساری فہرست مصنّفین کا جائزہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ پندرہ بھگتوں میں سے چار۔ جے دیو، ترلوچن، سُورداس اور رامانند قوم کے براہمن تھے، کبیر جولاہا تھا، ہندو سمجھا جاتا تھا مُسلمان گھرانے میں پیدا ہُوا تھا۔ دھنّا جاٹ تھا اور چار بھگت شُودر جاتیوں کے تھے یعنی نامدیو (دھوبی) سین جی (نائی) سدنا جی (قصائی) اور روی داس (چمار) تھے۔ شیخ فرید مسلمان تھے گیارہ بھٹ برہمن تھے اور یہ سب ہندوستان کے مختلف صُوبوں کے باشندے تھے۔ اس فہرست سے صاف ظاہر ہے کہ گورو ارجن دیوجی کا تالیف کردہ آدگرنتھ دُنیا کی پہلی کتاب ہے۔ جس میں صُوبائی نسلی اور سماجی امتیازات بُھلا کر ہندو، مُسلمان اور اچھوت کے پوتر رُوحانی کلام کو یکجا کر کے یکساں احترام دیا گیا ہے۔

جہانگیر کی تخت نشینی اور خسرو کی بغاوت

اکتوبر ۱۶۰۵ء میں اکبر وفات پا گیا، اُس کی جگہ شہزادہ سلیم ۳۸ سال کی عمر میں "جہانگیر" کے لقب سے تخت نشین ہُوا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اکبر نے پُورے ۵۱ سال چند ماہ حکومت کی تھی۔ اُس کی آخری عُمر میں شہزادہ سلیم بُوڑھے باپ کا تخت سنبھالنے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا، اور بغاوت پر بھی آمادہ ہُوا تھا۔ اکبر اپنی موت سے کچھ عرصہ پہلے سلیم کے بڑے بیٹے خسرو کو اپنا جانشین بنانے کا اِرادہ رکھتا تھا۔ خسرو راجہ مان سنگھ کا بھانجہ تھا۔

خسرو جب وسط پنجاب میں پہنچا تو ایک رات ترنتارن میں فروکش ہُوا۔ گورو ارجن دیو اُن دنوں ترنتارن میں مقیم تھے۔ خسرو اپنے دادا اکبر کے ساتھ دو ایک بار پہلے بھی گورو گھر کے درشن کر چکا تھا اور پنجاب میں اُن کی اہم شخصیت سے واقف تھا۔ گورو صاحب کے دربار میں حاضر ہُوا۔ آداب بجا لا کر اُن کی آشیرواد اور مالی اِمداد کا حامل ہُوا۔ گورو مہاراج نے "جیسے در آوت جا تو ہٹکے نہ کر (گورو گھر ایسا مقام ہے جہاں آنے جانے میں کسی کو روک ٹوک نہیں) کے مصداق اُسے حسب دستور آشیرواد دیا اور مالی اِمداد کے بارے میں کہا۔" شہزادے نے عرض کیا۔ دستگیر عالم! مَیں آپ کے دربار میں شہزادہ کی حیثیت میں نہیں آیا۔ ایک ایسے محتاج کے رُوپ میں آیا ہُوں جسے

اپنی جان تک کے لالے پڑ رہے ہیں۔ بھلا مجھ سے زیادہ مستحق کون ہے۔ میں جان بچا کر کابل پہنچنا چاہتا ہوں"۔ گورو مہاراج نے اُسے زادِ راہ کے لئے پانچ ہزار روپیہ دیا (ہسٹری آف دی سکھ ریلجن خزان سنگھ صہ ۱۲۶ لیکن دوسرے مورخ کسی رقم کا ذکر نہیں کرتے۔)

لاہور پہنچ کر خسرو نے شہر کا ۹ دن کا محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن حکام شہر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اتنے میں جہانگیر کی فوج آ پہنچی۔ بڑی خونریز لڑائی کے بعد خسرو کو شکستِ فاش ہوئی۔ وہ چند سرداروں سمیت میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ لیکن شاہی سرداروں نے اُسے گرفتار کر کے دریائے راوی کے کنارے کامران باغ میں جہانگیر کے سامنے حاضر کیا۔ جہانگیر نے اُس کے تمام سات سو ساتھیوں کو تہ تیغ کروا دیا۔ اور خسرو کو قید کا حکم سُنایا۔ خسرو ۱۶۲۲ء میں ۱۶ سال تک قید رہنے کے بعد قید ہی میں جان بحق ہو گیا۔

یہ المناک واقعہ ۱۰ مئی ۱۶۰۶ء کا ہے ۱۱-۱۲ مئی کو جہانگیر شاہی قلعہ کے صحن میں دربار لگا کر بیٹھا۔ اور حکام لاہور سے پنجاب کی صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا۔ ہو سکتا ہے۔ ان دنوں میں دیوان چندو لال نے جسے گورو صاحب سے پرانی رنجش تھی جہانگیر کے سامنے خسرو کے گورو صاحب سے ملنے کے واقعہ کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہو لیکن "تُوزکِ جہانگیری" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو پنجاب میں سکھوں کی تنظیم پہلے ہی اکھرتی تھی، اور وہ گورو گھرانے کو نیست و نابود کرنا چاہتا تھا۔ خسرو کی امداد کا جرم تو محض ڈھیلہ کا بہانہ ہے۔ چنانچہ اُس نے ۱۵ مئی ۱۶۰۶ء کو اس جرم کی آڑ لے کر گورو صاحب کی جملہ جائداد بحق سرکار ضبط کر کے اُنہیں اذیتوں کے ساتھ ہلاک کرنے کا حکم صادر کر دیا، اور اس حکم کی تعمیل کے لئے سپہ سالار شیخ فرید (ملقب مرتضےٰ خاں) کو کُلّی اختیارات دے دیئے۔ یہ حکم صادر کر کے ۱۷ مئی ۱۶۰۶ء کو جہانگیر لاہور سے کابل روانہ ہو گیا۔ مرتضےٰ خاں نے گورو مہاراج کو شاہی قلعہ میں بے پناہ اذیتیں دے دے کر ۳۰ مئی ۱۶۰۶ء کو شہید کر دیا۔

جہانگیر نے گورو صاحب کو کیوں اور کیسے شہید کرایا۔ اس کے بارے میں دوسرے مورخین کی کتابوں کی چھان بین کرنے کے بجائے جہانگیر کی خود نوشت کتاب "تُوزکِ جہانگیری" سب سے زیادہ مستند ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ کی تحریر اس نے اپنی تُوزک میں ۱۵ جون ۱۶۰۶ء کو سپردِ قلم کی (اس کتاب کے صہ ۳۵ پر ہم پڑھتے ہیں) اس فارسی اقتباس کا اُردو ترجمہ حسبِ ذیل ہے:-

"گوبند وال میں جو دریائے بیاس کے کنارے واقع ہے، ایک ہندو تھا ارجن نام کا۔ وہ پیروں فقیروں کے لباس میں رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سے سیدھے سادے ہندوؤں بلکہ بے سمجھ اور گھٹیا درجہ کے مسلمانوں کو بھی اپنے دھرم کرم کا پیرو بنا کر ولی ہونے کا شہرہ بلند کر رکھا تھا۔ اسے لوگ "گورو" کہتے تھے۔ تین چار پُشتوں سے اُن کی یہ دُکان چل رہی تھی۔ مدت سے میرے دل میں یہ خیال آ رہا تھا کہ اس "جھوٹ کی دُکان" کو اُٹھا دیا جائے یا اُسے مسلمان بنا لیا جائے۔ حتےٰ کہ انہی دنوں خسرو اسی راستے سے گزر رہا تھا۔ احمق

شہزادے نے اُس کا نیاز حاصل کرنا چاہا۔ خسرو اُس کے ڈیرے کے قریب ہی فروکش ہُوا، اور اُس سے مل کر ادھر اُدھر کی باتیں بھی کیں۔ اُس (گورو ارجن) نے خسرو کی پیشانی پر کیسر بھری اُنگلی لگائی۔ ہندو اپنی اصطلاح میں اسے ٹیکا کہتے ہیں۔ اور اسے شگون سمجھتے ہیں۔ جب یہ واقع میرے کانوں تک پہنچا۔ مَیں نے حکم دیا کہ اُسے حاضر کیا جائے۔ مَیں نے اُس کے گھر گھاٹ اور بچوں کو مرتضےٰ خاں کے حوالے کیا اور اُس کے جملہ مال و اسباب کو ضبط کر کے حکم دیا کہ اُسے اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جائے۔"

مرتضےٰ خاں نے دیوان چندو لال کی نگرانی میں اُنہیں شاہی قلعہ میں بند کر دیا، اور شاہی حکم کے مطابق پُورے پندرہ دن اُنہیں وہ وہ اذیتیں دیں کہ انسانی ہاتھ اُنہیں تحریر میں لاتا ہُوا لرز جاتا ہے۔ اسی دَوران میں مرتضےٰ خاں نے اپنی طرف سے گورو صاحب کی رہائی کے لئے کچھ شرائط بھی پیش کیں۔ مثلاً وہ ایک لاکھ روپیہ جرمانہ ادا کر دیں (جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے) اور گورو گرنتھ صاحب میں بھی کچھ ردّ و بدل کر دیں لیکن گورو صاحب نے اپنے فانی جسم کی خاطر جاودانی آدرشوں کو نثار کرنا قبول نہ کیا۔ اُن کے پائے استقلال میں رتی بھر لغزش نہ آئی اُنہیں گرم جلتی ہُوئی لوحوں پر بٹھایا گیا۔ سرِ مبارک پر تپتی ہُوئی ریت کے کڑچھے ڈالے گئے، اُبلتے ہُوئے پانی میں اُبالا گیا۔ تمام بدن پر آبلے اُٹھ آئے۔ لیکن اس شانتی کے اوتار نے "تیرا بھانا میٹھا لاگے۔ ہر نام پدارتھ نانک مانگے" کی دھُونی جاری رکھی۔

میاں میر صاحب اس دلدوز واقعہ کی اطلاع پا کر اپنے محترم دوست کی سفارش کو آئے۔ لیکن مرتضےٰ خاں نے کہا کہ بادشاہِ وقت کی حکم عدولی ممکن نہیں۔ وہ اس موقعہ پر بے حد غضب ناک ہُوئے۔ لیکن گورو مہاراج نے اُنہیں بھی رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا اُپدیش دیا۔ اور فرمایا ؎

برہم گیانی سب سرشٹ کا کرتا
برہم گیانی سد جیوے نہیں مرتا

(برہم گیانی مہاتما سارے سنسار کی رہنمائی کیا کرتے ہیں۔ وہ ایسی تکالیف میں مرا نہیں کرتے بلکہ ان سے اُنہیں دوامی زندگی ملتی ہے) ایسا کڑا وقت ہی فقیروں کی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔

گورو صاحب کا جسمِ خاکی اور زیادہ اذیت نہ سہار سکا۔ اُنہیں پران تیاگتے دیکھا تو ظالموں نے اُنہیں قلعہ کے باہر بہتے ہُوئے دریائے راوی میں پھینک دیا۔[1]

"بعد از ظہورِ بعضے مقدمات نا ملائم ذاتِ عالی اور بحرِ راوی انداختند" (جو اُن پر تشدّد کی کارروائیاں کرنے کے بعد آنحضور کو دریائے راوی میں پھینک دیا گیا) "عمدۃ التواریخ" منشی سوہن لال جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے درباری مؤرخ تھے) بعض مؤرخین جن میں کننگھم، لطیف، خزان سنگھ اور بلونت سنگھ جیسے شامل ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:-

[1] "بے شمار اذیتوں کے بعد جلاد اُنہیں گائے کی کھال میں سینا چاہتے تھے۔ مگر گورو صاحب نے اِس سے پہلے دریائے راوی میں اشنان کی مہلت چاہی۔ اُنہیں راوی کے کنارے جو اُن دنوں قلعہ کے ساتھ بہتی تھی۔ لے جایا گیا جب گیا۔ آپ دریا میں ایسے اُترے کہ پھر سطح آب پر نہ آئے۔"

گورُو ارجن دیو جی مہاراج ۴۳ سال انسانی جامہ پہنے رہے۔ اِس مختصر زندگی میں آپ نے ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ جن سے قوم کا سر فخر سے بلند ہوتا رہے گا۔ وسطِ پنجاب میں چار شہر بسائے۔ بیسیوں تالاب اور کنوئیں کھُدوائے۔ درجنوں گوردوارے تعمیر کروائے۔ جن میں ہرمندر صاحب عجائبات عالم میں شامل ہے۔ اپنے حُسنِ کردار سے لاکھوں انسانوں کو نیا جیون دیا۔ گورو گرنتھ صاحب جیسی مقدس کتاب تالیف کی۔ جو رہتی دنیا تک خالق و مخلوق کے باہمی تعلق کو استوار کرتی رہے گی۔ آخر میں اپنے دھرم اور آدرش کی رکھشا میں جس سکون اور بُردباری سے شہادت دی، وہ اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ "شکھمنی صاحب" میں آپ نے جس سچے سنت، برہم گیانی اور پُورن پُرش کی نشاندہی کی ہے۔ وہ یقیناً آپ ہی کی ذات تھی۔ ~

رہے بدیہی ویرڑھ، برہم گیانی اتیک
جو برنیو مدھ شکھمنی، پال وکھالیو ٹھیک

آپ سکھ اتہاس میں اولین شہید ہیں۔ اِس لئے انہیں سرتاج شہیداں کہا جاتا ہے۔

گورو صاحب نے اپنے فولادی عزم و عمل سے قوم کو ایک نئی پائیدار حیات بخشی۔ اُن کی کامیاب زندگی سے زیادہ کامیاب موت اپنے ایک ایک عقیدت مند کو یہ عصر ساز پیغام دیتی ہے کہ ~

مرنے والے اِس طرح مر، جینے والے ایسا جی
کچھ سبق دے جائے تیری زندگی بھی، موت بھی

پانچویں پاتشاہی ستگورو ارجن دیو جی کی بانی

صحیح مسلمانوں کی تعلیم کیا ہے؟

(شری گورو گرنتھ صاحب جی صفحہ ۱۰۸۳)

مارو محلہ ۵

اللہ اگم خُدائی بندے ۔ چھوڑ خیال دُنیا کے دھندے
ہوئی پَے خاک فقیر مسافر ۔ ایہہ درویش قبول درا
سچ نماز یقین مصلّے ۔ منسا مار نوارو آسا
دیہی مسیت من مولانا ۔ قلم خُدائی پاک کھرا
شرع شریعت لے کماوو ۔ طریقت ترک کھوج ٹولاوو
معرفت من مارو ابدالا ۔ ملو حقیقت جت پھر نہ مرا
قرآن کتیب دِل ماہیں کماہی ۔ دس اورات رکھو بد راہی
پنچ مرد صدق لے بادھو ۔ خیر صبوری قبول پرا!
مکہ مہر روزہ پے خاکا! ۔ بہشت پیر لفظ کمائی اندازہ
حور نور مُسک خُدایا ۔ بندگی اللہ آلہ حجرا!!
سچ کماوے سوئی قاضی ۔ سو دل سودھے سوئی حاجی
سو مُلاں ملعون نوارے ۔ سو درویش جس صفت دھرا

سلہ یعنی گیان ودارا اپنے آتما میں استنتھی کرو۔ تاکہ تمہارا جنم مرن ختم ہو جاوے۔

رحمت کے اشارے

شوکت علی شوکت پُورن پوری

مقہور کو رحمت کے اِشارے بھی ملے ہیں
کشتی کو تلاطم میں کنارے بھی ملے ہیں

بے سُود و زیاں عشق کا سودا نہیں ہوتا
کیا عشق کے سودے میں خسارے بھی ملے ہیں

اپنا ہی گریباں ہو میرے دستِ جنوں میں
وحشت کو کہیں سے یہ اِشارے بھی ملے ہیں

آگاہ نہیں اپنی حقیقت سے یہ خاکی
اِن خاک کے ذرّوں میں شرارے بھی ملے ہیں

ہر منظرِ فرحت بھی خوش انجام نہیں ہے
شادی میں المناک نظارے بھی ملے ہیں

بس عشق میں مرنا ہی حقیقت میں ہے جینا
کہنے کو بہت عشق کے مارے بھی ملے ہیں

غم بخش دیئے ہم کو یہ احسان ہے اُن کا
کچھ غم تو ہمیں جان سے پیارے بھی ملے ہیں

طوفانِ حوادث سے ہمیں پیار ہے شوکتؔ
رحمت ہی میں رحمت کے اِشارے بھی ملے ہیں

قطعات

شوکت علی شوکت پُورن پُوری

(۱)

دولتِ دین مجھے اَے میرے داتا دیدے
میرے دِل کو تڑپنے کا سلیقہ دے دے
رُوح کی پیاس بجھا دے میری میرے مولا
مئے توحید سے لبریز پیالہ دے دے!

(۲)

شان و شوکت کا تمنائی نہیں ہے شوکتؔ
میرے رَب مجھ کو تُو ایمان کا گلشن دے دے
تجھ سے کچھ اَور نہیں مانگتا ہُوں ربِ جلیل
یہ تمنّا ہے کہ محبوب کا دامن دے دے

(۳)

میرے مالک تُو میرے دَرد میں شدّت کر دے
دِل کے پردوں میں نہاں رازِ حقیقت کر دے
مَیں تیری یاد سے غافل کبھی نہ ہو جاؤں
دُور دُنیا کی میرے دِل سے محبّت کر دے

(۴)

بے خودی دیدے میرے دِل کو محبّت دے دے
میرے دِل کو بھی تڑپنے کی اِجازت دے دے
خاک کے ذرّوں میں جلوہ نظر آئے تیرا
میری بے نُور نگاہوں کو بصیرت دے دے

حضرت محمدؐ صاحب

پیارے ناظرین! جب سے سرشٹی کا آغاز ہُوا ہے۔ دُنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے چلے آئے ہیں۔ ایک نیک خصلت جن کو خدا پرست یا ایشور بھگت کہا جاتا ہے اور دُوسرے بدطینت یعنی راکھشس جن کی فطرت میں ہی بدی ہوتی ہے۔ زمانہ کی رفتار سے کبھی دُنیا میں نیکی بڑھ جاتی ہے اور نیک لوگ عوام کے لئے امن اور راحت کا سبب بنتے ہیں اور کبھی سچائی کا لوپ ہونے سے بدی کا زور ہوتا ہے۔ تب بدطینت لوگ اپنے بد اعمال سے دُنیا کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ وہ نیک لوگوں کو اپنے مکروہ افعال سے ناجائز تنگ کرتے ہیں اور اُن کو کئی طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں جس وقت نیک پُرشوں کی کوئی فریاد سننے والا بھی نہیں رہتا۔ اُس وقت قدرت کی طرف سے اُن کی امداد کے لئے کسی رُوحانی شکتی کا ظہور ہوتا ہے۔ جو کہ بدی کو زیر کر کے نیکی کا پرچار کرتی ہے۔

حضرت محمدؐ صاحب مُلک عرب میں اُس وقت پیدا ہوئے جبکہ عرب کی حالت نہایت ہی بُری تھی۔ جُوا کھیلنا، شراب پینا اُن کے معمولی شغل تھے۔ اُن کا اخلاق اتنا گر چکا تھا کہ ایک آدمی سَو سَو شادیاں کرتا تھا۔ خانہ جنگیاں اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ بات بات پر لڑ پڑتے، اور خون کی ندیاں بہا دیتے تھے۔ بچے جاہلوں کی طرح آوارہ گردی کرتے اور فحش گالیوں سے ہر وقت زبان کو ناپاک کرتے تھے۔ اُن کے چلن وحشیانہ تھے۔ اُن کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ لوگ اتنے جاہل تھے کہ قتل وغارت اور لوٹ مار میں ہی اُن کا زیادہ وقت گذرتا تھا۔ غرض جبکہ عرب کی ناؤ تباہی کے طوفان میں بے طرح پھنسی ہوئی تھی، حضرت محمدؐ صاحب ۵۷۰ء میں شہر مکہ کے قبیلہ قریش میں عبداللہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ جو کہ اُن کی پیدائش سے پہلے ہی راہِ عدم ہو گئے۔ محمدؐ صاحب ابھی چھ سال کے ہوئے کہ اُن کی والدہ بھی انتقال کر گئیں۔ گویا بچپن میں ہی اُن کے سر سے والدین کا سایہ اُٹھ گیا۔ اُن کے بعد اُن کے دادا عبدالمطلب نے اُن کی پرورش کی۔ لیکن شومئے قسمت کہ تین سال بعد وہ بھی فوت ہو گئے۔ پھر اُن کے چچا ابوطالب نے اُن کی تربیت کا خیال رکھا۔

ہونہار بِروا کے چکنے چکنے پات

محمدؐ صاحب کا بچپن گو یتیمی میں گزرا لیکن وہ ابتدا ہی سے تحمل، بُردبار اور خدا ترس تھے۔ وہ دیانت دار اتنے تھے کہ تھوڑے عرصہ میں ہی اُن کے اخلاق کا سکہ اُن کے لاحقین کے دلوں پر جم گیا۔ وہ گوشہ تنہائی میں عرصہ تک خدا کی عبادت میں مشغول رہتے۔

جب اُنہوں نے لگاتار ریاضت سے اپنے نفس پر قابو پا لیا۔ تب اُن کو سچائی اور حقیقت کی روشنی میسر ہوئی۔ اُنہوں نے اس سچائی کا تمام لوگوں میں اعلان کیا۔ لیکن عرب کے جاہل لوگ جن کی فطرت میں ہی بدی شامل ہو چکی تھی۔

اُن کی مخالفت کرنے پر تُل گئے۔ اور محمد صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو انتہا درجہ کی تکلیفات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن محمد صاحب مصمم ارادہ کر کے ہی اپنے مُلک کو راہِ راست پر لانے کے لئے میدان میں اُترے تھے۔ وہ بھلا ان تکلیفات کی کیوں پرواہ کرتے۔ اُنہوں نے اُن کو خیر مقدم کہا اور نہایت خندہ پیشانی سے اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن کی شرافت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ اور بہت سے لوگ اُن کے معتقد ہو گئے۔ چالیس سال کی عمر میں اُنہوں نے نبوت کا اعلان کیا۔ اور اہلِ عرب کو بُرے کاموں سے منع کر کے خدا پرستی کی وعظ سُنائی۔ اُنہوں نے فرمایا، کہ اپنے ہمسایوں سے بُرا سلوک نہ کرو۔ کمزوروں کا مال نہ کھاؤ، بلکہ اُن کی امداد کرو۔ پاک دامن اور ایمان دار بنو۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ جُوا اور شراب خوری کو ممنوع سمجھو، نیک بنو اور نیک اعمال سے اپنے اخلاق کا اثر دُوسروں کے دلوں پر جماؤ۔

خُدا ایک ہے اور اُسی کی عبادت کرو، اُسی کا نُور ہر ایک ذی رُوح میں موجود ہے۔ اس لئے سب کے ساتھ محبت اور اخلاق سے پیش آؤ کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ خدا کی پرستش سے اپنے گناہ آلودہ قالب کو صاف کرو۔ غرضیکہ محمد صاحب کی تعلیم عرب جیسے جاہل مُلک کے لئے بھی راحت ابدی کا سبب بنی۔ اُنہوں نے شریعت پر پابند کر کے اُن لوگوں کو حدود کے اندر سب کام کرنے کا حُکم دیا۔ جہاں وہ سو سو شادیاں کرتے تھے۔ وہاں صرف چار شادیاں کرنے کی پابندی کر دی۔ ایسے ہی خوراک کے متعلق بھی حدِ اعتدال قائم کیا۔ اُن کا مقصد تو نفس کُشی کا سبق سکھانا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی ہدایت کی۔ عین ممکن تھا جب کہ وہ اپنے مُلک کی حالت کو زیادہ بہتر سمجھتے۔ تو مکمل برہمچریہ دھارن کرنے اور چندرائن برت کے لئے اپنے ہموطنوں کو تیار کر لیتے۔ لیکن ان وحشی بد تہذیب اور غیر مہذب لوگوں کے لئے اس شریعت پر بھی چلنا کوئی آسان نہیں تھا۔ اس لئے اُنہوں نے اسی شریعت پر ہی اکتفا کی۔ اُن کا کلمۂ توحید ثابت کرتا ہے کہ وہ برہم گیانی تھے اور لوگوں کو گیان پر لانے کے لئے مشروع میں شرح شریعت پر کاربند ہونے کے لئے زور دیا۔ کیونکہ کرم اور اُپاسنا کے بغیر انتہ کرن شُدھ نہیں ہو سکتا۔

حضرت محمد صاحب نے فرمایا

سبق آؤ محبت کے سب کو پڑھاؤ
ہر اک نفس کو شرافت سکھاؤ

ہر اک شخص کو گمرہی سے بچاؤ
رہِ راستی پر جہاں بھر کو لاؤ

جہاں کو محبت کے جوہر دکھاؤ
اور اک دُوسرے کے دلوں کو ملاؤ

محبت سے اُونچا نہیں کوئی مذہب
سدا ذہن میں اپنے تم یہ بٹھاؤ

کہاں غیر ہے اور کیسے غیر بولیں
جُز ذاتِ باری کہے کچھ تو دکھاؤ

ہوں نیکی کے جذبات دل میں ہمیشہ
بُرے کی بُرائی کو تم بھول جاؤ

اذیت نہ دو تم کسی کو کبھی بھی
کبھی بھی کسی کے نہ دل کو دکھاؤ

نعت

شری نوبت رائے شوخؔ

محمد حبیبِ خدا بن کے آئے
وہ ہر دل کے دُکھ کی دوا بن کے آئے

درِ توبہ گمراہ بندوں پہ کھولا!
شفاعت کی پُر ضو ضیا بن کے آئے

فقط ذاتِ حق ہے پرستش کے لائق
اُسی ایک کے آشنا بن کے آئے

عبادت کے آداب لائے ہزاروں
جہاں میں وہ فضلِ خُدا بن کے آئے

جبینِ محمدؐ ہے سجدوں کی دُنیا
سرِ ارض فخرِ سما بن کے آئے

سرشکِ مجسّم بصد جوشِ گریہ
بصد عجز یکسر دُعا بن کے آئے

لئے ایک صف میں وہ شاہ و گدا کو
بدرگاہِ حق دِلرُبا بن کے آئے

غُلاموں کے کٹوائے طوقِ غُلامی!
وہ اِنسانیت کی صدا بن کے آئے

کنیزوں کی زنجیر کاٹی اُنھوں نے
وہ بیواؤں کا آسرا بن کے آئے

یتیموں کا اِس درجہ تھا دردِ دِل میں
جہاں میں وہ خود بینوا بن کے آئے

عجب سرزمیں ہے، زمینِ عرب بھی
جہاں وہ رسُولِ خُدا بن کے آئے

پیامِ مساوات اور درسِ اخوّت
وہ دردِ بشر کی دوا بن کے آئے

تعصّب جن آنکھوں کی پٹّی نہیں ہے
وہ دیکھیں جہاں میں وہ کیا بن کے آئے

نہیں جس میں کینہ وہ سینہ ہے اُن کا
وہ آئینۂ صد صفا بن کے آئے

جو اوصاف ہیں ذاتِ خیرُ البشر میں
دلیلِ صداقت نما بن کے آئے

کمالِ ثنائے محمدؐ یہی ہے!
کہ وہ افضل الانبیا بن کے آئے

کشش ہے یہ تقریبِ یوم النبی کی
جو تم شوخؔ صدق آشنا بن کے آئے

ہوئی نعت موزوں بتائیدِ غیبی!
یہ الفاظ گوہر نما بن کے آئے

ہوئے دل میں جذبات از خود جو پیدا
زبانِ قلم پر ثنا بن کے آئے

مذہب اسلام کی قابلِ فخر ہستیاں

حضرت موسےٰ

سچی عظمت کی زندہ مثال ہونے کے باوجود انسانی انکسار کی ایک جیتی جاگتی مُورت تھے۔ آپ اپنی قوم کو آزاد و منظم کرنے والے ایک نہایت ہی دانشمند رہنما تھے جنہوں نے مظلوم غُلام ہجُوم کو ایک ایسی بلند خیال قوم بنا دیا۔ گویا اُس کے مُشترکہ قومی جسم میں ایک ہی رُوح کام کر رہی ہے۔ آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔ مصر کے مُرغن گوشت کے پیالوں اور انواع و اقسام کی دیگر نعمتوں کو کمال نفرت سے ٹھکرا کر ایک نئی قوم کو جنم دیا۔ آپ کی زندگی سے ہم سادگی، خود انکاری، حلیمی نیز بہادرانہ سرگرمی اور کوششوں کے شاندار سبق سیکھ سکتے ہیں۔

حضرت علی

آپ حضرت محمدؐ صاحب کے شاگردِ رشید تھے اور داماد بھی۔ آپ مسلمانانِ عرب کے چوتھے خلیفہ تھے۔ آپ نے ۶۵۱ء سے ۶۶۱ء تک حکمرانی کی۔ اسلام کے ابتدائی سُورماؤں کی مانند آپ بھی نہایت سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ جب آپ پہلے مدینہ تشریف لائے، تو اپنی بسر اوقات کے لئے خود کام کیا کرتے تھے۔ آپ زرِ عامہ کے ایک نہایت دیانتدار محافظ ثابت ہُوئے۔ ایک مرتبہ آپ نے حکومت کے خزانے سے اپنے بھائی عاقل کو بھی وقتِ مُقررہ سے پہلے کسی طرح کی امداد دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت عمرؓ

آپ حضرت محمدؐ صاحب کے ایک شاگرد اور مسلمانوں کے خلیفہ دوم تھے۔ آپنے ۶۳۴ء سے ۶۴۴ء تک مسلمانوں کی نئی جماعت پر حکمرانی کی۔ باوجود اپنی کثیر الازدواجی کے سلطنتِ عرب کی حمایت میں جارحانہ جنگ جُوئی اور عقیدتِ اسلامی کے آپ کا شمار نیک فرمانرواؤں میں کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر ایس۔ اے سالک آپ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ حضرت عمرؓ نہایت ہی بے غرض تھے۔ آپ انتہائی غیر جانبداری زبردست قوت ارادی اخلاقی جُرأت اور نظام قائم رکھنے کے متعلق سختی کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ آپ نے مالیہ زمین مُقرر کر کے اُسے مُنصفانہ بنیادوں پر قائم کیا۔ آپ نے ایک نہایت وسیع پیمانے پر سڑکیں اور نہریں بنوائیں، مسافر خانے جاری کیے۔ انصاف رسانی میں پاکیزگی کو محفوظ رکھا۔ عوام کو مُفت تعلیم دلوائی، بُوڑھوں اور اپاہجوں کی پنشنیں مُقرر کیں۔ مذہبی تحمل و برداشت کو ترقی دی، اور غیر مُسلموں کے حقوق کی بھی حفاظت کی۔ ریاستی سرپرستی کی تقسیم میں آپ نے اپنے رشتہ داروں کی ذرّہ بھی طرفداری نہیں کی۔ ایک مرتبہ رات کو گشت کرتے ہُوئے آپ نے ایک عورت کو دیکھا جس کے ارد گرد کئی بچے رو رہے تھے۔ دریافت کرنے پر آپ کو معلُوم ہُوا کہ

بچوں کو کئی گھنٹے سے خوراک نہیں ملی۔ آپ فوراً مدینے واپس آ گئے اور آپ نے اپنے غلام اسلم کو حکم دیا کہ میری پیٹھ پر بہت سا سامان خوراک لاد دو۔ اس کے بعد آپ خود ہی وہ سب سامان اس عورت کے پاس لے گئے۔ اسلم نے بہتیرا عرض کیا کہ حضور میری پیٹھ پر لاد دیجیئے۔ میں لے جاؤں گا۔ مگر نیک دل خلیفہ عُمر نے یہ درخواست منظور نہیں کی۔ آپ نہایت سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ آپ کی پوشاک اکثر پیوند دار ہوتی تھی، اور آپ کی خوراک بھی نہایت سادہ تھی یعنی معمولی روٹی اور زیتون کا تیل آپ کی روزانہ خوراک ہُوا کرتی تھی۔ کبھی کبھی آپ کے دسترخوان پر سرکہ، دُودھ، گوشت وغیرہ بھی آ جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کئی گھنٹہ تک محض اس لیئے اپنے گھر سے باہر آ کر مُلاقاتیوں سے نہیں مل سکے. کہ آپ کے کپڑے دھوئے جا رہے تھے، اور آپ کے پاس پوشاک کا کوئی دُوسرا جوڑا نہ تھا۔ جسے پہن کر باہر چلے آتے یوروشلم فتح کرنے کے بعد جب آپ اس مُقدّس شہر میں داخل ہُوئے اُس وقت آپ کے گھوڑے کے سُم اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ وہ لنگڑا نے لگا آپ اپنے گھوڑے کی یہ قابلِ رحم حالت دیکھ کر فوراً گھوڑے سے اُتر کر پیدل چلنے لگے۔ اس پر کسی شخص نے ایک نہایت بیش قیمت تُرکی گھوڑا اور بہت بڑھیا پوشاک کا ایک جوڑا لا کر آپ کے سامنے پیش کیا۔ لیکن آپ نے اُسے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ شمالی عرب میں سخت قحط پڑ گیا اور آپ نے یہ عہد کیا کہ جب تک قحط دُور نہ ہو جائے گا" تب تک میں دُودھ اور مکھن استعمال نہ کروں گا۔

عبدالقادر جیلانی

بیرن کارا ڈی وا نے آپ کو اسلام کی چند عظیم الشان ہستیوں میں سے ایک مانا ہُوا ہے۔ آپ ایک درویش مُعلّم تھے، اور ایک سلسلۂ اخوت کے بانی مبانی ہیں۔ سالہا سال تک بطور ایک درویش کے بغداد کے قریب رہتے تھے۔ اور ایک کالج میں قانون اور رُوحانیت کے مُعلّم بھی بن گئے۔ آپ کے بعد آپ کے لڑکوں اور مُریدوں نے ہی آپ کے عقائد کا پرچار کیا۔ اور عوام کو خیرات، بُردباری، حلیمی، انکسار اور غریبوں کے ساتھ محبت اور پیار کی عظمت سکھلائی۔ آپ کے سلسلۂ اخوت کے وخنظ اب بھی چین میں پائے جاتے ہیں۔

ضروری نوٹ

سالنامہ "بھگتی انک" جنوری اور فروری ۱۹۷۷ء دو ۲ ماہ کا پرچہ تصوّر کیا گیا ہے۔
ماہ فروری ۱۹۷۷ء میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ناظرین آدم اس کے لیئے خط و کتابت نہ کریں۔

"مینیجر"

پریم اور تلاش

شری سُندر لال مہجورؔ

خدا مال و دولت خدا میری جاں ہے
خُدا کی ہے برکت خدا مہرباں ہے

نہ صحرا میں ڈھونڈو نہ محلوں میں اُس کو
وہ دِل میں نہاں ہے وہ دِل میں نہاں ہے

مبرّا معارف سے جو بھی نظر ہے!
وہ یہ جانتی ہے کہ وہ لامکاں ہے

بنا کِس سے عالم بنایا ہے کِس نے
یہ کیا ہے بھلا اِس کا صانع کہاں ہے

یہ طُرفہ تریں ماجرا سے نہیں کم!
بتاتا تو ہے پر وہ خود بے نشاں ہے

مگر پریم اُس کے ہے پانے کا سادھن
چھُپا وہ کہاں ہے چھُپا وہ کہاں ہے

کوئی جوگ سادھن بتاتا رہا ہے
کوئی کرم کرنے کا کرتا بیاں ہے

نہیں آفرینش جُدا اُس سے ہرگز
فقط ایک اُس کی وہ رُوحِ رواں ہے

پتہ اُس کا کیا خاک مہجورؔ پائے
جو نہ راز ہے نہ کوئی رازداں ہے

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت شمس تبریزی

از۔ حکیم رمل داس جی مضطر

ابتدائی حالات

"حضرت شمس تبریز کا نام صوفیوں کے دائرہ میں جس عزت اور عقیدت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپ کے باکمال بزرگ ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ آپ سُلطان العارفین (گیانیوں کے شاہ) کے لقب سے یاد کیئے جاتے ہیں اور مولانا جلال الدین صاحب رومی آپ کے برگزیدہ شاگردوں میں سے تھے۔

آپ کے والد ماجد کا نام مولوی علاؤ الدین صاحب تھا۔ بچپن سے ہی آپ نہایت سلیم الطبع، خاموشی پسند، اور تنہائی پسند تھے۔ آپ کو دینی اور دُنیاوی فیض شیخ ابوبکر صاحب تبریزی سے حاصل ہُوا تھا۔ جو کہ علوم ظاہری اور باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ حضرت شمس تبریز صاحب نے اس بات کو خود ہی کئی جگہ تسلیم کیا ہے۔

طرزِ معاشرت و عادات

آپ بہت بڑے سیاح تھے۔ اسی نظر سے آپ کو پرندہ کا لقب بھی دیا گیا تھا سیر و سفر سے آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ آپ آزار بند بُن کر اسے فروخت کرتے اور جو کچھ ملتا۔ اُسی پر گُزر بسر کرتے۔ بلکہ فقرا اور مساکین کی حاجت براری بھی اسی رقم سے کرتے رہے۔ سیاہ کمبل کا لباس زیب تن رہا کرتا تھا۔ جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو کسی سرائے میں قیام فرماتے۔ کسی کا زیر بار احسان ہونا آپ کی طبیعت کے بالکل خلاف تھا۔ آپ کا بیشتر وقت عبادت الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ حجرہ کا دروازہ بند کر کے آپ ذکرِ خدا میں مصروف ہو جاتے۔ بعض اوقات تو آپ کئی کئی روز کے بعد دروازہ کھولتے تھے۔

آپ کا خیال تھا کہ زندگی کھانے پینے ہی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ سادہ غذا بھی صرف اس قدر کھانی چاہیئے کہ جس سے جسم اور روح کا تعلق رہے۔ اور بلا تکلیف عبادت الٰہی ہو سکے۔ آپ بازار سے روٹی لاتے اور پانی میں تر کر کے کھاتے۔ ایک بار نانبائی نے آپ کی طبیعت کے خلاف مگر حسن عقیدت کے ساتھ روٹی کو گھی سے چپڑ دیا۔ مگر آپ نے دوسرے روز سے اس کی دکان پر جانا ترک کر دیا۔

آپ جب کسی پر ناراض ہوتے تو دُعا کرتے "یا الٰہی اس کی عمر زیادہ ہو۔ اور مال و زر بافراط نصیب ہو"۔ یعنی جو دُعا فقرا عموماً خوش ہو کر دیتے ہیں۔ وہ آپ ناراضگی کی حالت میں دیا کرتے تھے۔

آپ کے اندر علم، فروتنی اور انکساری کا مادہ بدرجہ غایت تھا۔ اپنے ایذا (تکلیف) دینے والوں کو بھی آپ نے اپنی زبانِ مُبارک سے کبھی بھی بُرا بھلا نہیں کہا، بلکہ ہمیشہ ہی اُن کے لئے دست بدُعا رہتے۔

مولانا رُوم سے مُلاقات

آپ کو اعلےٰ ظرف دوست اور ہم مذاق یار غار کی از حد تلاش تھی۔ کبھی کبھی آپ اِس خیال میں اس قدر منہمک ہو جاتے کہ اپنے تن بدن کی بھی خبر نہ رہتی تھی۔ (آخر) خواب میں الہام ہُوا "رُوم کی طرف جاؤ، دلی مُراد بر آئے گی"۔ انہی دنوں آپ کے پیر و مُرشد حضرت رکن الدین صاحب سنجاسی نے بھی رُوم میں جانے کی تاکید کی۔ الہام کے خیال کو اور تقویت ملی۔ اور "گفتہ او گفتہ الله بود" کے مسلہ کے موافق آپ کو کُلی یقین ہو گیا کہ سرزمینِ رُوم ہی میں دِلی مقصد بر آئے گا۔ پھر کیا تھا۔ چل پڑے۔ قونیہ (ایک شہر کا نام) پہنچکر ایک سرائے میں ٹھہرے۔ اُدھر مولانا رُوم صاحب کے دِل میں بھی باطنی کشش زوروں سے پیدا ہُوئی اور آپ عُلماء و فضلاء کے گروہ کے ساتھ جو کہ آپ کے دائرہ عقیدت میں شامل تھے۔ سرائے کے دروازہ پر پہنچے۔ آنکھوں سے آنکھیں مِل کر ہم کلام ہو گئیں، اور اسی وقت سے ایک دُوسرے کے شیدائی ہو گئے۔ سچ ہے۔

فقر را از چشم و سیمائے او ؎ دیدہ ہر چشمے کہ دارد نُورِ ہُو

یعنی۔ فقر کو ظاہری و باطنی آنکھ سے صرف وُہی دیکھ سکتا ہے، جو کہ نُورِ ہُو میں مِل کر ہُو کا مُجسمہ بن چُکا ہو۔

یہ پہلی ملاقات حسب تحریر پروفیسر رینالڈ اے نکلسن صاحب بتاریخ ۲۶ جمادی الآخر ۶۴۲ ہجری بمطابق ۲۸ نومبر ۱۲۴۴ء کو بمقام قونیہ ہُوئی تھی۔

دوبارہ ہجرت

اِس قسم کی مجالسیں برابر ہوتی رہتی تھیں، نئی نئی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ مگر زمانہ کا رنگ یکساں نہیں رہتا۔ دِن کے ساتھ رات، صبح کے ساتھ شام اور نُور کے ساتھ تاریکی کا دور تسلسل برابر چلتا رہتا تھا۔ جو کل خوشحال تھا۔ آج نانِ شبینہ کا محتاج نظر آتا تھا، جو کل دربدر مارا مارا پھرتا تھا، آج صاحبِ حشمت و جاہ ہے۔ سچ ہے کہ ؎

دو روز ایک حال پہ رنگِ جہاں نہیں
وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں

مولانا رُوم صاحب کو حضرت شمس تبریزی صاحب کا اِس قدر گرویدہ دیکھ کر بد باطنوں کے دِل میں پھر بغض و کینہ نے زور پکڑا، اور سازش کر کے شمس تبریزی صاحب کو دُور دفع کرنے کی فکر میں لگے۔ شمس تبریز صاحب دفعتہً پھر قونیہ سے غائب ہو گئے۔

قونیہ میں واپسی اور قتل

شمس تبریز کی یاد مولانا رُوم کے دِل سے ایک لمحہ کے لئے بھی دُور نہ ہوتی تھی۔ آپ بھی مولانا رُوم کی صحبت

کے لُطف کو فراموش نہ کر سکتے تھے۔ دونوں بزرگوں کے ہی دل میں ایک دُوسرے کے لئے زبردست مقناطیسی کشش تھی۔ چند ہی روز بعد وہ کشش با اثر ثابت ہُوئی اور حضرت شمس تبریز قونیہ میں تشریف فرما ہُوئے۔ مولانا رُوم کی دلی مُراد بر آئی۔ چہرہ پھول کی طرح شگفتہ ہوگیا۔ مُردنی جاتی رہی۔ دوڑ کر بغلگیر ہُوئے، اور زبان مُبارک سے بے ساختہ نکل گیا۔ کہ

مُردہ بودم بوئے یارِ دِل نواز آمد مرا

یار دیگر جاں از تن رفتہ باز آمد مرا

یعنی۔ میں فراقِ یار میں مُردہ سے بھی بدتر تھا۔ کہ اچانک آمدِ یار دلنواز کی خوشبُو نے دماغ کو پھر سے تر و تازہ کر دیا۔ گویا جو جان جسم سے نو دو گیارہ ہوچکی تھی۔ جاناں کے آنے سے پھر جان میں جان آگئی۔

اب سماع کی مجلس دن رات جمنے لگی۔ تشنگانِ حقیقت کے لئے معرفت کا دریا زور شور سے لہرانے لگا۔ حقانیت کا وہ سیلاب آیا کہ لوگ تربتر ہوگئے۔

ایک روز دونوں بزرگ خلوت میں بیٹھے رموز معرفت کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ بد باطن اور سیہ کاروں نے تنہائی کے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر حضرت شمس تبریز صاحب کے شہید کرنے کی ٹھان لی۔ یہ ناعاقبت اندیش تعداد میں سات تھے اور کمین گاہ میں چھپے ہُوئے تھے۔ حضرت شمس تبریزی نے مولانا رُوم صاحب کو مخاطب کر کے ایک شعر فرمایا۔ جس کا مطلب اُردو کے اس شعر سے ملتا جُلتا ہے۔

غنیمت جانئے مل بیٹھنے کو!

جُدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

شعر زبان مُبارک سے ختم بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ ایک شخص نے باہر آنے کے لیے آپ کو آواز دی۔ آپ اُٹھ کھڑے ہُوئے اور مولانا روم صاحب سے بغل گیر ہو کر فرمایا۔ "دوامی مفارقت کا وقت آپہنچا۔ الوداع، الوداع"۔ مولانا رُوم صاحب تصویرِ حیرت بن گئے۔ ایک آہ سرد کھینچی اور بولے۔ "خُدا کی مرضی میں چارہ نہیں۔ اس کا حکم سر آنکھوں پر۔"

مولانا رُوم کا چہرہ پژمُردہ ہوگیا۔ شمس تبریز صاحب کے کمرہ سے باہر نکلتے ہی بے رحم سفاک چھُرے لے کر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے اس زور سے نعرہ مارا، کہ قاتل بے ہوش ہو کر فرش زمین ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش و حواس بجا ہُوئے تو اُنہوں نے خُون کے چند قطروں کے سوا کچھ بھی نہ دیکھا، آپ ایسے معجزانہ طور پر غائب ہُوئے کہ پھر اس شہنشاہ کا کچھ پتہ نہ چلا، اور وہ آفتابِ حقیقت جو اپنے نور سے ایک عالم کو روشن کر رہا تھا۔ ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ یہ واقعہ ناخوشگوار ۶۴۵ھ میں ظہور پذیر ہُوا۔

یُوں تو پیدا ہونا ہی موت کی دلیل ہے۔ جو بھی عالمِ ہستی میں آیا اس کے لیئے فنا ہونا لازمی ہے۔ اور ضروری ہے مگر سب سے قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ان قاتلوں میں مولانا رُوم صاحب کا لڑکا علاؤالدین محمد بھی شامل تھا۔ "دلی کے گھر میں شیطان" کا مقولہ ایسے ہی موقعہ پر صادق آتا ہے۔ سچ ہے۔

۵ پسرِ نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد

(بَدوں کی صحبت لُٹیا ڈبونے کے لئے کافی ہے۔ دیکھو لو، نوح جیسے پیغمبر کا لڑکا جب بَدوں کی صحبت میں آیا۔ تو اس نے خاندانی وقار کو کھو کر ورثہ میں آئی ہوئی نبوت کو بھی گم کر دیا۔)

مولانا رُوم کی گریہ زاری

شمس تبریزی صاحب کی دائمی مفارقت سے مولانا رُوم صاحب کو کس قدر رنج و الم ہوا۔ اس کا اندازہ صرف قیاس سے کیا جا سکتا ہے۔ مولانا رُوم آپ کے سچے رازو مرتبہ شناس تھے۔ کہنے کے لئے دو ہستیاں جُدا جُدا تھیں مگر واقعی بات یہ ہے کہ اُنہیں ایک جان دو قالب کہنا لفظ بہ لفظ صحیح ہوگا۔ مولانا رُوم کے مزاج میں پہلے ہی تنہائی پسندی کی عادت تھی، لیکن اب اور بھی بڑھ گئی۔ دن رات حُجرہ میں غمگین و مَلول بیٹھے رہتے۔ چند دنوں کے بعد ان کے لڑکے علاؤ الدین محمدؒ کا انتقال ہوگیا۔ شمس تبریزؒ کے قتل میں شریک رہنے کی وجہ سے انہوں نے اسے آخری وقت دیکھا تک نہیں، بلکہ اس کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک نہ ہُوئے۔

حضرت شمس تبریزی صاحب کی جُدائی اور مفارقت میں مولانا رُوم صاحب نے بہت سی غزلیں کہی ہیں۔ جو سوز و گداز سے بھری پڑی ہیں۔

مُعجزات

فقرا کی زندگی ہی مُعجزہ کی زندگی ہوتی ہے۔ مرحوم کے متعلق بھی بے شمار مُعجزات بیان کئے جاتے ہیں۔ کوئی کہاں تک سُنائے۔ چند مُعجزات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولانا رُوم اپنے حُجرے میں بیٹھے ہوئے دیوان متنبّی کے مُطالعہ میں مصرُوف تھے اور اس قدر محو ہو گئے کہ نیند آگئی۔ عالمِ خواب میں دیکھتے ہیں کہ عُلماء اور فضلاء میں مباحثہ اور مناظرہ اس زور شور سے ہونے لگا۔ کہ ان میں ہاتھا پائی کی نوبت آگئی۔ آپ نے اُنہیں سمجھایا۔ "افسوس! کیا اس قدر علمیت حاصل کرنے کا نتیجہ یہی ہونا چاہیئے۔ کہ تُم جاہلوں کی طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے رہو"۔ دُوسرے روز صبح کے وقت شمس تبریزی صاحب سے ملاقات ہُوئی مگر خواب کے واقعات دِل پر بُری طرح حاوی ہو رہے تھے۔ آپ نے مولانا کو پریشان دیکھ کر فرمایا کہ "مولانا، اس میں عُلماء کا کوئی قصور نہیں۔ دیوان کے پڑھنے پڑھانے کا یہی نتیجہ ہے"۔ مولانا رُوم صاحب اِس جُملہ کو سُنکر دنگ رہ گئے اور فوراً پابوس ہُوئے (قدم چُومے)

۲۔ آپ نے مولانا رُوم صاحب کو بار بار ہدائیت کی۔ کہ کتابوں کا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو۔ کہ اس سے اُلجھن ہوگی۔ مگر پُرانی عادت کے زیرِ اثر کُتب بینی کا شوق ان کے دِل سے دُور نہ ہُوا۔ ایک روز مولانا نے خواب دیکھا کہ وہ ایک کتاب پڑھ کر اہلِ مجلس کو سُنا رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ضروری تشریح بھی کرتے جا رہے ہیں۔ دُوسرے ہی روز محفلِ سماع میں آپ نے مولانا رُوم صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "مولانا! تم نے کتابوں کا مطالعہ کرنا ابھی ترک نہیں کیا۔ یا

نہیں کر رہے۔ تمہارے لئے ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں رہی"۔ مولانا رُوم صاحب نے دست بستہ عرض کی۔ کہ "مَیں نے تو مدت سے کتب بینی ترک کر رکھی ہے"۔ تب شمس تبریز صاحب ہنسے۔ فرمایا، گذشتہ شب (خواب میں) اہلِ محفل کو کیا سُنا رہے تھے؟ مولانا رُوم نے زبان کھولی (یعنی کہا) کہ وہ تو خواب کا واقعہ تھا۔ آپ نے سمجھایا، کہ عالم بیداری میں جن خیالات سے تعلق رہتا ہے۔ خواب میں بھی وُہی نظر آیا کرتے ہیں۔

سارے اہلِ محفل اس واقعہ کو سُن کر حیرت میں آ گئے۔ اور ان کے دل میں حضرت شمس تبریز صاحب کے لئے عقیدت بڑھ گئی۔

۳۔ مولانا رُوم صاحب ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ کتابیں بھی پاس رکھی تھیں۔ حضرت شمس تبریز صاحب نے فرمایا۔ یہ کتابیں کیسی ہیں؟ جواب ملا۔ یہ سب اہل دُنیا کے بحث مُباحثہ کا دفتر ہے۔ آپ کو اس سے کیا واسطہ؟ حضرت شمس تبریز صاحب نے ساری کتابوں کو اُٹھا کر حوض میں پھینک دیا۔ مولانا رُوم صاحب نے اس بات پر افسوس کیا۔ کہ "ایسی نادر کتابیں آپ نے ضائع کر دیں۔ اب ایسے نسخوں (کتابوں) کا ہاتھ آنا مُشکل ہے"۔

حضرت شمس تبریز صاحب نے اُسی وقت حوض سے ساری کتابیں نکال کر رکھ دیں۔ ساری کتابیں بالکل خشک تھیں۔ ان میں نمی کا نشان تک نہ تھا۔

مولانا نے آپ سے استفسار کیا (پوچھا) حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟

آپ ہنسے۔ یہ فقیروں کے تماشے ہیں۔ آپ کو ان سے کیا غرض؟

مولانا رُوم صاحب پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اس واقعہ نے ان کے دل میں آپ کی سچی عقیدت پیدا کر دی۔

اقوال اور نکتے

۱۔ سب لوگ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں لیکن اگر اس حجاب کو درمیان سے ہٹا دیا جائے، تو پتہ لگ جائے گا کہ سب لوگ ایک دُوسرے کو سجدہ کر رہے ہیں۔

۲۔ جب تک خودی کا ترک نہ ہو گا۔ خدا تک رسائی ناممکن ہے۔

۳۔ بغیر کسی صاحب دل کی مدد کے خدا کی زیارت مُشکل نصیب ہوتی ہے۔

۴۔ دنیوی اشخاص چاہتے ہیں کہ ان کے معشوق کی محبت کا دم کوئی نہ بھرے۔ مگر خدا کے سچے عاشق کی دلی آرزو یہی رہتی ہے کہ ساری دُنیا اسی کے معشوق (خدا) کی شیدائی ہو۔

۵۔ خدا کی راہ پر چلنے کے لئے مُرشد کی مدد لازمی شرط ہے۔

۶۔ جب تک دنیوی تعلقات سے دل نہ ہٹایا جائے گا۔ تب تک وہ خدا کی طرف ہرگز نہ لگ سکے گا۔

۷۔ جس معجزہ کی سمجھ انسان ہو جائے وہ معجزہ ہی نہیں۔ اصلی معجزہ وہ ہے کہ عقل اس کے سمجھنے سے عاجز اور قاصر رہے۔

۸۔ خیرات اس طرح پر ہو کہ داہنے ہاتھ سے دی جائے اور بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہو۔

۹۔ اپنے نفس پر قابو پانا، اور اسے زیر کرنا ہی جہاد ہے۔

۱۰۔ علمیت حجاب اکبر ہے۔ خدا رسی کے لئے صرف سچی تڑپ کی ضرورت ہے۔

۱۱۔ جب خدا کا دیا ہوا رزق کھاتا ہے تو اس کی یاد گی میں غفلت نہ کر۔

۱۲۔ پیدائش موت کی یقینی دلیل ہے۔ پھر اس سے خوف کیوں؟

۱۳۔ علما کو تواضع، اولیا کو حلم، درویشوں کو قناعت، تونگروں کو سخاوت اور عابدوں کو خلوت لازمی ہے۔

۱۴۔ خیرات، بلاؤں (مصیبتوں) کو دور بھگا دیتی ہے۔

۱۵۔ جب تک کوئی شخص بندگی میں پورا نہ اترے۔ اسے کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بندہ کہے۔

۱۶۔ عبادت کے لئے حق حلال کی روزی لازمی شرط ہے۔

۱۷۔ فیاض و بردبار۔ دولت مند، صابر و شاکر درویش، خدا ترس، گناہ گار اور عالم باعمل بمشکل نظر آتے ہیں۔

۱۸۔ جس دل میں یاد خدا نہ ہو۔ وہ اس مکان کی مانند ہے۔ جس میں کبھی چراغ نہیں جلایا جاتا۔

۱۹۔ جو تسلیم و رضا کے طریق کے عامل ہیں۔ وہ نہ تو بہشت کی آرزو رکھتے ہیں، نہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

۲۰۔ فقرا کے لئے ان کا جسم ہی آسمانی کتاب ہے۔

۲۱۔ اگر چاہتے ہو، کہ خدا تعالےٰ تمہارے گناہوں کو بخش دے۔ تو تم بھی اپنے سے چھوٹوں کے قصوروں کو معاف کرو۔ اور بھول جاؤ۔ کبھی کسی کی غیبت اور بدگوئی نہ کرو۔

۲۲۔ یاد خدا سے دل کو کبھی بھی غافل مت ہونے دو۔

۲۳۔ دل آزاری سے بچنا خدا رسی کا پہلا زینہ ہے۔

ہمارا سیکولرازم

پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی

سیکولرازم کا مطلب نہ تو دھرم یا مذہب سے لاتعلقی ہے۔ نہ لامذہب ہے۔ ہمارے سیکولرازم کا مطلب سبھی دھرموں کا احترام ہے۔ اور احترام کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ہم دوسرے دھرموں کو یا مذاہب کو برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ ہم ان کی عزت کرتے ہیں

سیکولرازم ہر آدمی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے کو دیکھے۔ اپنے آپ کو بہتر بنانیکا جتن کرے۔ یہ عظیم سچائی سمراٹ اشوک نے چٹانوں اور کتبوں پر کھدوا دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔ کوئی بھی آدمی تب تک اپنے دھرم کا احترام نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ دوسروں کے دھرم کا بھی احترام نہ کرے۔ جب جب اس سچائی پر عمل کیا گیا۔ تب تب ہندوستان مہان بنا، اوپر اٹھا۔ اسے دنیا میں عزت ملی، طاقت ملی۔ موجودہ دور میں آزادی کے بعد جواہر لال جی نے اس سچائی کو ہمارے لئے جیتی جاگتی اصلیت بنا دیا۔ اس کے بغیر ہمارے دیش کا کوئی مستقبل نہیں ✽

خدا انسان سے

پنجابی کے مشہور شاعر سردار درشن سنگھ جی آوارہ کی ایک نظم کا بعد از چند تصرفات ترجمہ
(از۔ شری دیوودت گوپال ایم اے)

اے دُنیا میں اشرف میرے نُور بندے		خلف میرے دُنیا میں مشہور بندے
اے مذہب کی مستی میں مسرور بندے		اے قسمت پہ شاکر اے مجبور بندے
تُو اب اور سے اور ہی بن گیا ہے
بنایا تھا کیا اور کیا بن گیا ہے

ترا دل تھا پھولوں سے نازک بنایا		ترا دل تھا حساس میں نے بنایا
دیا تیرے تن میں عقل کا جلایا		خمیر ہم نے اُلفت سے تیرا اُٹھایا
تیرے ساتھ جوڑا وہ اُلفت کا رشتہ
کہ کرنے لگا رشک ہر ایک فرشتہ

تیرے حصے آئی تھی سچ کی حمایت		تجھے دیش بھگتی کی حاصل محبت
غریبوں سے اُلفت، غلامی سے نفرت		ترے پاس تھا امن جگ کی امانت
ازل سے تھا قسمت کا اپنی تُو مالک
تھی تیرے لئے نہ غلامی کی کالک

برا لے پہ پکڑے ہیں کیا تُو نے چالے		ترے عمل اب ہیں اماوس سے کالے
تبر تیغ چھریاں سناں اور بھالے		ہے جن سے پڑوسی کا دل چھالے چھالے
تری دیکھ حالت دُکھی ہو رہا ہوں
تری عقل پر میں لہو رو رہا ہوں

جو مسجد گرائی شوالا بنایا		وہاں گوردوارہ ہے تُو نے اُٹھایا
ترا رام اپنا ہے اللہ پرایا		مجھے ایسے جھگڑوں میں تُو نے بُھلایا
مری خلق سے جب ہے پوری یگانہ
تو کیوں ڈھونڈتا ہے میرا آستانہ

چلاتا ہے چھریاں مرا نام لے کر		بناتا ہے فرقے مرا نام لے کر

لڑاتا ہے سب کو مرا نام لے کر دُکھاتا ہے دِل تو مرا نام لے کر
لئے پھرتا بھائی کی خاطر چھُری ہے
تیری پیارے عادت بہت ہی بُری ہے
سدا گوردواروں میں لنگر لگائے ہیں دُنیا میں بے حد شوالے بنائے
مساجد کے منبر ہیں اُونچے کرائے فلک بوس گرجے ہیں تُو نے اُٹھائے
بنے لاکھ دھرمی، پوتر نمازی
نہ یُوں کہہ سکے گا کبھی مجھ کو راضی
کسے تُو بُھلاتا ہے دھوکے میں لاکر تُو دیتا ہے دھوکا نیازیں چڑھا کر
پھنساتا ہے مالا کے پھندے میں لاکر یہ ماتھے پہ لمبا سا قشقہ لگا کر!
حیا سے بھی دھوکا وفا سے بھی دھوکا
تُو کرتا ہے اپنے خُدا سے بھی دھوکا
تُو کس کو ہے آخر چڑھاوے چڑھاتا کسے بھینٹ پھُولوں کی دے کر رِجھاتا
رِیاکاریوں میں گُناہ ہے چھپاتا مجھے بھی تُو آخر ہے رِشوت کھِلاتا
تُو کیا سوچتا ہے کہ اِنسان ہُوں میں
یہ ہے بقول تیری کہ انجان ہُوں میں
ترا کام ہے چوری کا کرنا کرانا ترا کام سرقے کا ہے مال کھانا
ترا کام مُفلس کا ہے خوں بہانا کمائی سے ایسی مجھے بھی کھِلانا
یہ اِنصاف کا گھر ہے تھانہ نہیں ہے
کہ یاں رِشوتوں کا ٹھکانہ نہیں ہے
کبھی کوئی روتا ہنسایا ہے تُو نے؟ کبھی کوئی گرتا اُٹھایا ہے تُو نے؟
کسی ڈوبتے کو بچایا ہے تُو نے کبھی کوئی رُوٹھا منایا ہے تُو نے؟
اگر زخم کوئی نہ اب تک سِیا ہے
عبث پیری پالا نہ کچھ بھی کیا ہے
مساجد میں سر کو جھکا نہ جھکا تُو! گوردوارے پہ ماتھا گھسا نہ گھسا تُو!
منادر میں گھنٹے بجا نہ بجا تُو! مگر دِل نہ اِنساں کا مُطلق دُکھا تُو!
خُدائی کے دِل میں ٹھکانہ ہے میرا
تُو خلقت کا بن جا، بنُوں گا میں تیرا

تُو بن پھول گلشن کی رونق بڑھا دے
گُلوں کی طرح اپنی خوشبو دِکھا دے
تُو کھِل کے کلی بند کوئی کھِلا دے
کسی روتی بُلبُل کو ہنسنا سکھا دے
یہی تیری بھگتی یہی بندگی ہے!
کہ دُنیا میں آنے کا مقصد یہی ہے

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

(اقتباس از کتاب مقالاتِ شبلی)

شہر ازمیر جس کو انگریزی میں سمرنا کہتے ہیں۔ ایشیائے کوچک کی بندرگاہ ہے۔ حضرت شمس تبریز یہاں ہی شہید کیئے گئے تھے "سُلطان ولد جو نرز ہر اکبر" کے خلف الرشید تھے۔ گو مولانا کی شہرت کے آگے اُن کا نام روشن نہ ہو سکا۔ لیکن علوم ظاہری و باطنی میں وہ یگانہ روزگار تھے۔ مولانا کی وفات پر سب کی رائے تھی کہ انہیں کو سجادہ نشین کیا جائے۔ لیکن ان کی نیک نفسی نے گوارا نہ کیا۔ انہوں نے حسام الدین چلپی سے کہا۔ کہ والد ماجد کے زمانہ میں آپ ہی خلافت کی خدمات انجام دیتے تھے۔ اِس لئے آج بھی آپ ہی اِس مسند کو زینت دیجئے۔ حسام الدین چلپی نے ۶۸۴ ہجری میں اِنتقال کیا۔ اِن کے بعد "سلطان ولدؒ اِتفاقِ عام سے مسند خلافت پر متمکن ہُوئے۔ اُن کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ لیکن جب وہ حقائق و اِسرار پر تقریر کرتے تو تمام مجمع ہمہ تن گوش بن جاتا۔ اِن کی تصنیفات میں سے خاص قابلِ ذکر ایک مثنوی ہے۔ جس میں مولانا کے حالات اور واردات لکھے ہیں۔ انہوں نے ۷۱۲ ہجری میں ۹۶ برس کی عُمر میں اِنتقال کیا۔ اِن کے چار صاحبزادے تھے۔ (۱) چلپی عارف جن کا نام جلال الدین فریدوں تھا۔ (۲) چلپی عابد۔ (۳) چلپی زاہد۔ (۴) چلپی واحد۔

چلپی عارف مولانا رُوم کی حیات ہی میں پیدا ہُوئے تھے اور مولانا اُن کو نہایت پیار کرتے تھے۔ سُلطان ولد کے اِنتقال کے بعد باپ کے سجادے پر بیٹھے اور ۷۱۹ھ میں اِنتقال کیا۔ اُن کے بعد اُن کے بھائی چلپی عابد نے مسند فقر کو زینت دی۔ اِن کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔ لیکن نہ اُن کے تفصیلی حالات مِلتے ہیں اور نہ اُن کا ذِکر مولانا کے سوانح نگار کا کوئی ضروری فرض ہے۔

مولانا کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ اِن کے فرقہ کے لوگ جلالیہ کہلاتے ہیں۔ چونکہ مولانا کا لقب جلال الدین تھا۔ اِس لئے اِن کی اِنتساب کی وجہ سے یہ نام مشہور ہُوا ہوگا۔ لیکن آج کل ایشیائے کوچک

شام اُور مصر اُور قسطنطنیہ میں اس فرقہ کو مولویہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نمد کی ٹوپی پہنتے ہیں جس میں جوڑ یا درز نہیں ہوتی۔ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں۔ ذکر وشغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک شخص کھڑا ہوکر ایک ہاتھ سینہ پر اُور ایک ہاتھ پھیلائے رقص (ناچ) شروع کرتا ہے۔ رقص میں آگے یا پیچھے بڑھنا ہٹنا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک جگہ جم کر متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دف (ڈھول) بھی بجاتے ہیں۔ مولانا پر ہمیشہ ایک وجد کی سی حالت طاری رہتی تھی۔ وہ اکثر جوش کی حالت میں ناچنے لگتے تھے۔ مریدوں نے تقلیداً اُس طریقہ کو اختیار کیا۔ صاحب دیباچہ نے لکھا ہے کہ اِس سلسلہ میں جب کوئی داخل ہونا چاہتا ہے، تو قاعدہ یہ ہے کہ چالیس دن چار پایوں کی (گائے، بھینس، اُونٹ وغیرہ) کی خدمت کرتا ہے۔ ۴۰ دن فُقرا کے دروازے پر جھاڑو دیتا ہے، ۴۰ دن آب کشی (پانی لانا) اُور ۴۰ دن فراشی (فرش کی صفائی اُور دھونا) ۴۰ دن ہیزم کشی، ۴۰ دن طباخی، ۴۰ دن بازاری سودا سلف لاتا۔ ۴۰ دن فُقرا کی مجلس کی خدمت گادی، ۴۰ دن داروغہ گری۔ گویا ۳۶۰ دن خدمت کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔ تو غسل دیا جاتا ہے، اور تمام محرمات سے توبہ کرا کر حلقے میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ خانقاہ سے لباس (وہی جامہ) ملتا ہے۔ اور اسم جلالی کی تلقین ملی جاتی ہے۔

مولانا کے مُعاصرین اُور ارباب صحبت

اِسلام کو آج تیرہ سو برس ہوئے، اُور اِس مدت میں اِس نے بار بار بڑے بڑے صدمات اُٹھائے۔ لیکن ساتویں صدی میں جس زور کی ٹکر لگی ——— کبھی اُور قوم کو لگی ہوتی، تو پاش پاش ہو کر رہ جاتا۔ یہی زمانہ ہے۔ جس میں تاتاریوں کا سیلاب اُٹھا اُور دفعتہً اِس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا۔ ہزاروں شہر اُجڑ گئے۔ کم از کم ۹۰ لاکھ آدمی قتل کر دیئے گئے۔ سب سے بڑھ کر بغداد جو تارک اسلام کا تاج تھا۔ اِس طرح برباد ہُوا کہ آج تک سنبھل نہ سکا۔ یہ سیلاب ۶۱۵ھ تاتار سے اُٹھا اُور ساتویں صدی کے آخیر تک برابر بڑھتا گیا۔ یہ سب کچھ ہُوا، لیکن اسلام کا علمی دربار اِسی رواج اُور شان کے ساتھ قائم رہا محقق طوسی شیخ سعدی، خواجہ فریدالدین عطار، عراقی شہاب الدین سہروردی، شیخ محی الدین عربی، صدرالدین قونوی، یاقوت حموی، ابن الفارض، عبد اللطیف بغدادی، نجم الدین رازی، سکاکی، سیف الدین آمدی، شاہ بُو علی قلندر وغیرہ۔ اِسی پُر آشوب عہد کے یادگار ہیں سلطنتیں اُور حکومتیں مٹتی جاتی تھیں لیکن علم وفن کے حدود وسیع ہوتے جاتے تھے۔ اُسی زمانہ میں محقق طوسی نے ریاضیات کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔ یاقوت حموی نے قاموس الجغرافیہ لکھی۔ ضیا ابن بیطار نے بہت سی نئی دوائیں دریافت کیں۔ شیخ سعدی نے غزل کو معراج پر پہنچایا۔ ابن الصلاح نے اصول حدیث کو مستقل فن بنا دیا۔ اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ مولانا اپنے زمانہ کے اُن مشاہیر میں سے اکثر کو ملے تھے۔ لیکن تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ جس قدر پتہ لگتا ہے۔ اُس کی تفصیل یہ ہے:۔ شیخ محی الدین اکبر سے دمشق میں ملاقات ہُوئی۔ مولانا تحصیل علم میں مصروف تھے۔ اور اُن کی عمر ۲۴ برس کی تھی۔ شاہ بُو علی قلندر پانی پت مدت تک مولانا کی صحبت میں رہے اُور اُن سے مستفید ہُوئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی جو شیخ سعدی کے پیر تھے۔ اُن سے بھی مولانا کی

صحبتیں (ملاقاتیں) رہیں۔ علامہ قطب الدین شیرازی بھی مولانا کی زیارت کرنے والوں میں سے ہیں۔ اس سے مولانا کے رُتبے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اِخلاق و عادات

مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے۔ ان کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال رکھتی تھی۔ ان کی سواری جب نکلتی تھی، تو علماء اور طلباء بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا۔ پچھلی زندگی زیادہ تر تصوّف کے نشہ میں سرشار رہتے تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ حد سے زیادہ بڑھا ہُوا تھا۔ رات کو جاگتے رہتے۔ اُن کے پاس بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا۔ قصداً لیٹتے نہ تھے۔ نیند غالب ہوتی، تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔ روزہ اکثر رکھتے تھے۔ دس دس بیس بیس دِن کچھ نہ کھاتے تھے۔ نماز پڑھتے تو وجد طاری ہو جاتا۔ تمام داڑھی اور چہرہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ مزاج میں اِنتہا درجے کا زہد و قناعت تھی۔ تمام سلاطین اور امیر لوگ نقدی اور ہر قسم کے تحفہ جات بھیجتے تھے۔ لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ جو چیز آتی غریبوں میں بانٹ دیتے۔ جب گھر میں کھانے کا کچھ سامان نہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بُو آتی ہے۔ منہ میں ہر وقت ہلیلہ (ہرڑ) رکھتے، تاکہ مُنہ کا مزہ شیریں نہ رہے۔ اُن کو ترکِ لذّات پسند تھی۔ باوجود عظمت و شان کے نہایت بے تکلّف متواضع اور خاکسار تھے۔ ایک دفعہ معین الدین پروانہ کے گھر میں سماع کی مجلس تھی۔ کراجی خاتون نے شیرینی کے دو طبق بھیجے۔ لوگ سماع میں مشغول تھے۔ اِتفاق سے ایک کُتّے نے آکر طبق میں مُنہ ڈال دیا۔ لوگوں نے کُتّے کو مارنا چاہا۔ مولانا نے فرمایا کہ اِسکی بھوک تم لوگوں سے زیادہ تیز تھی۔ اُس نے کھایا تو اُسی کا حق تھا۔ ایک دفعہ مولانا کی زوجہ کرا خاتون نے اپنی لونڈی کو سزا دی۔ اِتفاق سے مولانا بھی اُسی وقت آ گئے۔ سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ اگر وہ آقا ہوتی اور تم اُس کی لونڈی، تو تمہاری کیا حالت ہوتی۔ پھر فرمایا کہ درحقیقت تمام آدمی ہمارے بھائی ہیں۔ کوئی شخص خدا کے سوا کسی کا غُلام نہیں۔ کرا خاتون نے اُسی وقت اُس کو آزاد کر دیا۔ اور جب تک زندہ رہیں۔ غلاموں اور کنیزوں کو اپنے جیسا کھلاتی اور پہناتی رہیں۔ ایک دفعہ مُریدوں کے ساتھ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک تنگ گلی میں ایک کُتّا سو رہا تھا۔ جس سے راستہ رُک گیا تھا۔ مولانا وہیں رُک گئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ اُدھر سے ایک شخص آ رہا تھا۔ اُس نے کُتّے کو ہٹایا۔

مولانا نہایت آزُردہ ہُوئے اور فرمایا کہ ناحق اُس کو تکلیف دی۔ مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میری شُہرت بڑھتی جاتی ہے۔ مَیں بلا (مُصیبت) میں مُبتلا ہوتا جاتا ہُوں۔ لیکن کیا کروں، کچھ تدبیر بن نہیں پڑتی۔ مولانا صاحب خاموشی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اُن کا فرمان تھا کہ فقیر جب خدا کو پہچان لیتا ہے، تو اُس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ مولانا مُفت خوری کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ مولانا کو بالطبع اُمراء و سلاطین (امیر لوگوں) سے نفرت تھی۔ صرف حسنِ خلق کی وجہ سے اُن سے مل لیتے تھے۔ ورنہ اُن کی صحبت سے اجتناب ہی کرتے تھے۔

مولانا پر اکثر استغراق وجد اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی۔ بیٹھے بیٹھے یکبارگی اُٹھ کھڑے ہوتے۔ اور

رقص کرنے لگتے۔ کبھی کبھی چپکے سے کسی طرف نکل جاتے اور ہفتوں غائب رہتے۔ مولانا کے کلام میں جو وجد، جوش اور بے خودی پائی جاتی ہے۔ اوروں کی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ وہ فطرتاً پُرجوش طبیعت رکھتے تھے۔ شمس تبریز کی محبت نے اِس نشے کو اور تیز کر دیا تھا۔

ذات باری

یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ عالم ایک عظیم الشان کل (مشین) ہے۔ جس کے پرزے رات دن حرکت میں ہیں۔ ستارے چل رہے ہیں، دریا بہہ رہے ہیں۔ پہاڑ، آتش فشاں ہیں۔ ہوا جنبش میں ہے۔ زمین نباتات اُگا رہی ہے۔ درخت جھوم رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اِنسان کو خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی پُرزور ہاتھ ہے، جو ان تمام پُرزوں کو چلا رہا ہے۔ اِس کو مولانا اِس طرح ادا کرتے ہیں۔ ؎

دست پنہاں و قلم بیں خط گذار

اسپ در جولان و ناپیدا سوار

مطلب:- قلم لکھ رہا ہے لیکن ہاتھ چھپا ہُوا ہے۔ سوار کا پتہ نہیں، لیکن گھوڑا دوڑ رہا ہے۔

ہر سمجھدار یقین رکھتا ہے کہ جو چیز حرکت کرتی ہے۔ اُس کا کوئی حرکت دینے والا ضرور ہوتا ہے۔ اگر تم اُس کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ تو اُس کے اثر کو دیکھ کر سمجھو۔ بدن جو حرکت کرتا ہے۔ جان (روح) کی وجہ سے کرتا ہے۔ تم رُوح کو نہیں جان سکتے، تو بدن کی حرکت سے اُس کو جانو۔

عالم میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ (جڑ اور چیتن) ایک مادی۔ مثلاً درخت پتھر وغیرہ۔ خیال (من اور بدھی) بھی مادی ہیں (یعنی پرکرتی کا جُز ہیں)

بے انتہا مذاہب اور پیشے سب خیالات کے پرتو ہیں۔

سلسلۂ کائنات پر غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو چیزیں محسوسات اور نمایاں ہیں، وہ اصلی نہیں۔ بلکہ جو چیزیں کم محسوس اور کم نمایاں ہیں یا بالکل غیر محسوس ہیں، وہ اصلی ہیں۔ جو چیز جس قدر زیادہ شرف اور برتر ہے۔ اُسی قدر زیادہ مخفی اور غیر محسوس ہے۔ مثلاً اِنسان میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جسم (استھول شریر) جان (سوکھشم شریر) عقل (انتہ کرن) جسم جو ان سب میں کم رتبہ ہے۔ علانیہ محسوس ہوتا ہے۔ (جان) پر ان اس سے افضل ہے۔ اِس لئے مخفی ہے۔ لیکن باسانی اِس کا علم ہو سکتا ہے۔ مثلاً جب ہم جسم کو متحرک بہ ارادہ دیکھتے ہیں تو فوراً یقین ہو جاتا ہے کہ اس میں جان ہے اور عقل بھی ہے۔ غرض جس طرح جسم کے اعتبار سے مخفی ہے۔ اُسی طرح عقل (بدھی) اس سے بھی مخفی ہے۔ ؎

جسم ظاہر روح مخفی آمدہ است

جسم ہمچو آستیں جاں ہمچو دست

جسم ظاہر اور رُوح پوشیدہ ہے۔ جسم گویا آستین ہے، اور جان گویا ہاتھ ہے۔ پھر عقل (روح۔ پران) سے بھی

زیادہ مخفی ہے۔ کیونکہ حس پران کو جلد دریافت کر لیتی ہے۔ تم کسی چیز میں حرکت دیکھتے ہو، تو یقین کر لیتے ہو، کہ وہ زندہ ہے۔ لیکن یہ نہیں جان سکتے کہ اس میں عقل بھی ہے۔ جب تک اس جسم سے موزوں حرکتیں نہ صادر ہوں۔

ان مقدمات سے ظاہر ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ مادی اور غیر مادی۔ (جڑ اور چیتن) جو ہر لحاظ سے مادے سے بری اور غیر محسوس اور اشرف ہو۔ وہی خدا ہے۔ یہ تمام صورتیں بے صورت (نراکار) سے وجود میں آئی ہیں۔ فاعل مطلق قطعاً بغیر کسی صورت کے ہے۔ صورت اس کے ہاتھ میں بطور آلہ کے ہے۔

خدا کے انکار کی اصلی بنیاد مادے کے مسئلہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ عالم میں جو کچھ بھی ہے مادہ ہی ہے۔ مادے کے خیال کو جس قدر قوت اور وسعت دی جاتی ہے، اسی قدر خدا کے اعتراف سے یقین اٹھتا جاتا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں، کہ خدا عرش پر جاگزیں ہے۔ مولانا نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ بحث سراسر فضول ہے۔ خدا کی نسبت صرف اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ "ہے"۔ پہلے اس کی ہستی پر یقین ہونا چاہیئے۔ باقی یہ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ اس کے کیا اوصاف ہیں؟ ادراک انسانی سے بالکل باہر ہے۔

آفتاب کی روشنی کے سوا۔ آفتاب کے وجود کی اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ سایہ کی کیا ہستی ہے کہ آفتاب بن سکے۔ خدا محسوسات میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ادراک کا کوئی ذریعہ نہیں۔ (یعنی اندریاں اور من بدھی اس کو جان نہیں سکتیں) خدا قدیم ہے اور انسان حادث۔ اس لئے حادث قدیم کو کیونکر جان سکتا ہے۔

روح

روح کے متعلق اہل علم کی رائیں نہایت مختلف ہیں۔ جالینوس اور فیثاغورث کا یہ مذہب ہے کہ روح کوئی جداگانہ چیز نہیں، بلکہ ترکیب عناصر سے جو خواص مزاج پیدا ہوتا ہے، اسی کا نام روح ہے۔ آج کل یورپ کے حکما کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کے نزدیک جسم کی ترکیب کے سوا انسان میں اور کوئی چیز نہیں۔ اسی سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جن کو لوگ روح کے خواص اور افعال سے تعبیر کرتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ہمارے علمائے متکلمین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی بنا پر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ "انسان جب مرتا ہے، تو روح بھی فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا قیامت میں اسی جسم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور اس میں نئے سرے سے روح پھونکے گا۔"

افلاطون اور دیگر حکماء کا یہ خیال ہے کہ روح ایک جوہر مستقل ہے۔ جو بدن سے بطور آلہ کے کام لیتا ہے۔ بدن کے فنا ہونے سے اس کی ذات میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ البتہ آلہ کے نہ ہونے سے جو کام وہ کرتا تھا وہ رک جاتا ہے۔ بوعلی سینا، امام غزالی اور صوفیہ و حکمائے اسلام بھی اسی عقیدہ کے قائل ہیں، اور مولانا روم بھی اسی کے قائل ہیں۔ انسان میں کوئی ایسی بھی چیز ہے جو جسمانی نہیں، اور اسی کا نام روح ہے۔ روح اگرچہ تمام حیوانات میں پائی جاتی ہے۔ تاہم حیوانات میں جو روح ہے، وہ ترقی کی ایک خاص حد ہے۔ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس حد کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے آگے جو درجہ ہے: وہ روح انسانی ہے۔ ہماری روح سے ...... بڑھ کر ملائکہ (دیوتاؤں) کی روح ہے۔

جو حِس مُشترک سے بری ہے۔ خدا کی عقل بے جہت ہے۔ وہ عقل سے بڑھ کر عقل اور رجحان سے بڑھ کر جان ہے۔

رُوح کے خواص اور اوصاف مولانا کے فلسفہ کے مطابق یہ ہیں :-

وہ ایک جوہر مجرد اور جسمانیت سے بالکل بری ہے۔ اس کا تعلق جسم سے نہیں، بلکہ اُس رُوح حیوانی سے ہے۔ جو انسان میں موجود ہے۔ یہ تعلق اس قسم کا ہے۔ جس طرح آفتاب کا آئینہ سے ہے۔ آفتاب اپنی جگہ موجود ہے۔ لیکن اس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے اور اُس کو روشن کر دیتا ہے۔ اِسی طرح رُوح عالمِ ملکوت میں ہے۔ اُس کا پرتو رُوح حیوانی دانتہ کوتا پر پڑتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسان عجیب و غریب قوی کا مظہر بن جاتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو اس جہان سے باہر ہے۔ زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی ہُوا میں اُڑا۔ مُرغ اُڑتا جاتا ہے اور اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔ جسم رُوح کے سایہ کا سایہ ہے۔ جسم کو دل سے کیا نسبت۔ جب آدمی سو جاتا ہے تو رُوح آفتاب کی طرح آسمان پر چمکتی ہے، اور بدن خوابی کپڑوں میں ہوتا ہے۔ (سوپن اوستھا)

رُوح جسم سے بالکل ایک جدا گانہ شے ہے اور چونکہ وہ جوہر مجرد ہے۔ یعنی نہ مادہ ہے نہ مادہ سے مرکب ہے۔ (پانچ عناصر۔ آگ، پانی، مٹی، ہوا سے نہیں بنی) اس لئے اُس کو فنا نہیں۔ انسان دراصل اِسی رُوح کا نام ہے۔ اور یہ جسم اور رُوح حیوانی اس کا قالب ہے۔

قرآن مجید کی اِس آیت میں "قل الروح من امر ربی" جو رُوح کو اَمر کہا ہے۔ اُس کے یہی معنی ہیں۔ عالمِ امر بے جہت ہے۔ یعنی خصوصیات مکان سے مبرا ہے۔ حضرات صوفیہ سب سے زیادہ اِسی مسئلہ پر توجہ کرتے ہیں اور اِس بات کے قائل ہیں کہ :-

من عرف نفسہ فقد عرف ربا

مولانا نے اِس مسئلہ کو بھی نہیں مانا۔ کہ قیامت میں خدا اِسی جسم کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اِسی کے ساتھ رُوح بھی پیدا ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ رُوح جسم سے جدا گانہ ایک جوہر نورانی ہے اور جسم کے فنا ہونے سے اِس پر صرف اس قدر اثر پڑتا ہے۔ جتنا ایک کاریگر پر ایک خاص آلہ کے جاتے رہنے سے۔ رُوح کبھی فنا نہیں ہوتی۔ البتہ جسم ہی فنا ہوتا ہے۔ انسان کا جسم جب مر کر سڑ جاتا ہے تو پھر اس کو دوبارہ زندگی حاصل ہو۔ یہ ناممکن ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے :- ——— "بے شک ہم نے انسان کو خلاصہ خاک سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسکو ایک معین مقام میں نطفہ بنایا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کی پھٹکی بنایا۔ پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اُس کو ایک دوسری مخلوق بنایا (یعنی حیوان سے بالاتر)"

فلسفۂ حال کے مطابق بھی یہ ترتیب صحیح ہے۔ ڈارون کی تھیوری کے مطابق انسان پر جمادی، نباتی، حیوانی سب حالتیں گزری ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈارون رُوح انسانی کا قائل نہیں۔ اِس بنا پر وہ انسان کو الگ مخلوق سمجھتا بلکہ حیوانات ہی کی ایک نوع خیال کرتا ہے۔ جس طرح گھوڑا، ہاتھی، شیر، بندر وغیرہ۔

بہر حال جب یہ ثابت ہُوا کہ انسان پہلے جماد تھا۔ جماد بن کے فنا ہونے کے بعد نباتات بنا۔ نباتات کے فنا ہونے

کے بعد حیوان۔ آخر یہ حالت بھی تو تبدیلی پذیر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حالت فنا ہو کر کوئی اور عمدہ حالت پیدا ہو، اور اِسی کا نام دُوسری زندگی یا قیامت ہے۔ کسی چیز کے فنا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وُہ سرے سے معدوم ہو جائے، بلکہ ایک ادنےٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے لئے ضرور ہے۔ اس لئے فنا سے کیوں جی چراتے ہو۔ یعنی موت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم فنا کو ڈھونڈو اور اِنقلاب کُنندہ کو پُوجو۔ تم سینکڑوں قسم کے حشر کو دیکھ چکے۔ پہلے تم جماد تھے۔ پھر تم میں قوّتِ نمو پیدا ہُوئی۔ پھر تم میں جان آئی۔ پھر عقل و تمیز، پھر حواسِ خمسہ کے علاوہ اور حواس حاصل ہُوئے۔ جب اِتنی فناؤں میں تم فنا نہ ہُوئے۔ تو جسم کی بقا پر کیوں جان دیتے ہو۔ نیا لو اور پُرانا چھوڑو (پُرانا لباس اُتار کر نیا حاصل کرو)

مولانا نے فرمایا کہ کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی بلکہ کوئی دُوسری صُورت بدل لیتی ہے۔ اِنسان دو چیزوں کا نام ہے۔ جسم اور روح۔ رُوح کو آج کل کی سائنس والے تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن کم از کم اُن کو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک قوّت ہے۔ سائنس والوں کے نزدیک دُنیا میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ (۱) مادہ مثلاً خاک، پانی، ہوا وغیرہ اور (۲) قوّت مثلاً حرارت حرکت وغیرہ۔ اِنسان اِنہیں چیزوں کا مجموعہ ہے۔ جسم مادہ ہے اور رُوح قوّت ہے۔

لیکن جب ہم سلسلۂ کائنات میں ایک خاص ترتیب اور نظام دیکھتے ہیں، لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی صانع (بنانے والا) ہو، اور صانع بھی ایسا جو مدبر اور منتظم ہو۔ اور جب یہ ثابت ہُوا، کہ عالم ایک صانع مدبر کا فعل ہے۔ تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی غرض آپ ہو۔ کیونکہ کوئی کام اپنی غرض آپ نہیں ہوتا۔

کیا کوئی نقاش کوئی عمدہ نقش و نگار بغیر کسی مطلب کے بناتا ہے۔ کیا کوئی لکھنے والا کوئی تحریر کی غرض سے لکھے گا۔ نہیں بلکہ پڑھنے کے لئے لکھے گا۔

توحید (وحدت الوجود)

موجودہ علمائے دین کے نزدیک تو توحید کے یہ معنی ہیں کہ خُدا کے سوا اور کوئی خُدا نہیں۔ نہ خُدا کی ذات و صفات میں کوئی اور شریک ہے۔ لیکن حضرات صُوفیہ کے نزدیک توحید کے یہ معنی ہیں کہ خُدا کے سوا اور کوئی چیز عالم میں موجود نہیں ہے یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے۔ سب "خُدا ہی خُدا" ہے۔ اِسی کو ہمہ اوست کہتے ہیں۔

جس طرح حباب اور موج مختلف ذاتیں خیال کی جاتی ہیں۔ لیکن درحقیقت اُن کا وجود پانی کے اور کچھ نہیں۔ دُوسری مثال۔ دھاگے میں جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں۔ اگرچہ دھاگے سے علیحدہ نظر آتی ہیں۔ لیکن دراصل دھاگے کے سوا گرہ کوئی زاید چیز نہیں۔ صرف صُورت بدل گئی ہے۔

قرآن شریف میں بکثرت اِس قسم کی آئتیں موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن، اوّل و آخر جو کچھ ہے خدا ہی ہے۔ ہوالاوّل، ہوالآخر، ہوالظاہر، ہوالباطن۔ مولانا وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اِن کے نزدیک تمام عالم اِسی ہستی مطلق کی مختلف شکلیں اور صُورتیں ہیں۔ اِسی بنا پر صرف ایک ذات واحد موجود ہے۔

عبادت

ارباب تصوف کے نزدیک عبادت کا مفہوم اس سے الگ ہے، جو عام علماء اور ارباب ظاہر بیان کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک عبادت ایک قسم کی مزدوری ہے جس کے صلہ کی توقع ہے یا تعمیلِ حکم ہے جس کے بجا نہ لانے سے سزا کا خوف ہے۔ لیکن تصوف میں عبادت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر کسی توقع یا خوف کے محض محبت الٰہی اس کا باعث ہو۔ ابتداء میں بچہ مکتب میں جاتا ہے تو یا جبراً جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ اس کو انجام یا صلہ کا لالچ ہوتا ہے۔ لیکن جب جوان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس کو علم کا ذوق و شوق پیدا ہو جاتا ہے، تو وہ خوف یا طمع کی بنا پر مکتب نہیں جاتا۔ بلکہ علم کا ذوق اس کو مجبور کرتا ہے۔

اسی بنا پر اربابِ ظاہر عبادت کے لئے اوقات معینہ کے پابند ہیں۔ لیکن اہلِ دل کے لئے ہر وقت عبادت کا وقت ہے۔ ان کے لئے دات کے تمام اوقات بھی عبادت کے لئے کم ہیں۔ (گویا وہ ہر وقت ہی خدا کی یاد میں محو رہتے ہیں۔

سجدہ میں گر پڑوں تو پھر اٹھنا محال ہے
سر کو اٹھاؤں کیونکر رگ رگ میں یار ہے

ہست روزہ ظاہر امساکِ طعام
روزۂ معنی توجہ دان تمام!

ظاہر روزہ یہ ہے کہ کھانا نہ کھایا جائے۔ لیکن معنوی روزہ توجہ الی اللہ کا نام ہے۔ ظاہری روزہ دار منہ بند کر لیتا ہے۔ کہ کوئی چیز نہ کھائے لیکن معنوی روزہ دار آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ کہ خدا کے سوا کسی کی طرف نظر نہ ڈالے۔

قطعات

از شری شانتی سروپ شان

مجھے دُنیا سے کیا لینا مری دُنیا تو تم ہی ہو
جہاں کی ابتدا اور انتہا آخر تو تم ہی ہو
مری آنکھوں میں بس جاؤ مرے دل میں اتر جاؤ
اُٹھا دو بیچ کا پردہ، میری دُنیا تو تم ہی ہو

جسم بے جاں ہوں میں اک تیرے بنا
ماہیِ بے آب ہوں تیرے بنا
زندگی ہے تجھ سے وابستہ مری
چین ہو کیوں پھر مجھے تیرے بنا

خدا ہی خدا

(غزل)

شری سوامی دھرم داس جی

جدھر دیکھتا ہوں خدا ہی خدا ہے
خدا سے نہیں چیز کوئی جدا ہے

جو اوّل اور آخر خدا ہی خدا ہے
تو اب بھی وہی کون اُس کے سوا ہے

ہے آغاز و انجام زیور کا زر میں
میاں[1] میں نہ ہرگز وہ غیرِ طلا ہے

وہی آپ، ہر ایک صورت میں آیا
کہیں آب و آتش - زمین و ہوا ہے

خدا میں دوئی کو جو دیتا دخل ہے
وہی کافر و منکر ۔ اہلِ خطا ہے

کہاں اُس کو دور اور جدا ڈھونڈتے ہو
ہمیشہ ہے حاضر نہ ہرگز چھپا ہے

جسے تم سمجھتے ہو دنیا ۔ اے غافل
یہ کُل حق ہی حق نہ جدا نہ ملا ہے

صفاتی یقین سے ہٹا دل کو دیکھو!
یہی ایک ذاتِ خدا جا بجا ہے

یہی چیز ذاتی - یہی ہے صفاتی!
صرف اِک تعیّن[2] میں دو ہو رہا ہے

نظر آتی ہیں مختلف صورتیں گو
مگر روئے معنی سے سب ایکتا ہے

ہر اک چیز ہستی میں اپنی ہے قائم
نہیں پیدا ہوتا نہیں کچھ فنا ہے

دھرم داس سمجھے گا وہ بات میری
دوئی سے کیا جس نے دل کو صفا ہے

---

۱ بیچ میں - ۲ اُپادھی

میر مادھو

کرشن بھگتی کا ایک لاثانی درشیہ

سلطنت مُغلیہ میں میر مواحد صوبیدار تھے۔ آگرہ سے بادشاہ کی ملاقات سے باریاب ہو کر واپس جا رہے تھے۔ راستہ میں متھرا ٹھہرے۔ قیام کیا۔ اِن کا منشی ہندو تھا۔ بھگوت چرتر کا پریم رکھتا تھا۔ اُس نے عرض کی۔ کہ "برندابن نزدیک ہے۔ ہندوؤں کا مشہور تیرتھ ہے۔ اجازت ہو تو درشن کر آؤں۔"

اجازت لے کر منشی برندابن گیا۔ درشن کر کے واپس حاضر ہُوا۔ تو میر صاحب نے پُوچھا۔ "کیا دیکھا ہے؟"

مُنشی نے عرض کی۔ "جو عُمر بھر نہ دیکھا تھا۔ وہ آنند دیکھا۔"

آپ نے فرمایا۔ "ایسا ہے تو ہمیں بھی دِکھاؤ۔"

اس نے عذر کیا کہ "دُوسری قوم کے لوگوں کو مندر کے اندر اور چرتر لیلا میں جانے نہیں دیتے۔" اِس سے اشتیاق اور بڑھا۔ فرمایا "جس طرح بھی ہو دِکھاؤ"۔ مجبوراً یہ میر صاحب کو ساتھ لے کر برندابن گیا۔ ہندوانہ طرز لباس بنا کر درشن کرائے، بھگوت چرتر دِکھائے۔ وقت آگیا۔ پُورو جنم کے کرم پھل لائے۔ دِل پر نہایت گہرا اثر ہُوا، اور پریم پیدا ہُوا۔ روزانہ درشن کرنے اور بھگوت چرتر دیکھنے سُننے لگے۔ آخر یہ حالت ہوگئی، کہ متھرا آکر سب ڈیرا کو رُخصت کیا۔ بادشاہ کی خدمت میں استعفےٰ بھیج دیا۔ اور آپ سب کچھ چھوڑ برندابن میں آکر رہنے لگے۔ آخر وہیں کے ہوگئے۔ ہر وقت پریم مست رہنے لگے۔ وہ جھانکی من میں بس گئی۔ شری ولبھ کُل آچاریہ وہاں کے نہایت مشہور گوسوامی پرم بھگت شریمد بھاگوت کی کتھا کرتے تھے۔ انہوں نے پہلے غیر کو سُنانے سے اِنکار کیا۔ پھر توجہ و لگن دیکھ کر اور بھگت جان کر میر صاحب کو بھاگوت سُنایا۔ بس شری بھگت وتسل مہاراج کی کرپا سے بھگتی سی نعمت غیر مترقبہ بخشی گئی۔ جیتے جی برندابن سے پھر باہر نہ گئے۔ عام طور پر میر مادھو جی نام پڑ گیا۔ اور بھگت مشہور ہوئے۔ اُس وقت شری کرشن نامہ فارسی زبان میں لکھا اور شری مہاراج جی کا گُنانُواد گایا۔ سری کرشن نامہ میر مادھو جی کا جو فارسی میں ہے، کی چند سطور ملاحظہ فرمائیں:

"کرشن نامہ"

تا کے دریں دُنیائے دُوں — باشی ز غمہا سرنگوں! — فارغ شو از چون و چگوں — سری کرشن گو سری کرشن گو
دُنیا و کارش جُملہ ہا — زشت و زبُوں مکّر و دغا — ہمگیں فنا ہمگیں فنا! — سری کرشن گو سری کرشن گو
از کار ہائے دُنیوی! — گر صاحب دانش توئی — بعبادت فارغ شوی — سری کرشن گو سری کرشن گو
افسوس عمرت شد بسر — در فکر جمع سیم و زر — یادش نہ کردی اے بشر — سری کرشن گو سری کرشن گو

سوامی رام تیرتھ

کرشن بھگتی کی ایک لاثانی مثال زمانہ حال میں

مشن کالج لاہور کی پروفیسری کے زمانے کا ذکر ہے کہ سوامی جی مہاراج کی کرشن بھگتی کی یہ نوبت پہنچ گئی تھی۔ کہ آپ کو دن رات اپنے پیارے کرشن کی یاد کے سوا کچھ نہ سوجھتا تھا۔ ہر وقت اُس کے دیدار کی آرزو اُن کے دل کو پاگل بنائے رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ جہاں بھی کرشن کا نام سُنا یا بنسری کی سی آواز سُنائی دی، بس عشق طاری ہو گیا۔

انہی دِنوں ایک روز کا ذکر ہے کہ سوامی جی شام کو دریائے راوی سے پرے ایک جنگل میں ٹہل رہے تھے۔ آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا رہی تھی۔ کالے کالے بادلوں کو دیکھ کر کچھ دیر تک تو آپ عالم محویت میں رہے۔ پھر زار و قطار رونے لگے اور کہنے لگے۔ "اے کرشن! گھنیشام!! یہ شیام رنگ کے بادل آپ کا رنگ ہیں۔ یہ مجھے ویاکل کر رہے ہیں۔ پیارے اِتنا کیوں ترساتے ہو؟ بتاؤ تو سہی؟ کون سے کنج میں تُم چھپے ہوئے ہو؟ اے بادل! تو اُونچائی سے بہت کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر بتاؤ میرا کرشن کہاں ہے؟ اچھا میں سمجھ گیا۔ تُو نے بھی اُس کی جُدائی کے غم میں اپنا کالا (کرشن) رنگ بنا رکھا ہے۔ کیا تجھ کو اُس پیارے کرشن کا دیدار حاصل نہ ہوگا؟ یہ دُنیا بغیر اُس کرشن کے کاٹ کھائے گی۔ یہ جُدائی کے دکھڑے کس کے آگے روؤں؟ اے کرشن! تمہاری خاطر دوست و اقربا سے مُنہ موڑا۔ دُنیاوی شرم و حیا چھوڑ دی لیکن ناز و نخرے کا ٹھکانا ہی نہیں۔ میرا آپ کے سوا کون ہے؟"

"جانِ من! کب تک ترسا کریں۔ اب صبر نہیں آتا یا تو تُم ملک الموت کو بھیج کر خاتمہ کر دو یا پھر شربت دیدار سے اس تشنہ لب کی پیاس بُجھا دو۔ یہ کس قسم کا دستور ہے کہ محبت کی آگ سے میرا جگر کباب بنا دو، اور آپ دُور ہی دُور سے تماشا دیکھو؟ سُورج کو بغیر مانگے آپ نے جلال بخشا۔ چاند کو شانتی اور خوبصورتی عطا فرمائی۔ پھولوں کو بغیر ہاتھ پھیلائے گُوناگُوں رنگوں سے مالا مال کر دیا۔ کیا ایک مجھ کو گیان بخشنے سے آپ کا خزانہ خالی ہو جائے گا؟ اے کرشن! اگر درشن نہیں دوگے تو یہ طائر رُوح، قفسِ تن سے پرواز کر جائے گی، اور آپ کی یاد میں آنکھیں کھُلی رہ جائیں گی۔ ع "بلب رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم" پیارے بادل! بس یہی الفاظ دُہرا دینا"۔ یہ کہہ کر اے کرشن، کہتے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

کچھ روز بعد کا ذکر ہے کہ سوامی جی لاہور میں نند گوپال کے مندر میں کتھا سُن رہے تھے۔ چند منٹ بعد بچوں کی طرح ہونٹ لب بیار لبسیار کر رونے لگے۔ بہت منع کیا۔ کتھا کرنے والے پنڈت جی نے بھی دِلاسا دِیا۔ پر بے سُود۔ آخر کتھا بند کرنی پڑی۔ کتھا سُننے کے بعد آپ یہی کہتے تھے۔ "اے کرشن! مجھ پر رحم کیجیے۔ درشن دیجیے۔ کیا میں کُبجا کے بندوں سے بھی گیا گزرا ہوں۔ کیا میں بھیلنی سے بھی گیا گزرا ہوں؟ اگر آپ نہ ملے تو چولھے میں جائے یہ علم۔ خاک

میں جائے یہ عزت اور بھاڑ میں جائے یہ جسم"۔

ایک مرتبہ کالج کی گرمی کی رخصتوں میں آپ نے اِرادہ کیا کہ یہ چھٹیاں ایشور بھگتی میں بتائیں گے۔ چنانچہ ایک روز صبح اُٹھ کر راوی کے کنارے پہنچے اور اپنے پیارے کے دھیان میں محو ہو گئے۔ اِتنے میں کوئل کی آواز سُن کر چونک پڑے اور بولے۔"اری کوئل! تیری آواز میں یہ دل آویزی کہاں سے آئی؟ کیا تُو نے اُس بانسری والے کو دیکھ لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اُس سے تُو اُدھار مانگ کر لائی ہے۔ تُو نے اُس پیارے کرشن کو دیکھ لیا ہے۔ سچ بتا۔ وہ ہم سے کس ترکیب سے اور کب ملے گا؟ اری آنکھو! اگر شیام کو تم نہیں دیکھ سکتی ہو تو ابھی پھوٹ جاؤ۔ ارے ہاتھو! اگر پیارے کرشن کے چرن نہیں چھو سکتے۔ تو مَیں تم کو رکھ کر کیا کروں گا؟ گل جاؤ! سڑ جاؤ!!"

دُوسرے دِن گھبرا کر کہنے لگے۔"اے بھگوان! ایک دِن اور گذر گیا۔ آپ کا دیدار نصیب نہیں ہُوا۔ کیا اِسی طرح میری زندگی ضائع چلی جائے گی؟ اِس جنم میں تو مَیں نے کوئی گُناہ بھی نہیں کیا۔ پھر آپ کی جُدائی کے صدمے کیوں برداشت کرتا ہُوں؟"

"اچھا مَیں پاپی گنہگار ہی سہی۔ اب تو مَیں آپ کی شرن آیا ہُوں، بخش دیجئے، جھلک دِکھا دیجئے۔ اے ناتھ! اگر جان دینے سے بھی آپ ملتے ہیں، تو لے لیجئے۔ یہ پران بھی آج آپ کی بھینٹ کئے دیتا ہُوں۔ مجھے آپ کے درشن کی چاہ ہے......!"

یہ کہتے کہتے آپ زار زار رونے لگے۔ آنسوؤں سے کپڑے تر ہو گئے۔ آخر بے ہوش ہو گئے۔ جب آنکھیں کھُلیں، تو ایک کالا سانپ پھنکاریں مارتا ہُوا آپ کے سامنے آکھڑا دِکھائی دِیا۔ آپ اُس کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھے اور کرشن کرشن کہتے ہُوئے اُس کی طرف لپکے اور کہا "مہاراج! آپ نے اِس رُوپ میں درشن دیا۔" یہ کہتے ہُوئے پھر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو سانپ چلا گیا۔ آپ کہنے لگے۔"ناتھ! ملے تو سہی مگر دِل کی دِل میں ہی رہی۔ مَیں تو آپ کی شیام سُندر مُورتی کے درشن کرنا چاہتا ہُوں۔ مَیں تو اُسی خوبصورت جسم میں دیکھوں گا۔ جس پر گوپیاں قربان ہُوئی تھیں۔ اے منموہن!....." یہ کہتے ہُوئے پھر بے ہوش ہو گئے۔ اُس وقت آپ کے دوست نے دروازے کے اندر قدم رکھا۔ جو آپ کی یہ تمام حالت دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔"گوسائیں جی! مُبارک ہے وہ ماں! جس نے آپ جیسے پُتر کو پیدا کیا۔" اِتنے میں آپ ہوش میں آئے اور نہایت زور سے کہنے لگے۔"ارے! وہ ہمارا دِلرُبا کہاں گیا؟ ابھی تو میرے سامنے کھڑا تھا۔ ہائے! اب میری زندگی بیکار ہے"۔

دوست بولا۔"گوسائیں جی! جس کی آپ کو تلاش ہے، وہ آپ کے دِل میں موجود ہے" یہ سُن کر آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سینہ نوچنا شروع کر دِیا، خُون نکل آیا۔ کہنے لگے۔"ارے من موہن! اگر تم دِل ہی میں ہو، تو بچ کر کہاں جاؤ گے۔ ابھی کھوج کرتا ہُوں۔" یہ دیکھ کر دوست گھبرایا اور گوسائیں جی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ "مہاراج صبر کیجئے بھگوان آپ کو ملیں گے۔" گوسائیں جی نے فرمایا۔"کیوں ناتھ! کیا باہر آ گئے؟ کچھ دیر اور نہ آتے تو دیکھتا کہ تم آپ کو کہاں سے نکالتا۔" یہ کہہ کر پھر بے ہوش ہو گئے۔ شام کو اُٹھے اور واپس آ گئے۔ اور

چھُٹیاں بھی ختم ہو گئی تھیں۔

اِس کے کچھ عرصہ بعد آپ متھرا بندرابن میں اپنے پیارے کے رہائشی مقام کی یاترا کرنے گئے۔ جگہ جگہ پر کرشن کا نام سُن کر آپ پر سمادھی لگ جاتی تھی۔ اُنہی دِنوں ۔ ایک روز کے واقعہ کو سوامی جی نے خود اپنی زبان سے بیان کیا ہے کہ آج ہمارے گولو یار (کرشن مہاراج) نے سنان کرتے سمیہ خوب درشن دیئے، اور باہم مٹھ بھیڑ خوب ہوئی۔ یعنی گلے لگ کر خوب گھٹ کر ملے۔ مگر ملنے کے تھوڑے ہی سمیہ بعد ہاتھ پر ہاتھ مار کر گم ہو گئے۔ اور مجھے ویسے ہی اپنے عشق میں بلبلاتا چھوڑ گئے۔

اِس طرح رام تیرتھ جی نے زمانہ حال میں ہی کرشن بھگتی اور درشن کا ایک آدرش دکھایا ہے۔ (اوم شرم)

تیرے حُسن کے جلوے

انکوّی لوک ناتھ جی دِل

یہ چاندنی پُرکیف یہ مخمور ستارے
ہر شے میں نمایاں ہیں تیرے حُسن کے جلوے
یہ ڈالیاں یہ کونپلیں یہ پھول یہ پتیاں
ہر شے میں نمایاں ہیں تیرے حُسن کے جلوے
یہ ہنستے ہوئے پھول یہ رنگین نظارے
ہر شے میں نمایاں ہیں تیرے حُسن کے جلوے
یہ باغ یہ سبزہ یہ ضیا ریز فضائیں
ہر شے میں نمایاں ہیں تیرے حُسن کے جلوے
یہ بہتے ہوئے ندیوں کے پُر نور سے دھارے

یہ ابر تشہ بار یہ بجلی کے اِشارے
یہ شام کی رنگینی سحر کے یہ نظارے
یہ کھِلتے ہوئے غنچے لجاتی ہوئی کلیاں
یہ تتلیاں یہ بھنورے، یہ شبنم یہ گلستاں
یہ لالہ و گلباسی سے نرگس کے اِشارے
یہ آرسی میں اوس کی چاند اور ستارے
یہ پھول یہ گلشن یہ نشہ خیز ہوائیں
یہ زمزمے کوئل کے یہ بُلبُل کی نوائیں
دِل کھینچتے ہوئے چشموں کے پتھریلے کنارے

ہر شے میں نمایاں ہیں تیرے حُسن کے جلوے
یہ بُلبُلے یہ موجیں یہ لہروں کے اشارے

اُجامل

پربھو کے نام سے دُھل جاتا ہے ہردہ بھی پاپی کا

اُجامل کا جنم قنوج میں ایک برہمن گھرانے میں ہُوا۔ لیکن پھر بھی لوگ اُسے پاپی کے نام سے پکارتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے افعال نہایت ہی مکروہ تھے۔ اُس نے سوسائٹی کی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر ایک فاحشہ عورت سے برملا تعلق پیدا کر لیا۔ قمار بازوں میں وہ اُستادِ زماں مشہور تھا، اور مے خوری میں مخمور رہنا تو شاید اُس کی گھٹی میں تھا۔ اِس کے علاوہ بدمعاشی، راہ زنی، چوری اور کوئی کُکام ایسا نہ تھا، جو وہ نہ کرتا تھا۔ وہ یہ سب کچھ کرتا تھا شوق سے ـــــ مگر اُس کی اندرونی ضمیر کبھی کبھی اُسے بیدار کر دیتی تھی کہ جن کاموں میں تم لگ رہے ہو۔ یہ کام ٹھیک نہیں۔ وہ اِس بات کو سُنتا تھا۔ لیکن دبا دینے کے سوائے کوئی بھی چارہ نہ دیکھتا تھا۔

ایک دن اِتفاق سے نہایت ہی برگزیدہ اور کمائی والے چند سادھو قنوج میں وارد ہُوئے۔ اور اُنہوں نے قیام کے لئے کسی سادھو، سیوک کا پتہ دریافت کیا۔ چند مُسٹنڈوں نے بطور مخول اُنہیں اُجامل کے گھر پہنچا دیا سادھو تا دستہ طور پر اُجامل کے گھر پہنچ گئے۔ اُجامل نے جب اپنے گھر میں مہاتماؤں کو آتے ہُوئے دیکھا۔ تو اپنی اِستری سمیت نہایت ہی شردھا اور پریم سے کھڑے ہو کر اُن کا سواگت کیا اور دل میں کہنے لگا کہ ہمارے دھنیہ بھاگیہ۔ ایسے مہاپرشوں کا ہمارے گھر آنا بھگوان کی خاص ہی کرپا ہے۔ وہ جس رُوحانی جس کو ہمیشہ دبا دیا کرتا تھا۔ وہ مہاتماؤں کے درشن سے پھر بیدار ہونے لگ گئی۔ وہ تین دن مہاتما لوگ اُجامل کے گھر رہے، اور اُجامل نے اُن کی بڑی ہی خاطر تواضع کی۔ جب وہ مہاتما باہر جاتے تو اُن کے ساتھ ہی اُجامل بھی اِس خیال سے جاتا کہ کہیں کوئی شخص مہاتما لوگوں کو میرے اعمال سے واقف نہ کر دے۔

جب اِن سادھوؤں کی روانگی کا وقت آیا تو اُنہوں نے اُپدیش کیا کہ نارائن کو یاد کیا کرو۔ اور اگر کوئی لڑکا تمہارے گھر پیدا ہو۔ تو اُس کا نام نارائن ہی رکھنا۔ بھگوت کرپا سے کچھ عرصہ بعد اُجامل کے گھر لڑکا پیدا ہُوا۔ اور اُس نے سنتوں کی ہدایت کے بموجب اُس کا نام نارائن رکھا۔

اِس لڑکے سے ویسے بھی اُجامل کا زیادہ پریم تھا۔ اِس لئے عموماً نارائن کا نام ہی مُنہ پر رہتا تھا۔ نام کی بڑی مہما ورنن کی گئی ہے۔ اب نارائن کا نام اُجامل کے اندر باہر بس گیا اور وہ پاپی سے ایک سچے بھگت کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور جب اُس کی مرتیو ہوئی تو نارائن، نارائن کہتے ہُوئے یوگی اور مہاپُرشوں کی طرح نہایت ہی شانت چت سے ہُوئی۔

(اُوم شم)

کبیر صاحب

(شری پرکاش اُور ائی وششٹ)

نیرو ایک جولاہا تھا۔ بنارس میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن اُسے وہاں کے ایک تالاب لہرتارا کے کنارے پر نوزائیدہ بچہ پڑا ملا۔ اُسے بہت پیار لگا، وہ اُسے اُٹھا کر گھر لے آیا۔ اُسے پالا پوسا وہی بچہ بڑا ہو کر کبیر کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ ہے ایک کہاوت۔ جو کبیر کے جنم کے متعلق بہت مشہور ہے۔ تاہم اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کہاوتیں زبانِ زدِ خلائق ہیں۔

کچھ کبیر پنتھیوں کا یقین ہے کہ کبیر صاحب کا ظہور کاشی کے لہرتارا تالاب میں کنول کے ایک خوبصورت پھول کے اوپر بالک روپ میں ہوا تھا۔ کبیر صاحب سمت ۱۴۵۵ جیٹھ شکلا ۱۵ کو پرگٹ ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ کبیر صاحب جنم سے مسلمان تھے۔ مگر انہیں بڑے ہو کر شری رامانند جی کی صحبت نصیب ہوئی۔ جس سے ہندووانہ بھگتی کا رنگ چڑھ گیا۔ بہر حال اُن کا جنم خواہ کیسے بھی ہوا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ تھے کوئی غیر معمولی آتما ہی۔

یہ بھگوان کی بڑی وچتر لیلا ہے۔ کہ جس شخص کی پیدائش اسی طرح نامعلوم حالت میں ہوئی۔ جو نہایت کس مپرسی کی حالت میں لاوارث پایا گیا۔ اور جس کی پرورش نہایت ادنےٰ سی فضا میں ہوئی۔ اس کے اندر بدھی کا اتنا وکاس تھا۔ اس کے اندر روشن ضمیری اور خداشناسی کا وہ چمتکار پایا گیا کہ ایک زمانہ محو حیرت رہ گیا۔ اور آج تک دُنیا میں اس کا نام بڑی عزت و شردھا سے لیا جاتا ہے۔ نیز اس کے رُوحانی کلام کو مزے لے لے کر پڑھا جاتا ہے۔

کبیر صاحب نے ہوش سنبھالا۔ اُن کی قدرتی رغبت بھگوت بھجن کی طرف تھی۔ ایشور پراپتی کی لگن انہیں بے تاب سی رکھتی تھی۔ مگر بغیر گورو دیو کے کون سیدھا راستہ بتائے۔ یہ کمی تھی۔ جسے کبیر صاحب اندر ہی اندر محسوس کیا کرتے تھے آخر انہیں جگد گورو شری رامانند سوامی جی جیسے مہاپرش سے دیکشا لینے کا فخر حاصل ہوا۔ اس سلسلہ میں بھی ایک روایت ہے کہ:۔

ایک دن کبیر صاحب پہر رات ہی پنچ گنگا گھاٹ کی سیڑھیوں پر جا کر پڑے رہے۔ وہیں سے شری رامانند جی اشنان کرنے کے لئے اُترا کرتے تھے۔ لہٰذا اس دن جب وہ اُترے، تو ان کا پاؤں کبیر صاحب پر پڑ گیا۔ رامانند جی جھٹ "رام رام" بول اُٹھے۔ کبیر صاحب نے انہی پوتر شبدوں کو گورو کی زبان سے نکلا ہوا دیکھشا منتر مان لیا۔ اور شری رامانند جی کو اپنا گورو کہنے لگے۔ سوامی جی بھی ان کی شردھا بھگتی کو دیکھ کر ان پر مہربان رہنے لگے۔ کبیر صاحب بھی خود فرماتے ہیں۔ ؎ "ہم کاشی میں پرگٹ بھئے ہیں، رامانند چیتائے"

مسلمان کبیر پنتھیوں کی رائے ہے کہ کبیر صاحب نے مشہور صُوفی مسلمان فقیر شیخ "تقی" سے دیکھشا لی تھی۔

مگر کبیر صاحب کا اپنا کلام اِس بات کی شہادت دیتا ہے کہ گرو رُوپ سے جتنی انھوں نے شری رامانندجی سے شروعا پرگٹ کی ہے۔ اِتنی شیخ تقی سے نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کبیر صاحب بہت آزاد خیال تھے۔ ذات پات و محدود مذاہب و فرقوں کی حدود سے بالاتر رہتے تھے۔ نیز تعصب و مذہب و ملت کی قید و بند سے پاک رہ کر بلا امتیاز ہندو و مسلمان سنتوں، فقیروں اور اوتاروں و پیغمبروں کی عزت کرتے تھے۔

ان کی زندگی کے حالات صحیح طور پر نہیں ملتے۔ روایت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ گرہستی بھی رہے۔ اُن کی بیوی کا نام "لوئی" تھا۔ ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکے کا نام تھا "کمال" اور لڑکی کا نام "کمالی"۔

کبیر صاحب کپڑے بُننے کا کام کیا کرتے تھے۔ نہایت شُدھ اور پوِتر کمائی سے اُن کی ضروریات زندگی پوری ہُوا کرتی تھیں۔ ہاتھ جب کپڑا وغیرہ بُننے کے کام میں لگے ہوتے تو دل بھگوت چرن کملوں کا بھنورا بنا ہوتا۔ اور زبان ہری نام کے اُچارن کے مزے لیتی۔ اس طرح کی نہایت پاکیزہ کمائی سے کمایا ہُوا بھوجن وہ کھاتے اور ان کا من زیادہ سے زیادہ پاک اور صاف ہوتا گیا۔ گرہستی ہونے کی حیثیت سے وہ سادھو سنتوں کی مہمان نوازی اور ٹہل سیوا میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔ اس لئے ان کے ہاں سادھو سنتوں کا اکثر جمگھٹا رہتا تھا۔ اور کبھی کبھی مہمانوں کی زیادتی سے انہیں فاقہ مستی کا مزا بھی مل جایا کرتا تھا۔

کبیر صاحب کے دوہے اور چوپائیاں ہر اُس شخص کی زبان پر رواں ہیں۔ جس کو ذرا بھی پربھو کی لگن ہے۔ ان کے کلام میں بڑی مٹھاس اور قیامت کی تاثیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کے ایک ایک شبد کو جاودانی حاصل ہے اور ایک ایک شبد میں ان کی رُوح جذب ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ کم حیرت کی بات نہیں کہ کبیر صاحب کچھ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ جیسے وہ خود ہی فرماتے ہیں:-

"مسّی کاغذ چھُوو نہیں، قلم گہو نہیں ہاتھ"

یعنی سیاہی، کاغذ کو چھُوا نہیں اور نہ ہی ہاتھ شناسا ہیں قلم سے۔

یہ عالم تھا ان کی لکھائی پڑھائی کا۔ لیکن ان کے اندر قدرتی شاعری بولتی تھی۔ بھگوان کی بھگتی کی برقی تاثیر سے۔ باطن کی پاکیزگی اور بھگتی کے پرتاپ سے ان کے چہرے پر جلال کھیلتا تھا۔ لوگ ان کی صحبت سے بے حد لُطف اُٹھاتے تھے۔ ہر شخص دیکھتے ہی ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ ان کا کلام اکثر سماج کی بغاوت سے پُر ہے۔ کیونکہ وہ کئی بار توہمات ظاہری پاکھنڈ اور شردھا ہین، پُوجا اور یاترا کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ وہ حقیقت کے پجاری تھے اور سنسار کو بھی مجاز سے اُٹھا کر حقیقت سے شناسا کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اِس لئے ان کے کلام میں بعض شبد تلخ سچائی پیش کرتے ہُوئے بھی وہ تاثیر رکھتے ہیں کہ مخالف دلوں کی تہ تک پہنچے بغیر نہیں رہتے۔ یہ صرف اِسی لئے ہے کہ وہ جس بلند مقام پر پہنچ کر جو کچھ بولتے تھے۔ وہ آکاش بانی سے کم نہ تھا۔

کبیر صاحب کی بانی کا مجموعہ "بیجک" کے نام سے مشہور ہے۔ اِس کے تین حصّے ہیں۔ رمینی، شبد اور ساکھی، اِس میں وِجانت، تتو، ہندو مسلمان کو ان کے پاکھنڈ، اندھ وشواس اور متھیا چار کے لئے پھٹکار، دُنیا کی

بے ثباتی، باطن کی پاکیزگی، مایا، چھوت چھات، بھجن وغیرہ کئی موضوعات پائے جاتے ہیں۔ ان کے کلام کی بھاشا کھچڑی سی ہے۔ یعنی پنجابی، راجستھانی، کھڑی بولی، اودھی، پوربی، برج بھاشا اور مغلائی وغیرہ کئی بھاشاؤں کی شمولیت ہے۔ اس سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبیر صاحب نے یا تو ہندوستان بھر کے تمام صوبوں کی یاترا کی ہوگی۔ یا انہوں نے ہر صوبے کے سنتوں یا لوگوں کی صحبت کا موقع پایا ہوگا۔

کبیر صاحب کو پُرسکون زندگی زیادہ مرغوب تھی۔ وہ اہنسا، ستیہ اور سدا چار وغیرہ نیک اوصاف کے بڑے پجاری تھے۔ انہوں نے بھگوت سادھنا میں پرماتما کو دوست، ماتا، پتا اور خاوند وغیرہ کے رُوپ میں دیکھا اور پُوجا کی۔ کبھی وہ یہ کہتے ہُوئے بے خود ہوتے ہیں۔ "ہری مور پیو۔ میں رام کی بہوریا" اور کبھی یہ گا گا کر مست الست ہوتے ہیں۔ "ہری جننی، میں بالک تورا"۔

کبیر کے کلام، اس کی تاثیر اور بھگتی رس کی دُھوم مچ گئی۔ ان کے پاس ست سنگیوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ لیکن کیرتی کی ان پر بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں وہ اس سے تنگ آگئے۔ کیونکہ انہیں اپنی بڑائی، عزت اور جیون کے لمحوں میں ہلچل پسند نہ تھی۔ چنانچہ وہ مگہر چلے گئے۔ ایک سو انیس برس کی عمر میں ان کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

خُدا کہاں ہے؟

تجھے کیا تلاش ہے بے خبر کہ خدا کہاں ہے کہاں نہیں
وہ ہر اک شے میں ہے جلوہ گر کوئی جا نہیں کہ جہاں نہیں

وہی آنکھ میں تیری نور ہے، وہی دل میں تیرے سرور ہے
وہی پاس ہے وہی دُور ہے، کہوں کس طرح کہ عیاں نہیں

وہی شکل ہے وہی اسم ہے، وہی نوع ہے وہی قسم ہے
وہی جان ہے وہی جسم ہے، یہ ہے راز وہ کہ نہاں نہیں

کبھی کہنا اُس کو نہ لامکاں کہ نہ زمیں و یہ آسماں
وہی ہے عیاں، وہی ہے نہاں، کہاں اُس کا کیا مکاں نہیں

وہی ہے مکاں وہی ہے مکیں۔ وہی ہے زماں وہی ہے زمیں
یہ خلا نہیں یہ ملا نہیں، یہ زمیں نہیں یہ زماں نہیں

وہی شمس ہے وہی ہے قمر، وہی اختروں میں ہے جلوہ گر
وہی ہے فلک وہی بحر و بر، تیری آنکھ ہو تو کہاں نہیں

وہی ہے مکاں میں بسا ہوا، وہی ہے زماں میں رچا ہوا
وہی عالموں میں بھرا ہوا ہے کون یہ کہ یہاں نہیں

وہ اِک نشاں میں ہے نشاں، وہ ہر اک مکاں میں ہے مکاں
نہ وہ لامکاں نہ وہ بے نشاں، کہاں اُس کا نام و نشاں نہیں

وہی راس و جیب وہی پیش و پس، وہی جز وہی کُل ہے
اسے دیکھتا ہوں میں ہر نفس، اے مہر تاب بیاں نہیں

نابھاجی

"بھگتی دھرم اور پریم میں جیون کا ہے سار"

نابھاجی اندھے تھے۔ مُلک میں قحط پڑا۔ اُن کا باپ بچپن سے زمانہ میں بھیک مانگنے کے لئے نکلا تھا۔ راہ میں مر گیا۔ ماں نے بے دردی سے اُن کو ناکارہ سمجھ کر جنگل میں ڈال دیا۔ عمر زیادہ نہیں تھی۔ مگر یہ صاحبِ کمال شخص کسی خاص مشن کے لئے قُدرت کی طرف سے مامور ہُوا تھا۔ بیکسی کی حالت میں ایک جگہ بیٹھا ہُوا تھا۔ مالک کو اُس کی حفاظت اور سلامتی منظور تھی۔ کیلہ جی اور اگرداس جی سادھوؤں کا اُدھر سے گزر ہُوا۔ اُس کو دیکھ کر پُوچھنے لگے، "تو کون ہے؟" اُس نے کہا "تم کیا پُوچھتے ہو، اگر شریر کی نسبت تمہارا سوال ہے تو وہ کیتن بھنگر یعنی ناشوان ہے آج ہے کل نہ ہوگا۔ پانچ تتوں کا بنا ہے۔ جب بگڑے گا تتو اپنے اپنے بھنڈاروں میں جائیں گے اُس کی نسبت مَیں کیا جواب دُوں۔ اور اگر آتما کی نسبت سوال ہے، تو اُس کی ذات پات نہیں ہے۔ نہ اُس میں نام اور رُوپ ہے۔ یہاں بھی تمہارے سوال کا کیا جواب دیا جائے؟"

سادھو اِس جواب کو سُن کر حیرت میں آگئے۔ سمجھے کوئی بہت بڑا سنسکاری جیو ہے۔ لوگوں سے اِس کی قومیت کا حال دریافت کیا۔ معلوم ہُوا۔ یہ قوم کا ڈوم ہے، اور یہ ویشنو مہاتما تھے۔ لڑکے کو اپنے ساتھ لیا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہُوا کہ اُس کی آنکھوں کے پپوٹے ملے ہوئے ہیں۔ اگر اُن کو شگاف دیا جائے تو کیا عجب یہ دیکھنے لگ جائے۔ چنانچہ آنکھیں کھول دی گئیں، آنکھوں میں پانی چھڑکا گیا۔ وہ دیکھنے لگے، اور آہستہ آہستہ قوّتِ بصارت جو دبی پڑی تھی، عود کر آئی۔ یہ اُن کو اپنے ساتھ لائے اور اُن کو گو چیلا تو بنا لیا۔ مگر گلتا جی واقع امبر میں جو جے پور کے علاقہ میں ہے۔ مندر کے باہر جھاڑو دینے کا کام سپرد کر دیا اور نارائن داس نام رکھا۔ اور ویشنوؤں کے جُوٹھے پتل کی بچی کھچی ہوئی خورش اُن کو کھانے کے لئے ملنے لگی۔ نابھاجی قسمت پر راضی ہو گئے اور وہاں رہ کر فقیروں کی خدمت کرتے۔ جھاڑو لگاتے اور سنتوں کے سیت پرشاد پر قانع ہو کر زندگی بسر کرتے۔ اِس طرح اُن کو ست سنگ کا بھی موقعہ مِل گیا۔ اور بھگتی کے سنسکار پیدا ہونے لگے۔

ایک دِن کا ذکر ہے کہ یہ مندر کے باہر جھاڑو دے رہے تھے۔ اوگرداس جی چبوترہ پر بیٹھے ہُوئے دھیان میں محو تھے۔ اُن کو یہ معلوم ہُوا، کہ اُن کے کسی شاگرد پر آفت آئی ہے۔ اور اُس کی کشتی دریا میں ڈوب رہی ہے۔ اُن کو دِل ہی دِل میں دُکھ ہُوا۔ اُسی وقت نابھاجی بول اُٹھے۔ "مہاراج! آپ اِیشور کا دھیان کیجئے۔ کشتی بچ نکلی ہے۔ ڈوبی نہیں۔ مالک نے خیر کی۔ اب اُس کے ڈوبنے کا خوف نہیں رہا۔" یہ سُن کر اگرداس جی کی آنکھیں کھُل گئیں۔

کوئی اِس قسم کے واقعہ کو غلط نہ سمجھے۔ جیسے خواب کی باتیں کبھی کبھی صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ ویسے ہی دھیان کے وقت بھی اکثر زندگی کے واقعات کا من پر صحیح عکس پڑ جاتا ہے۔ جو دِل کے صاف ہیں، اور جن کے مَن کا آئینہ شُدھ ہو گیا ہے۔ وہ اُن کا اچھی طرح "اَنوبھو" کر سکتے ہیں۔ آتم وِدیا کے جاننے والے اس کو بعید از قیاس نہیں جانتے۔ ایسے واقعات معمولی آدمیوں پر بھی گزرتے رہتے ہیں۔ مہان آتماؤں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اور یہ دُنیا کی تمام قوموں میں عام ہیں۔ جو تصوّف کی دَولت سے محروم ہیں، وہ ان کو غلط سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی عقل و ذہنی طاقت کا قصور ہے۔ یوگ کی دِویہ شکتی سب کوئی جانتا ہے اور اِس لئے اِس پر زیادہ بحث کرنا فضول ہے۔

اوگر داس متحیّر ہوئے۔ اور خوش ہو کر کہنے لگے۔ "بیٹا! تیرے اندر کی آنکھ کھُل گئی ہے۔ جا اب جھاڑو دینے کے کام سے تم کو آزاد کیا جاتا ہے۔"

ست سنگ میں مُدتیں گزریں۔ نابھا جی کو بھگتوں کی کہانیاں سُننے سُنانے کا بڑا شوق تھا۔ چونکہ گلتا جی سے اُنہوں نے لکھ پڑھ لیا تھا۔ اور رامانند کی سمپردا کی وجہ سے ذات پات کی جڑ کٹ گئی تھی اور کبیر صاحب کے گُفتا گُمُور شبد کی صدائیں ہر جگہ گونج رہی تھیں۔ یہ بھجن وغیرہ بھی کہنے لگے اور جس وقت اپنے بھجن گانے لگتے۔ ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ گورو نے یہ حالت دیکھی، خوش ہو کر کہنے لگے "نارائن داس! کیا اچھا ہوتا۔ اگر تم بھگتوں کے چرتر گا کر سُناتے"۔ نابھا جی بولے "پربھو! بھگتوں کی مہما نارد اور شیش بھی بیان نہیں کر سکتے۔ میری کیا طاقت ہے۔ جو جُرأت کروں"۔ گورو نے کہا "مالک تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم اپنے دِویہ چکشو سے آکاش منڈل میں بھگتوں کے چرتر کے نقشے دیکھ سکو گے۔ جگت کے اُدّھار کے لئے سنسار کے اُپکار کے لئے اور بھگت جنوں کی بھگتی بھاؤ کے اُتپن کرنے کے لئے اِس کام کو ہاتھ میں لو۔ تم سے بہتر اور کوئی آدمی اِس کام کے قابل نظر نہیں آتا۔" نابھا جی نے گورو کو نمسکار کیا اور یہ مُشکل کام اپنے ذمّہ لیا۔

نابھا جی ہندی بھاشا کے عالم تھے۔ کبیر صاحب کے کلام بالخصوص اُن کی زبان پر چڑھے رہتے تھے۔ مگر جہاں کبیر صاحب کی زبان عام فہم اور دیہاتیوں کی بولی میں تھی۔ اُن کا کلام شُستہ، پاکیزہ اور ذرا مشکل ہے، اور انہوں نے محنتِ شاقہ کر کے اس کو کر ہی لیا۔ کتاب بن کر تیار ہو گئی اور اُنہوں نے گورو کو ارپن کی، جس نے سُنا تعریف کی۔ واہ واہ کی صدا بلند ہوئی۔ اور وہ کتاب "بھگت مال" کے نام سے مشہور ہوئی۔

جب کتاب تمام و کمال ختم ہو گئی۔ اُس وقت نابھا جی اپنے گورو کے ساتھ بنارس میں آئے۔ وہاں کئی جگہ بھگت مال کی کتھا سُنائی گئی۔ جنہوں نے سُنی، عش عش کر اُٹھے۔ پھر یہ صلاح ٹھہری کہ تمام وشنو سادھوؤں کو اکٹھا کر کے اُن سے اُس کے مکمّل کرنے کی رائے لی جائے۔ اِس ارادہ سے سادھوؤں کا بھنڈارہ کیا۔

بھگت مال نابھا جی کی زندگی میں ہی مقبولِ عام ہو چُکی تھی۔ سینکڑوں برس اُس کا پرچار رہا۔ کروڑوں منشیہ اُس کی برکت سے بھوساگر سے ترگئے۔ اُس زمانہ میں اُن کی شاعری کم آدمیوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ اِس حالت کو دیکھ کر سوامی پریا داس جی نے اس کی شرح لکھی۔

رَوی داس

"ہر صُورت بن کر آیا ہے"

بھگت رَوی داس رامانند جی کے چیلے اور کبیر صاحب کے ہمعصر تھے۔ اُن کا جنم چمار جاتی میں ہوا تھا۔ لیکن بھگوان سے اپنے اتھاہ پریم اور آتم انوبھو کے کارن اُن کی مہانتا براہمنوں سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔

"ہون ہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے مصداق بچپن میں ہی آپ کا رُجحان ہری بھجن اور سنت سیوا کی طرف تھا۔ آپ کے باپ کی ملی حالت اچھی تھی۔ آپ کو جو کچھ گھر سے ہاتھ لگتا۔ خدا یاد لوگوں کو کھلا دیتے۔ باپ کو یہ وطیرہ ناگوار گزرا۔ اُس نے ناراض ہو کر علیحدہ کر دیا۔ اور اُنہیں ہوش سنبھالتے ہی اپنے لئے روٹی کمانے کا تردّد کرنا پڑا۔ شادی چھوٹی عمر میں ہی ہو چکی تھی۔ اس لئے ایک جھونپڑی میں ڈیرہ کر لیا اور جوتیوں کو بنانے اور گانٹھنے سے اپنا نرباہ کرنے لگے۔

روی داس جی عموماً اپنے خیال میں محو رہتے تھے۔ اُن کے ہاتھوں سے کام ہوتا تھا۔ مگر اُن کا من ہمیشہ ہی بھگوان کی یاد میں غرق رہتا تھا۔ اُن کے خیال میں جو جاگرت اوستھا میں نظر آتا یا جو باتیں عالم خواب میں دکھائی پڑتیں سب ہی بھگوت رُوپ تھیں۔ اُنہیں زندگی میں ہی ستیہ کی پراپتی ہو چکی تھی۔ وہ "شوم" کی اُپاسنا کرتے ہوئے ہر ایک گھٹنا میں بھلائی ہی دیکھتے تھے، اور اُن کی نگاہ میں اس جگت میں اُس لیلا مئے بھگوان کی خوبصورتی اور سوندریہ کے دریا بہتے تھے۔ اُن کی آتم استھتی کچھ عجیب ہی تھی۔ شانتی اور دھیرج کے تو وہ مجسمہ تھے۔

ایک دن ایک شخص اُن کے پاس آیا اور کرخت سی آواز میں کہنے لگا۔ "او چمار! یہ لے پیسے اور میری جوتی گانٹھ دو"۔ اُس نے اُن کی جگہ پر پیسے بھی پھینک دیا اور جوتی بھی اُتار کر اُن کے آگے رکھ دی اور خود یہ کہہ کر کہ مجھے اس وقت ایک ضروری کام ہے۔ ابھی واپس آتا ہوں۔ میرے آنے تک جوتی تیار ہو۔ چلا گیا۔ روی داس جی نے جوتی اُٹھا کر آگے رکھ لی اور ہاتھ کا کام ختم کر کے اُس جوتی کو گانٹھا۔

تھوڑی دیر میں وہ شخص واپس آ گیا۔ پوچھا۔ "جوتی تیار ہے"؟ جواب میں روی داس جی نے جوتی آگے رکھ دی۔ اور کہا۔ حضور تیار ہے۔ وہ جوتی پہن کر چلا گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر اُسی طرح کی ٹوٹی ہوئی جوتی لے کر واپس آ گیا۔ اور کہنے لگا۔ تم بڑے خراب آدمی ہو۔ ایسا کچا کام کرتے ہو، کہ تمہاری مرمت کے دو گھنٹے بھی نہیں نکالے۔ مزدوری پہلے ہی لے لیتے ہو، اور کام کی یہ حالت ہے۔ غرضیکہ اُس نے بہت ہی سخت سُست کہا۔ روی داس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ "اچھا مہاراج! پھر گانٹھ دیتا ہوں۔ دھاگا کچا رہ گیا ہوگا"۔ روی داس جی نے اب کی دفعہ بھی

جُوتی کو نہایت ہی مضبوطی سے گانٹھا۔ اور گراہک کے حوالے کی۔
مگر گراہک ہے کہ پیچھا چھوڑتے میں ہی نہیں آتا۔ وہ دُوسری دفعہ پھر توڑ کر لے آیا۔ اور اب کے بہت ہی واہی تباہی
کہنی شروع کر دی۔ حتےٰ کہ گالی گلوچ سے بھی فرق نہ رکھا۔ دھیان میں مست روی داس جی نے کہا۔ مہاراج! ناراض نہ
ہو جیے، مَیں پھر گانٹھ دیتا ہُوں۔ گراہک نے کہا اچھا جلدی کر۔ تُم نے میرا بڑا وقت ضائع کیا ہے۔ روی داس جی پھر اُس
جُوتے کو گانٹھنے لگ گئے اور تیسری بار پھر مکمل کر کے دیا۔
لیکن گراہک تو کوئی مخفی تھا۔ وہ شاید رُوی داس جی کے دھیرج اور شانتی کی پریکھشا کر لے آیا تھا۔ نہ اُسے ایک پیسہ
دے کر بار بار غریب موچی کو تنگ کرنے میں جھجک محسوس ہوتی تھی اور نہ ہی اُونچی نیچی بات کہنے میں کوئی تامل۔ وہ
گھوڑ چڑھوں کی طرح اُسی رُعب اور دبدبہ سے پھر آ دھمکا، اور پہلی دو باروں سے بھی زیادہ سخت سُست کہنے لگا۔
رُوی داس جی اپنے رنگ میں محو ان سب گھٹناؤں کو بھگوت لیلا جانتے ہُوئے آنند لے رہے تھے۔ وہ اُسے اپنے پریتم
کی ناز و ادا خیال کئے ہُوئے تھے۔ جب تیسری بار اُس سے مُخاطب ہُوئے تو ہنس کر کہا "تیبریاں توڑیاں کون گانٹھے"
یعنی وہ اُس وقت اپنے بھگوان سے مخاطب ہو رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُسی وقت وہ شخص اُنہیں بھگوان کے رُوپ میں
دِکھائی دِیا اور اُس کے بعد فوراً ہی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔
اِس گھٹنا سے رُوی داس جی کو ساکار رُوپ میں پہلی بار بھگوت درشن ہُوئے اور پھر اُن کے پریم کی گاڑھتا
میں دِن بدن زیادہ ترقی نمودار ہونے لگی۔
رُوی داس ایک نہایت ہی اُونچے پایہ کے بھگت تھے۔ وہ اپنے اندر اور باہر ہر جگہ بھگوان کو دیکھتے تھے۔
وہ ہر رُوپ میں اُسی کا درشن کرتے تھے۔ ہر آواز میں اُسی کی بانی سُنتے تھے، اور اُن کا کھانا پینا، لیٹنا، سونا اور بیٹھنا
سب کچھ ہی سمادھی تھی۔ لیکن پھر بھی ابھیمانی لوگوں میں وہ اچھوت تھے۔ اُنہیں مندر جانے کی اجازت نہیں تھی اور مندر میں
جا کر بھگوان کی مُورتی کے درشن نہ کر سکتے تھے۔ اِس لئے اُنہوں نے اپنی جھونپڑی میں ایک مُورتی چمڑے کی تیار کر کے رکھی۔ اور
اُسی سے اپنا ظاہری نِت کرم کا کام چلانے لگے۔ مگر اہنکاری لوگوں کو اِس پر بھی صبر نہ آیا۔ اور اُنہوں نے چمڑے کی مُورتی
کے خلاف ایک زبردست آندولن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ رُوی داس اُن مہاپُرشوں میں سے تھے کہ جو نِربھے اور دھیریہ
وان ہوتے ہیں۔ جو کسی بھی دُکھ، تکلیف اور مُصیبت سے نہیں ڈرتے۔ جنہیں اپنی نِندا اور اپمان کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی۔
بلکہ جو اپنی نِندا اور اپمان کو اپنے اہنکار کے علاج کے لئے شوق سے استعمال کرتے ہیں۔ حتےٰ کہ جنہیں موت بھی اپنے
گھر کا دروازہ معلوم ہوتی ہے۔ اِس لئے ایسی فضول حرکات کا اُن پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ شرارتی لوگوں نے خود ہی
یہ غوغہ اُٹھایا اور خود ہی کچھ عرصہ بعد جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔
رُوی داس جی کی آمدنی کا ذریعہ صرف جُوتوں کی تیاری اور مرمت تک ہی محدود تھا، اور اُس میں سے بھی
جب کبھی اُن کو کوئی سادھو مہاتما مِل جاتا تو اُسے پہننے کے لئے جُوتی کا جوڑا مُفت دیتے۔ اِس لئے مالی حالت عموماً خراب
رہتی تھی۔ لیکن اِس کی پرواہ کب تھی۔ وہ تو اور ہی دھن سے مالا مال ہو رہے تھے۔

اس تنگ دستی کے عالم میں ایک خدا رسیدہ بزرگ اُن کے پاس آیا۔ آپ نے اُس کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا۔ اُس کی خاطر تواضع کی۔ اُس شخص نے آپ کو سنگ پارس نظر کیا۔ اُس کے اوصاف بتائے۔ اور کہا کہ اِسے احتیاط سے رکھنا۔ رَوی داس جی نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میری دولت اور جائیداد سب کچھ پربھو کا نام ہے۔ جب اُس بزرگ کو معلوم ہُوا کہ رَوی داس جی لالچ سے بلند تر ہیں۔ تو اُس نے اِصرار کے ساتھ کہا کہ میرے کہنے پر ہی اُسے اپنے گھر رکھ لو۔ ممکن ہے کسی وقت کام آجائے۔ مجبور ہو کر رَوی داس جی نے کہا کہ اچھا اِسے میرے چھپر میں ٹانک دو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ جنس قابلِ قبول نہیں۔ تیرہ ماہ کے بعد جب وہ بزرگ واپس آیا۔ تو رَوی داس جی کو بدستور سابق تنگدست ہی پایا۔ اُس نے دریافت کیا کہ سنگ پارس کا کیا ہُوا۔ آپ نے جواب دیا کہ جہاں رکھ گئے تھے وہیں ہوگا۔ چنانچہ اُس شخص نے وہ پتھر وہاں سے اُسی طرح کا رکھا ہُوا اٹھایا اور اپنی راہ لی۔

رَوی داس جی اِتنے تیاگی تھے کہ تیرہ ماہ گھر میں پارس پڑا رہا اور اُس کی طرف دھیان بھی نہیں گیا۔ لیکن پرارَبدھ کے بھوگ بھی بڑے پربل ہوتے ہیں۔ ایک دن کوئی شخص اُن کی پوجا کی چیزیں رکھنے والی ٹوکری میں اشرفیاں ڈال گیا تھا۔ وہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ یہ کون ڈال گیا۔ بہتیرا سوچا، کچھ سمجھ نہ آئی۔ آخر خواب میں انہیں بھگوان کی طرف سے بشارت ہوئی کہ اگرچہ تمہیں دولت کی کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن اس دولت کو قبول کر لو۔ یہ میں نے تمہیں خود بخشی ہے۔ رَوی داس جی نے اُسے قبول کر لیا۔ اور اُس روپیہ سے رفاہِ عام کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی۔ جس میں سادھو سنتوں کی سیوا ہونے لگی۔ سرائے کے ساتھ ہی ایک خوبصورت مندر بنوایا۔ اُس پر سونے کی چھتری لگوائی۔ اور اُسے خوب آراستہ کیا۔

لیکن رَوی داس جی کو اُسی تکلیف کا سامنا ہُوا، جو کہ ایک مالدار بننے والوں کو پیش آتی ہیں۔ براہمنوں نے بنارس کے راجہ سے شکایت کی کہ شاستروں میں یہ اجازت نہیں کہ ایک موچی ایشور کی مورتی بنائے۔ راجہ نے رَوی داس جی کو طلب کیا۔ اُنہوں نے بے خوفی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور راجہ صاحب اُن کی دلائل سے ایسے متاثر ہُوئے کہ حاسد براہمنوں کی کوئی پیش نہ گئی۔

اب اُن کے یش اور کیرتی کی خوشبو اور بھی پھیل گئی۔ چتوڑ کی رانی جھالی نے جب آپ کی شہرت سُنی۔ تو وہ آپ کے درشنوں کو حاضر ہوئی اور آپ کی چیلی بن گئی۔ اس پر اُس کے براہمن خدام بہت ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ رانی کی عقل جاتی رہی ہے۔ وہ چلے گئے اور رانا سے جو اُن کا خاوند تھا۔ شکایت کی۔ اُس نے بھگت جی کو بُلوایا اور براہمنوں کے لگائے ہُوئے الزامات سُنے۔ جنہوں نے ذات پات کی فضیلت پر زور دیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں۔ کہ موچی کو اِس طرح کا رُوحانی اور سوشل اعزاز حاصل ہو۔

رَوی داس جی نے جواب میں کہا کہ "ایشور کو تو جو چیز عزیز ہے، وہ بھگتی ہے۔ وہ جات پات کا خیال یا لحاظ نہیں کرتے۔" اِس پر براہمنوں نے ویدوں کے پرمان نکالے۔ تین گھنٹے متواتر وید منتر پڑھتے رہے۔ لیکن وہ راجہ کو قائل نہ کر سکے۔ برخلاف اس کے رَوی جی کی رُوحانی شان نے راجہ کے دل کو ہر لیا اور وہ علی الاعلان اِسی دربار میں

اپنی رانی کی طرح رویدا اس جی کا معتقد بن گیا۔

اس کے بعد رانی جھالی نے چتوڑ پہنچ کر بھگت روی داس جی کی ادھیکشتا میں ایک بڑا بھاری یگیہ کیا۔ اس اوسر پر رانی نے بہت کچھ دان کیا اور ریاست کے بڑے بڑے پنڈتوں کو بلوایا۔ مگر براہمنوں کے اندر اہنکار کا وہی چور تھا۔ اُنہوں نے مشورہ کیا کہ رانی کا پکا ہُوا بھوجن نہ لیں بلکہ کچی رسد لے کر اپنا بھوجن خود پکائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ مگر مہا پُرشوں کی عظمت چھپانے سے ہرگز نہیں چھُپ سکتی۔ وہ جس جگہ پر قدم رکھتے ہیں۔ بمثل سونا ہو جاتی ہے۔ اُن کے چرنوں کی دھول میں شہنشاہوں کے تاج لڑھکتے ہیں۔ دیوتا اُن کا درشن پا کر اپنے آپ کو پرم سوبھاگیہ وان خیال کرتے ہیں۔ جونہی سب براہمن کھانا کھانے بیٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہر دو براہمنوں کے درمیان بھگت روی داس جی براجمان ہیں۔ بس پھر کیا تھا سب براہمن اُن کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور اُن کے چیلے بن گئے۔

(اوم شم)

ہمن ہیں عشق کے ماتے

از۔ مہاتما ولی رام جی

ہمن ہیں عشق کے ماتے
نہیں کچھ مال کی پرواہ!
ہمن کو خشک روٹی بس
سرے پر ایک ٹوپی بس
قبا شالہ وزیروں کو!
ہمن جیسے فقیروں کو!
جنہوں کے سخن سیانے ہیں
ہمن عاشق دیوانے ہیں
کیو ہم درد سا کھاتا

ہمن کو دولتاں کیا رے
کسی کی منتاں کیا رے
کمر کو یک لنگوٹی بس
ہمن کو عزتاں کیا رے
زری زربفت امیروں کو
جگت کی نعمتاں کیا رے
اُنہیں کو خلق مانے ہے
ہمن کو مجلساں کیا رے
لیو ہم بھسم کا باتا!!

ولی بس شوق من بھاتا
کسی کی مصلحتاں کیا رے

رُوحانی ہدایات

(از قلم شری سوامی شوانند جی سرسوتی)

۱۔ صبح چار بجے اُٹھو۔ یہ برہم مہورت ہے۔ اور ایشور کا دھیان کرنے کے لئے از حد موافق ہے۔

۲۔ آسن۔ آدھ گھنٹہ تک پدم سِدھ یا سُکھ آسن میں بیٹھو۔ آہستہ آہستہ بڑھا کر تین گھنٹہ تک لے جاؤ۔

۳۔ جاپ۔ اپنے وچار یا مرضی کے مطابق کسی منتر مثلاً صرف اوم یا اوم نمو نارائنائے یا اوم نمو شوائے یا نمو بھگوتے واسدیوائے" یا شری سیتارام۔ ہری اوم۔ یا گایتری منتر کا ۱۰۸ سے لیکر ۲۱۶۰ بار روزانہ جاپ کرو۔ (۲۰ مالا × ۱۰۸ = ۲۱۶۰)۔

۴۔ خوراک کی پابندی۔ مرچ۔ کھٹائی۔ لہسن۔ پیاز۔ ترش چیزیں۔ تیل۔ رائی اور ہینگ کا استعمال چھوڑ دو۔ خوراک میں اعتدال سے کام لو۔ (مِت آہار) معدہ پہ زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ سال میں پندرہ روز کے لئے وہ چیزیں کھانی چھوڑ دو۔ جن کو من بہت چاہتا ہو۔ سادہ خوراک کھاؤ۔ دودھ اور پھل دھیان جمانے میں مدد دیتے ہیں۔ خوراک کو بطور دوائی کے اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے کھاؤ۔ سواد یا مزے کے لئے کھانا پاپ ہے ایک مہینہ کے لئے نمک اور کھانڈ کا استعمال ترک کردو۔ چاول۔ دال اور روٹی پر بغیر کسی قسم کی چٹنی کے گزارا کرنے کے قابل بنو۔ اگر دال میں نمک کم ہو یا دودھ اور چائے میں کھانڈ کم ہو۔ تو اور ہرگز نہ ڈالو۔

۵۔ دھیان اور جاپ وغیرہ کے لئے ایک علیحدہ کمرہ رکھو جس کو تالا لگا رہے۔

۶۔ خیرات۔ ہر مہینہ اپنے اوقات کے مطابق دان کرو۔

۷۔ سوادھیائے۔ باقاعدہ گیتا۔ رامائن بھاگوت۔ وشنو سہسر نام۔ اُپنشد۔ یا یوگ وششٹ کا آدھ گھنٹہ سے ایک گھنٹہ تک مطالعہ کرو۔

۸۔ ہلکی جسمانی ورزش مثلاً سیر وغیرہ باقاعدہ کرو۔

۹۔ جیون شکتی یعنے ویرج کی بہت حفاظت سے رکشا کرو۔ ویرج ایشور ہے۔ (اس کا ظہور باو بھوتی ہے) ویرج تمام طاقت ہے۔ ویرج تمام دھن ہے ویرج ہی زندگی۔ وچار اور بُدھی کا جوہر ہے۔

۱۰۔ اپنے پرارتھنا کے شلوک یا ستوتر زبانی یاد کرلو۔ اور جپ یا دھیان شروع کرنے سے پہلے آسن پر بیٹھتے ہی ان کو گاؤ۔ اس سے من جلدی اونچا اُٹھیگا۔ ۱۱۔ ایکادشی کو برت رکھو۔ یا اگر برت نہیں رکھ سکتے تو ہلکی

غذا مثلاً پھل اور دودھ کھاؤ۔ ۱۲۔ تمباکو۔ مانس اور شراب وغیرہ بالکل ترک کردو۔ ۱۳۔ ہر روز دو گھنٹہ مون (خاموشی) اختیار کرو۔ ۱۴۔ کسی طرح بھی ہو ہمیشہ سچ بولو۔ تھوڑا بولو اور میٹھا بولو (مشٹ بھاشن) ۱۵۔ اپنی ضرورت کو کم کرو۔ اگر تمہارے پاس چار قمیض ہیں تو دو یا تین سے گزارہ کرو۔ ۱۶۔ غصہ کو پریم۔ کشما اور دیا سے قابو کرو۔ ۱۷۔ نوکروں کے سہارے مت رہو اپنے اوپر بھروسہ رکھنا سب سے اچھی خوبی ہے۔ ۱۸۔ رات کو سونے سے پہلے سوچو کہ تم نے دن میں کون کون سی غلطیاں کی ہیں۔ ۱۹۔ صبح جاگتے ہی اور رات کو سونے سے ٹھیک پہلے ایشور کا دھیان کرو۔

ॐ

میری بیکلی

از شری لچھمن داس جی آہوجہ

دِل جس سے تڑپ جائے وہ جلوہ چاہیئے

اے بھگوان! کہتے ہیں۔ تُو نرگن ہے تُو نراکار ہے۔ تُو نرلیپ ہے تُو خیال و وہم سے بالا ہے۔ تیری کوئی مُورتی نہیں ——

یہ سب صحیح سہی۔ پر مَیں کیا کروں۔ میں تو حُسن کا پُجاری ہوں۔ مَیں تو عاشق ہوں۔ میرے ہردے کی بیکلی تیرے اس سُروپ کے دھیان سے نہیں جاتی۔

مرا دل تجھے پیار سے دیکھنے کو تڑپتا ہے۔ میں اپنے آپ کو تیرے قدموں پر پھینک دینے کو ترستا ہُوں۔ لوگ کہتے ہیں۔ تیرا خیال غلط۔ تیرا سودا بے سُود۔ تیری کامنا بے ارتھ۔

پر مَیں کیا کروں۔ دِل کی بیکلی سے مجبُور ہوں۔ مَیں ہی نہیں کوئی اور طالبِ دیدار بھی میری طرح اپنی آتما کی تڑپ سے مجبُور ہو کر پکار رہا ہے۔

دُہ تیرے دیکھنے کی آنکھیں یہاں کہاں —— اے جلوۂ حقیقت رنگِ مجاز ہو جا۔

پر یہی، اپنے پیارے کو اپنی آنکھوں سے ہی دیکھ کر پرسن ہوتا ہے اُس کے نقش سے اُس کے عکس سے درشن کی ابھلاشا اور تیز ہو جاتی ہے۔

یہ چاند۔ یہ ستارے اَتی سندر ہیں۔ تیری ہی یاد دلاتے ہیں۔ ان میں تُو ہی تو جلوہ گر ہے۔ تیرا ہی پرکاش

ہے۔ ان کی جیوتی تیری جیوتی سے ہے۔

میں اِن سے پیار نہیں کر سکتا۔ میں ان کے قدموں میں نہیں لوٹ سکتا۔ یہ پہاڑ۔ یہ لالہ زار یہ آبشار۔ سب تیری ہی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر اپنے آپ کو ان پر کیسے نچھاور کروں۔

یہ دریا۔ یہ نرمل پانی۔ یہ اگنی۔ یہ آکاش۔ سب پکار پکار کہتے ہیں۔ کہ ان میں تو ہی تو ہے مگر میں ان کے قدموں میں جبینِ نیاز نہیں رگڑ سکتا۔ میں تو کہتا ہوں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں ——— کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

تو عیاں ہے۔ تو نہاں ہے۔ تو ہر جگہ ہے۔ تو کہاں نہیں ہے۔

تو مجھ میں ہے۔ میں تجھ میں ہوں۔

یہ سب ٹھیک ہے۔ اے بھگون تیرا پریمی۔ تیرا طالبِ دیدار۔ تیرا بھگت کچھ اور ہی چاہتا ہے۔ تیرا پجاری کسی اور ہی معبود کا متلاشی ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ جلوہ ہو جس کے سامنے یہ سب مات پڑ جائیں۔ یہ سب بھول جائیں۔ سب کچھ بھول جائے محو ہو جائے

تو ہو۔ تیرا جلوہ ہو اور گوشۂ تنہائی

کنول کی طرح رہوں۔ اور جل سے نرلیپ رہوں۔ جیسے دانتوں میں زبان رہتی ہے۔ ایسے رہوں۔ اس مایا روپی سنسار میں ایسے رہوں۔

تجھ سے پیار کروں۔ مگر تجھے دیکھوں نہ۔ صرف تیری سرشٹی کو دیکھوں۔ اور اسی میں تیرا جلوہ دیکھوں۔

نہیں نہیں۔ میں اس مایا میں تجھے اور تیرے روپ کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اپنے آپ کو بھولنا چاہتا ہوں۔ بھول نہیں سکتا۔ یہ مایا کا پردہ نہیں اُٹھ سکتا ہے۔

ہو شہود شاہد راز کا یہ مٹے طلسم مجاز کا ——— کبھی اے حقیقت منتظر ترے رخ سے پردہ جو باز ہو

جیسے شمع کو دیکھ کر پروانہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے ایسے ہی تجھے دیکھوں اور اپنے آپ کو بھول جاؤں۔ تیرے بنائے سنسار کو بھول جاؤں۔ اپنے اردگرد کو بھول جاؤں اور۔ اور۔ ہو سکے تو پروانے کی طرح تجھ میں کود کر سما جاؤں۔ کامنا ہے تو یہی ہے۔ تیرے قدموں پہ مرا سر ہو۔ تیرے دل پہ مرا دل ہو اس کے بعد کچھ ہو۔ تو کچھ نہ ہو۔"

" اوم شانتی شانتی شانتی "

سجدہ میں گر پڑوں تو پھر اُٹھنا محال ہے
سر کو اُٹھاؤں کیونکر رگ رگ میں یار ہے

بھگوان کی یاد

از شری سوامی ہنس سروپ جی مہاراج

دو گھڑی کیواسطے دل شاد کر لیتا ہوں میں — جب ملی فرصت تمہاری یاد کر لیتا ہوں میں
دِل اُجڑ جائے تو پھر آباد کر لیتا ہوں میں — من پھنسے وشیوں میں تو آزاد کر لیتا ہوں میں

تیرا ہی اک آسرا ہو اور سہارا ہو سدا
ہنس کو بس اور کچھ نہ چاہیئے تیرے سوا

تُو اگر ہے مہرباں تو ساری دُنیا مہرباں — تُو اگر ہے پاسباں تو ساری خلقت پاسباں
تو نگہباں ہے اگر تو کیا یہاں اور کیا وہاں — کُل جہاں محتاج ہے سرتاج ہو جانِ جہاں

جب نظر مہر کی تیری ہنس پہ ہو جائے گی
ہنس کی ہنسی خوشی آیُو بسر ہو جائے گی

رُوحانی اشارے

زندگی کا فلسفہ

۱۔ کیوں بے فایدہ فکر کرتے ہو کِس سے فضوُل ڈرتے ہو۔ کون تُمہیں مار سکتا ہے۔ آتما نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔

۲۔ جو ہُوا سو اچھا ہُوا۔ جو ہو رہا ہے سو اچھا ہو رہا ہے۔ جو ہوگا سو اچھا ہوگا۔ تم گذشتہ کا افسوس مت کرو۔ آئیندہ کا خوف نہ کرو۔

۳۔ تمہارا کیا گیا جو تم روتے ہو۔ تُم کیا لائے تھے جو کھو دیا؟ تُم نے کیا پیدا کیا جو ناش ہو گیا۔ نہ کچھ تم لے کے آئے۔ جو لیا یہیں سے لیا۔ اور جو دیا یہیں پر دیا۔ جو دیا اُسی کو دیا۔ خالی ہاتھ آئے سو خالی ہاتھ چلے۔
جو آج تمہارا ہے کل کِسی اور کا تھا، پرسوں کِسی اور کا ہوگا۔ نہ یہ کِسی کا تھا، نہ یہ کِسی کا ہے، نہ یہ کِسی کا ہوگا۔ یہ پانی، مِٹی، آگ اور ہوا کا ہے۔ تُم اِس کو اپنا سمجھ کر خوش ہوتے ہو اور یہی خوشی تمہیں ناخوش کر رہی ہے۔

۴۔ تبدیلی دُنیا کی جان ہے۔ جس کو تُم موت سمجھتے ہو، یہی تو زندگی ہے۔ ایک منٹ میں تُم کروڑوں کے وارث اور دُوسرے لمحہ میں لاوارث بن جاتے ہو۔ میرا تیرا، چھوٹا بڑا، اپنا بیگانہ، دِل سے ہٹا دو۔ پھر سب تمہارا ہے اور تم سب کے ہو۔

(گیتا)

مہاتما ولی رام

"ایک کہوں جے دُوجا ہوئے"

مہاتما بنوالی رام جی ولی ایک عارف کامل فقیر ہو گزرے ہیں۔ آپ عام طور ولی رام کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر آپ کا اصلی نام بنوالی رام تھا۔ اور شاعرانہ تخلص ولی۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔ رُباعی

اِسم بدنم نیست بجزُ بنوالی		در شعر تخلصم ولی اے والی
گر در نگری باصل ذاتم یابی		زِ اسم و جسم در تخلص خالی

یعنی میرے بدن کا نام بنوالی ہے اور اے صاحب! شعر گوئی میں میرا تخلص ولی ہے اگر تو میری ذات کی اصل میں نگاہ ڈالے تو میں اسم، جسم اور تخلص سے خالی ہوں۔

آپ اورنگ زیب کے پُرانے حضور نویس تھے۔ جب بُوڑھے ہو گئے۔ تو بادشاہ اُنہیں بائیں ہاتھ کے اِشارے سے اپنے پس پشت بٹھلا دیتا تھا۔ اور بلا ضرورت کھڑے رہنے کا حکم نہ دیتا تھا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا۔ کہ دربار شاہی چھت کے اُوپر آراستہ ہُوا اور بادشاہ آفتابگیر کے سایہ میں بیٹھ کر شاہی امورات میں ایسا مشغول ہُوا۔ کہ اُسے اپنے بوڑھے حضور نویس کو بٹھلانے کا خیال ہی نہ آیا۔ آپ ایک پہر تک کھڑے رہے۔ آخر بڑھاپے کی کمزوری اور آفتاب کی حرارت سے بیتاب ہو کر بلا اجازت گھر کو دوڑے اور جو کچھ نقد و جنس سے پایا۔ اپنے متعلقین، آشناؤں، مسکینوں اور محتاجوں کو بانٹ دیا۔ اور ایک لُنگی نیچے اور ایک اُوپر لیکر دریائے جمنا کے کنارے بیٹھکر یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔

جب بادشاہ کو اِس بات کا علم ہُوا تو اُن کی خدمات کو یاد کر کے زیارت کے لئے گیا اور حضرت کو نیند سے بیدار کر کے معذرت چاہی۔ آپ نے جواب دیا کہ جب میں بندے کا بندہ تھا۔ سُورج کی دھُوپ میں ایک پہر تک کھڑا رہا۔ مگر آپ نے میری طرف نگاہ نہ کی۔ اَب جبکہ اُس بندہ پرور کی راہ میں صرف ایک قدم رکھا ہی ہے۔ آپ میرے دیدار کے لیئے دوڑے آئے ہیں۔ اس حالت میں آپ نے فارسی میں چند اشعار پڑھے جن کا مطلب حسب ذیل ہے:

مطلب: ۱۔ میری آنکھ نے جو کچھ بھی دیکھا ہے اُسے ہی دیکھا ہے میرے کان نے جو کچھ بھی سُنا ہے اُسی کو سُنا ہے۔

۲۔ مجھ میں میری طرف سے دیکھنا اور سُننا نہیں ہے وہ آپ ہی اِن صفتوں سے میرے اندر ظاہر ہو رہا ہے

۳۔ اگر تو خدا چاہتا ہے تو اپنے اندر غوطہ لگا۔ کیونکہ تیرا خدا تیرے اندر ظاہر ہو رہا ہے۔

۴ - جس نے گوشۂ معرفت قبول کیا۔ اُس نے بے حد خزانہ پا لیا۔

۵ - تو ایک وجود ہے اور حق تیرے اندر موجود ہے۔ جو شخص اِس حقیقت کو دیکھتا ہے وہ اپنے وجود کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔

۶ - جس نے فقیری کے پیالے سے شراب کو چکھا ہے وہ ابد تک کب ہوش میں آئے گا۔

۷ - سچ مچ میری ہستی فنا ہے اے ولی! جو کچھ باقی ہے۔ وہ خود ہی توحید میں رہے۔

فارسی میں دیوان ولی اور مثنوی ولی آپ کی دو مشہور تصانیف ہیں۔ جو حقائق اور معارف سے پُر ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کا ہندی کلام بھی نہایت ہی نفیس اور پُر مغز ہے چنانچہ اس کا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

جو دیسے سب سوئی سوئے — ایک کہوں جے دُوجا ہوئے
کہن نیچ نہ کیوں ہی آوے — جے کوئی کہے پاچھے پچھتاوے
سب پکھُ ہوئے بنیو سب ماہیں — کھیل بنایو ہے اور ناہیں
آپ بلاس سرب گھٹ باسی — آپے ہی گھٹ اج ابناشی
نِرا بھاس سوئی سا بھاسی — سب ہی سب میں سہج نواسی
جو نہیں آدی انت میں آیا — سوئی آد انت میں پایا
آپے برہم آپ ہی مایا — سوئی ولی سرب کہہ گایا

رام نام بن مُکت نہ ہوئی

شری کبیر جی کی بانی۔ (گورو گرنتھ صاحب سے)

لنکا سا کوٹ سمندر سی کھائی — تہہ راون گھر خبر نہ پائی
کیا مانگوں کچھو تھِر نہ رہائی — دیکھت نین چلیو جگ جائی
اِک لکھ پوت سوا لکھ ناتی — تے راون گھر دیا نہ باتی
چند سورج جاکے تپت رسوئی — بیسنتر جاکے کپڑے دھوئی
گورمت رامے نام بسائی — استھر رہے نہ کتھوں جائی
کہت کبیر سُنو رے لوئی
رام نام بن مُکت نہ ہوئی

سوامی وویکانند جی کے لیکچر کا اختصار

جو انہوں نے مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۸۹۳ء کو امریکہ میں دیا

مترجم شری خراتی رام جی بوری بی ایس سی

قبل تاریخ سے تین مذاہب اس وقت دنیا میں مروج ہیں۔ ہندو دھرم۔ پارسی دھرم اور یہودی دھرم۔ ان پر لاتعداد ضربات پڑیں تاہم انکا تا حال قائم رہنا ان کی اندرونی قوت کا مظہر ہے کہ ہندو دھرم کی تشکیل الہام سے ہوئی جسے وید کہتے ہیں۔ اُن کی دھارنا کے مطابق وید انادی اور اننت ہیں (شروع اور ختم کے بغیر) تعین

گو ناظرین کو یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہوگی کہ ایک کتاب بغیر شروع اور ختم کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ مگر وید سے کسی خاص کتاب کے ذکر کا مدعا نہیں۔ اس کا مطلب وہ روحانیت کے علم کا خزانہ ہے۔ جو مختلف اشخاص نے مختلف اوقات میں دریافت کیا۔ مثلاً کشش ثقل (زمین کی کشش) کا اصول اس کی دریافت سے قبل بھی موجود تھا۔ اور انسان کے اس کو بھول جانے پر بھی قائم رہیگا۔ اخلاقی تمدنی و روحانی رشتہ جو ایک آتما کا پرماتما سے ہے وہ دریافت سے پہلے ہی موجود تھا۔ اور ہمارے اسے بھول جانے کے بعد بھی قائم رہے گا۔

اِن روحانیت کے اصولوں کے دریافت کنندگان کو رشی کہتے ہیں اور وہ گیان کے مکمل بھنڈار تھے اور مجھے آپ کو یہ بتانے میں خوشی ہوتی ہے۔ کہ ان میں بہت سی مستورات بھی

تھیں۔ وید ہمیں درس دیتا ہے کہ کائنات کا شروع اور اختتام نہیں۔ سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے۔ کہ دنیا میں توانائی (شکتی) کی مقدار ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے گو شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ اس امر کی روشنی میں ایک ایسا وقت کبھی ہوگا۔ کہ کائنات کی کوئی بھی شے موجود نہ تھی۔ اُس وقت یہ شکتی کہاں ہوگی؟ کئی اشخاص کہتے ہیں۔ کہ یہ مخفی طور پر پرماتما میں موجود تھی۔ اس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوا کہ پرماتما میں دو قسم کی شکتیاں ہیں۔ مخفی اور ظاہر کار کن۔ اِس سے وہ تبدیلی پذیر ہو جائے گا۔ جو شے تبادلہ پذیر ہو وہ مرکب ہوتی ہے۔ واحد نہیں۔ اور ہر مرکب شے میں تبدیلی کا عنصر ہے جسے موت یا فنا کہتے ہیں۔ تو کیا خدا بھی مر سکتا ہے؟ یہ تو بات ہی بالکل بے مطلب اور بیہودہ ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ ایسا کوئی وقت

نہ آیا جبکہ کائنات موجود نہ تھی۔
مجھے یہ امر ایک مثال سے واضح کرنے کی اجازت ہو تو میں عرض کروں گا۔ کہ خالق اور خلق (پرماتما اور کائنات) دو خطوط (لکیریں) بغیر شروع اور ختم کے متوازی چل رہی ہیں۔ پرماتما کی شکتی ہمیشہ اس کار پیدائش میں سرگرم رہتی ہے اور غیر منظم اشیا سے تنظیم در تنظیم کا ظہور ہوتا ہے۔ کچھ دیر یہ سلسلہ چلتا ہے پھر فنا ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کو واضح کرنے والا منتر ایک برہمن بچہ روز پڑھتا ہے۔ "پرماتما نے سورج اور چاند کو پہلے کلپ کے سورج اور چاند کی طرح بنایا" اور موجودہ اوقات میں سائنس بھی اسی نظریہ سے متفق ہے۔

ओं सूर्या चन्द्रमसौ धाता यथा पूर्वम कल्पयत दिवंच पृथिवींच अन्तरिक्ष-मथो स्व : ।

اگھمرشن منتر آخری بھاگ

[اس سارے منتر کے بارے میں مہرشی وید دیاس نے مہابھارت میں تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص اس منتر کو روزینتی بار پڑھتا ہے اُس کے پاپ نشٹ ہوتے ہیں۔ یہ آریہ سماجی اور سناتن دھرمی دونوں کی سندھیا میں آتا ہے۔ اس کا نام اگھ (پاپ) مرشن (ناش کرنے والا) منتر ہے۔ (مترجم)]

اگر میں اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی ہستی کے متعلق خیال کرنا شروع کروں۔ میں! میں! میرے سامنے کیا تصور ہوگا۔ میرا جسم۔ تو کیا پھر میں مادہ کے عناصر کا مجموعہ ہوں۔ وید بھگوان کا ارشاد ہے کہ میں جسم (شریر) نہیں بلکہ اُس کی اندر رہنے والی شکتی (آتما) ہوں۔ شریر تو ناش ہو جائیگا۔ مگر میں "لافانی ہوں" یہ جسم تو ختم ہو جائیگا۔ مگر میں زندہ رہوں گا۔ میں ماضی میں بھی موجود تھا۔ آتما کی ساخت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ساخت کے معنے اشیا کا ظہور ترتیب ہے۔ جس کا آخر میں منتشر ہونا لابدی ہے پس اگر آتما بنائی گئی ہے تو اُس کی موت بھی ہونا ضروری ہے۔ کئی شخص امیر گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ خوشی۔ صحت۔ تندرست متوازن خوبصورت جسم اور تمام آسائش کے سامان میسّر ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے غربت اور افلاس میں جنم لیتے ہیں۔ کئی بغیر ہاتھ یا پاؤں۔ کم عقل اور بد شکل ہوتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن کاٹتے ہیں۔

جب اُس انصاف کے مجسمہ اور رحم کے خزینہ پرماتما نے اِن سب کو پیدا کیا تو اس تفریق کا کیا مطلب؟ کہ ایک خوش حال اور دوسرا بدنصیب۔ وہ اتنا طرفدار کیسے بنا۔ اور اس امر سے بھی کوئی تسلی نہیں کہ جواب مصیبت میں ہیں۔ اگلے جنم میں خوشحال ہوں گے۔ سوال تو یہ ہے کہ وہ اُس منصف اعلےٰ و رحیم و کریم کی مخلوق ہیں اس جنم میں بھی کیوں مصیبت کے دن کاٹے اب اس تفاوت کا کوئی تسلی بخش حل تو پیش نہ ہو سکا تو کہہ دیا کہ خدا نے اپنی منشا سے جب جیسے چاہا پیدا کیا۔ تو ایک ظالمانہ تشریح ہے کہ وہ بے پناہ قوت کا مالک ہونے سے ظلم بھی روا رکھ سکتا ہے تو آخر کوئی وجہ اُن کی پیدائش سے پہلے اُن کو خوشحال یا بدنصیب بنانے

کی ہوگی۔

کیا یہ سب من کی برتیاں (خیالات) اور جسمانی نشو و نما وراثت کے زیر اثر ہیں۔ (موروثی ہیں) یہاں ہستی (زندگی) کے دو متوازی خطوط ہیں۔ ایک من کی دوسرے مادہ کی۔ اگر یہ دنیا سب مادہ کی ترتیب و انتشار ہے تو روح (آتما) کے متعلق خیال لانا ہی فضول ہے مگر اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ مادہ (بے جان چیز) سے بھی خیالات کی تخلیق ہو سکتی ہے۔ اگر فلسفیانہ طور پر وحدانیت قابل قبول ہے تو روحانی طور پر بھی اس کا جواز موجود ہے۔ مگر یہاں دونو قابل ذکر نہیں ہیں۔

ہم اسبات سے منکر نہیں ہو سکتے کہ چند احساسات موروثی بھی ہوتے ہیں مگر انکا روزانہ زندگی سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ اُنکا من کسی خاص حالات میں کیسے خیالات کا حامل ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ آتما کے بھی احساسات ہیں جو کہ پہلے جنموں کے کرموں کے پھل سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ آتما اُس قدرتی کشش کی وجہ سے اُس جسم میں جا کر جنم لے لیتا ہے جس میں اُن احساسات کو اُجاگر ہونے کا موقعہ مل سکے۔ یہ بھی سائینس کے موجودہ نظریہ کے مطابق ہے کیونکہ وہ ہر ایک چیز کو عادت پر مبنی مانتی ہے اور عادت بار بار کی مشق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پس بار بار کا دہرانا نئی پیدا شدہ آتما کی عادت بننے میں معاون ہوتا ہے۔ اور چونکہ اُن کا اس جنم میں حصول کا سوال ہی نہیں یہ سابقہ جنم کے کرموں کا پھل ہی ماننا پڑیگا۔

یہاں ایک اور خیال بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر سابقہ جنم کے فلسفہ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر پچھلے جنم کے واقعات یاد کیوں نہیں رہتے۔ اس کا جواب تو بالکل آسان ہے۔ میں اس وقت انگریزی میں تقریر کر رہا ہوں۔ یہ میری مادری زبان نہیں اور اس وقت میرے دماغ میں اُس زبان کے کوئی الفاظ نہیں۔ مگر اگر میں یاد کرنے کی کوشش کروں وہ فوراً آموجود ہوں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہماری فہم و فراست اُس دماغی صلاحیت کے سمندر کی صرف بیرونی سطح ہے جس کی گہرائیوں میں ہماری زندگی کے تمام تجربات و احساسات مدفون ہیں۔ کوشش اور جستجو سے وہ سطح پر لائے جا سکتے ہیں۔ اور آپ سابقہ جنم کے واقعات بھی سمجھ سکیں گے۔

یہ اسبات کا تجرباتی ثبوت ہے اور اس بات کا امتحان کرنے کو ہمارے رشیوں نے سب دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ جو چاہے صداقت کو آزمائے ہم اُس نکتہ (بھید) تک پہنچ چکے ہیں۔ کہ جب سوئی ہوئی یادداشت کے سمندر میں جنبش پیدا کر کے آپ اپنی سابقہ جنم کی پوری تصویر اپنے سامنے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ پس ہندو اس بات کا معتقد ہے۔ کہ وہ آتما ہے۔ جسے تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ آگ جلا نہیں سکتی پانی گیلا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہوا اُسے کھا سکتی ہے۔ ہندو کی دھارنا ہے کہ ہر ایک آتما ایک دائرہ ہے جس کا کوئی محیط نہیں اور جس کا مرکز جسم کے اندر واقع ہے۔ اور موت اس مرکز کی ایک سے دوسرے جسم میں تبدیلی ہے۔ اور نہ ہی یہ مادی حالات سے تبدیل ہو سکتی ہے۔ یہ آزاد ہے۔ غیر محدود ہے مقدس ہے پاک ہے

مکمل ہے اور زیست کا جوہر ہے مگر کبھی نہ کسی طرح یہ مادے سے بندھ گیا ہے اور غلط فہمی سے اپنے آپ کو مادے کی حالت سمجھنے لگ گیا ہے پس آتما توانادی - امر، مکمل اور لامحدود ہے اور موت صرف ایک جسم سے دوسرے جسم میں تبدیلی مرکز کا ہی نام ہے۔ ہماری موجودہ زندگی ہمارے سابقہ اعمال کا نتیجہ ہے اور آئندہ زندگی حال کی مرہون منت ہوگی مگر آتما ترقی یا تنزل کرتی ہوئی جنم مرن کے چکر میں گھومتی ہے اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے - کہ کیا انسان اس طوفان زدہ سمندر میں ایک چھوٹی کشتی کی مانند کبھی لہروں کے اوپر کبھی ان کے نیچے ہچکولے کھاتا پھرتا ہے - اور اس علت و معلول کے زیر اثر اپنے کرموں کا پھل بے بس ہوکر بھوگتا ہے -؟ یا یہ ایک وزنی پہیئے کے نیچے آئے - ایک پروانہ کی مانند ہے؟ ایسا پہیئہ کہ جو کسی تعلیم کی پکار یا بیوہ کی زاری سے بے نیاز ہوکر جو سامنے آئے اسے پیس کر رکھ دیتا ہے -؟ اس انداز فکر سے دل کانپ اٹھتا ہے مگر یہ قانون قدرت ہے کیا اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور کوئی امید کی شعاع نہیں؟ یہ ناامیدی کی آہ وزاری جو دل کی عمیق گہرائیوں سے نکلی اور اس رحیم و کریم کے در پہ اس نے دستک دی تو وہاں سے یہ امید افزا پیغام ویدک رشی کی معرفت موصول ہوا - اور اس نے بہانگ دہل دنیا کو خوش خبری دی۔ "اے امرت پُترو اور اوپر کے لوگوں کے ساکنا! [illegible] اس پراتن پرش کو پالیا ہے - جو کہ تمام اگیان وشک و شبہات سے بالاتر ہے اور اس کو جان لینے سے (گیان سے) تم موت سے پار ہو سکو گے۔"

امرت پُترو - کیسا میٹھا اور امید افزا نام ہے - مجھے بھی آپ امرت پُترو کے الفاظ سے خطاب کرنے کی اجازت دیں - آپ دائمی مسرت کے وارث ہیں - ہندو آپ کو گنہگار نہیں مانتا - ہم سب پرماتما کے بچے ہیں - امر آنند کے حصہ دار ہیں - اور مقدس اور مکمل ہستیاں ہیں - یہ تو کہنا بھی پاپ ہے - اور انسانی فطرت کی توہین ہے۔ اٹھو تم شیر ہو یہ بھرم دل سے نکال دو کہ تم بھیڑ ہو - تم امر آتما ہو - آزاد ہو - وردان سے بھرپور اور آنادی ہو تم مادے کی ترتیب نہیں ہو نہ ہی تم جسم ہو - مادی اشیا تمہاری غلام ہیں - تم ان کے غلام نہیں ہو -

یہ وید بھگوان کا امر سندیش ہے - یہ کوئی غیر متزلزل قوانین کا مجموعہ نہیں - نہ ہی علت و معلول کا قید شدہ اصول مگر ان سب قوانین سے بالاتر اور مادہ اور قوت (شکتی) کے ذرّے ذرّے میں وہ ایک ہی براجمان ہے - جس کے حکم سے ہوا چلتی ہے - آگ جلاتی ہے بادل بارش کرتے ہیں - اور موت ساکنان زمین کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے - تو اس کی قدرت سے کیا مفہوم ہے؟

وہ ہر جگہ موجود ہے - پوتر اور نرآکار (بغیر خاص شکل) ہے - وہ سرو شکتیمان اور دیالو کرپالو ہے - تم ہمارے پتا ہو - تم ہماری ماتا ہو - تم ہمارے پیارے متر ہو - آپ سب شکتیوں کے سروت (منبع) ہو - مجھے شکتی دو - آپ نے سنسار کا بھار اٹھایا ہوا ہے - مجھے اس زندگی کا بھار اٹھانے کی شکتی دو - ایسا ویدوں کے رشیوں نے گان کیا -

اُس کی پرستش کیسے کریں — ؟ —— پریم سے —

اُسے اپنا پریم پاتر بنا کر پرستش کرو۔ کہ وہ اِس لوک اور پرلوک میں سب سے زیادہ پیاری شے ہے۔ وید بھگوان نے یہ پریم کا امر سدھانت دنیا کو بتلایا۔ آؤ ہم دیکھیں۔ اس کی مکمل ارتقا اور اس کا امر سندیش جو بھگوان کرشن نے دنیا کو دیا۔ ہندو بھگوان کرشن کو ایشور کا اوتار مانتے ہیں۔

اُنہوں نے اس بات کا درس دیا۔ کہ اِنسان دُنیا میں کنول کے پتے کی مانند رہے۔ گو وہ پانی میں ہی پیدا ہوتا اور رہتا ہے مگر پانی اُسے بھگو نہیں سکتا۔ اسی طرح آدمی دنیا میں رہتے دل پرماتما میں لگائے رکھے اور ہاتھ کام کرنے میں مشغول رہیں۔

گو اِس لوک یا پرلوک میں کسی کامنا کی پُورتی کے لئے بھی پرماتما سے پریم کیا جا سکتا ہے مگر پریم انسوارتھ (بغیر کسی ذاتی مفاد) ہونا چاہیئے۔ ایک پرارتھنا اِس طرح ہے "ہے پربھو میں دولت۔ اولاد۔ علم کا متوالا اور خواہش مند نہیں اگر اپنی اچھیا سے آپ یہ نوازشات کرتے ہیں۔ تو ٹھیک ہے مگر تو بھی وردان مانگتا ہوں۔ کہ میں جنم جنم میں آپ سے بغیر کسی کامنا کے صرف پریم کی خاطر ہی پریم کروں"۔ وید بھگوان ہم کو اُپدیش کرتا ہے کہ آتما پرماتما کی جیوتی سے منور ہے۔ لیکن مایا کے بندھن میں پڑ گئی ہے۔ جب یہ بندھن چھوٹ جائینگے۔ تو یہ پورن کام ہو جائیگی۔ اور اس کے لئے اُنہوں نے مکتی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی آزادی مصیبت سے موت سے اور اَپورنتا سے۔ مگر یہ مکتی تو اُس پرماتما کے رحم و کرم پر منحصر ہے یہ رحم و کرم کی بارش پاک بازوں (پوتر) آتماؤں پر ہی ہوتی ہے بالفاظ دیگر اُس کی رحمت کے لئے پوترتا ضروری ہے۔ اُس کی رحمت کیسے کار فرما ہوتی ہے؟ وہ پوتر آتماؤں کے دِل میں جاگزین ہوتا ہے۔ اور وہ پاکباز اشخاص اسی زندگی میں ہی اُس کی رحمت سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اور من کی خواہشات و حواسات ختم ہو کر من نرمل ہو جاتا ہے۔ تمام شکوک بنیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ وہ علت و معلول کے اصول سے بالاتر مقام حاصل کر لیتا ہے۔ یہی ہندو دھرم کے انداز فکر کا مرکزی نقطہ ہے۔ ہندو دھرم الفاظ اور تھیوریوں کا مجموعہ نہیں۔ اگر اس واسنا بھرے لوک سے پرے کوئی لوک یا زندگی ہے۔ ہندو اُس سے دو چار ہونا چاہتا ہے۔ وہ پرم آتما کا دیدار چاہتا ہے۔ اُس کے دیدار سے فیض یاب ہو کر اُس کے تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ پس سب سے بڑا ثبوت جو ہندو رشی آتما اور پرماتما کے متعلق بہم پہنچاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ میں نے آتما کا ساکشات کار کیا ہے۔ میں نے پرماتما کا دیدار کیا ہے۔ اور یہی تکمیل (پورن) ہونے کی شرط ہے۔ ہندو دھرم کوشش اور جستجو تک محدود نہیں یا کسی احکام پر اندھا دھند وشواس میں یقین نہیں رکھتا بلکہ ہونے یا بن جانے میں یقین رکھتا ہے۔

(BEING AND BECOMING) پس اس کے سارے دھارمک نظریہ کا مقصد تو مستقل طور پر آتما کی تکمیل ہے! جس سے وہ پرماتما کو دیکھ سکے اور پا سکے اور اسی طرح پورن بن سکے جیسے وہ پورن ہے۔

مگر جب انسان پورن ہو جاتا ہے (آتما ارتقا کی منزل طے کر لیتی ہے۔) تو وہ سدا آنند میں مگن رہتا ہے۔ اور ہمیشہ اُس آنند سروپ پرماتما کی قربت سے سرفراز ہوتا ہے۔

یہ نظریہ ہندو دھرم کے اندر پائے جانے والے سب فرقہ جات کا متفقہ ہے۔ اور سب پورن بننے کے خواہش مند ہیں۔ مگر پورن تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دو یا تین نہیں یہ سب صفات دنیاوی حالات سے بالاتر (نرگن) اور انفرادی ہستی سے پرے ہیں۔ پس جب آتما اُس پورنتا پر رسائی حاصل کر لیتی ہے تو وہ برہم کے ساتھ وحدانیت حاصل کر لیتی ہے اور ست سروپ۔ چت سروپ اور آنند سروپ میں جذب ہو جاتی ہے۔ کئی لوگ اِس کو اپنی انفرادیت کا خاتمہ اور پتھر لکڑی بن جانا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جو کہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگوں پر ایک مثال صادق آتی ہے۔ کہ جس شخص کو کبھی زخم نہیں لگا وہ زخم کے نشان کا بھی مذاق اُڑاتا ہے۔ آپ سوچئے ایک معمولی سے حقیر جسم کے احساس سے آپ کتنی خوشی میں مگن ہیں۔ تو جب ساری کائنات ہی اپنا جسم نظر آنے لگے گا۔ اُس بیش بہا مسرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ (سب جسموں میں اپنا ہی آتما نظر آئیگی)۔

پس اُس لامحدود انفرادیت کے حصول کے لئے اِس حقیر پر آشوب انفرادیت کو قربان کرنا ہوگا جب میں زندگی کے ساتھ وحدانیت حاصل کروں گا۔ پھر موت کے کیا معنے؟ مسرت میں جذب ہونے کے بعد مصیبت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور سائنس کا نظریہ یہ ہے۔ کہ جب علم تکمیل پذیر ہوگا شکوک شبہات خود بخود مٹ جائینگے۔ سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ میرا انفرادی جسم کسی اہمیت کا حامل نہیں کیونکہ مادہ کی ساخت وریخت اِس میں دن رات چلتی ہے اعضا ٹوٹتے اور نئے بنتے رہتے ہیں۔ اور اس توڑ پھوڑ سے بالاتر دوسرا حصہ تو میری آتما ہے۔ جس کے مقابل کی دوسری ویسی شے نہیں (ادویت) سائنس بھی وحدانیت کی تلاش کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب وہ اس واحد تک رسائی حاصل کریگی تو جستجو ختم ہو جائیگی۔ علم کیمیا (CHEMISTRY) جب کسی ایسے مفرد مادہ ELEMENTS کو تلاش کرے گا۔ جس سے تمام اجسام کی تکمیل ہوئی ہے۔ تو اُس کا کام ختم ہو جائیگا۔ علم طبعیات PHYSICS کی جستجو ختم ہو جائیگی۔ جب وہ اُس شکتی کا پتہ لگا لیگی جس کا تمام قوتوں میں ظہور ہے اور دھرم کی سائنس کی تلاش تب اختتام پذیر ہوگی جب وہ اس موت کے آغوش میں جانے والی کائنات میں اُس پورن پرماتما کو پا جائیگی۔ جو ساری زندگی کا منبع ہے۔ وہ ہی ایک مہان آتما ہے جس کی دوسری حقیر آتمائیں ایک پر تشکوک۔ عکس کی مانند ہیں۔ پس اس ثانیت (دو ہونے DUALITY) اور جمعیت (زیادہ ہونے MULTIPLICITY) میں ہی وحدانیت (ایک) کا راز مضمر ہے (کیونکہ یہ سب اُس ایک ہی کی مختلف شکلیں ہیں) دھرم (مذہب) بھی اس سے آگے جا نہیں سکتا۔ اور یہ ہی تمام سائنس کا منتہائے مقصود ہے۔

سائینس بالآخر اسی منزل پہ پہنچ جائیگی۔ سائینس کا موجودہ نظریہ ظہور کا ہے نہ کہ ساخت کا، (دنیا کی ساخت نہیں کی گئی۔ بلکہ قدرت نے اپنے اندر سے اس کا ظہور کیا ہے) اور ہندو اِسیات سے مسرت کا اظہار کرتا ہے کہ جن خیالات و اصولات کو وہ اپنے دل میں صدیوں سے لئے پھرتا تھا۔ آج پوری آب و تاب سے دنیا کے روبرو آ گئے ہیں۔ اور دنیا اس کی قائل ہو گئی ہے۔ اگر ہم اس فلسفہ کی بلندیوں سے نچلی سطح پر عام سادہ لوح اشخاص کی دھارمک بھاوناؤں کا ملاحظہ کریں۔ تو یہ معلوم ہوگا۔ کہ ہندو کئی خداؤں کا پرستش کرنے والا نہیں جیسا کہ عام خیال پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کسی مندر کے باہر کھڑے ہو کر پرارتھنا پر دھیان دیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ پرستش کرنے والے جو بھی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ سب اُس پاک پروردگار کی صفات کا بیان ہے۔ اور مورتی کو بھی سرود یاپک ہونے کے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں۔ یہ بہت سے خداؤں کو ماننے کی بات نہیں نہ ہی یہ پتھر پرستی ہے۔

کسی شے کے مختلف زبانوں میں علیحدہ علیحدہ نام ہونا اس کی علیحدہ ہستی کا کوئی ثبوت نہیں۔ گلاب کے پھول کا کوئی بھی نام رکھیں۔ اُس کی خوشبو میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک عیسائی پادری ہندوستان میں ایک مجمع میں پرچار کر رہا تھا۔ اُس نے کئی خوش کُن پُر از حلاوت باتیں بھی کہیں اور پھر کہا۔ اگر میں آپ کی پوجا والی مورتی کو چھڑی سے ماروں تو وہ میرا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ ایک لڑکے نے فوراً جواب دیا اگر میں تمہارے خدا کو گالی دوں تو وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ پادری نے کہا۔ وہ مرنے کے بعد تم کو سزا دیگا۔ تو اُس ہندو لڑکے نے کہا کہ ہماری مورتی بھی تم کو مرنے کے بعد سزا دے دیگی۔ درخت کی شناخت تو اُس کے پھل سے ہوتی ہے۔ جن کو آپ بت پرست (مورتی پوجک) کہتے ہیں۔ میں نے اُن میں ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جو اخلاق۔ روحانیت و پریم کے مجسمہ تھے اور اُن کی تمثیل کا دوسرا شخص نہیں مل سکا تو میں نے خود ہی سوال کیا۔ کہ کیا گناہ (پاپ) سے بھی پوترتا پیدا ہو سکتی ہے؟ (اگر مورتی پوجا گناہ ہے) تو یہ ہمات انسانیت کی سب سے بڑی دشمن ہیں۔ مگر تعصب تو بدترین ہے۔ ایک عیسائی گرجے میں کیوں جاتا ہے۔ وہ صلیب کو متبرک کیوں مانتا ہے۔ پرارتھنا کے وقت آسمان کی جانب منہ کیوں کر لیتا ہے۔ رومن کیتھولک گرجوں میں اتنی مورتیاں کیوں رکھی جاتی ہیں۔ پرارتھنا کے وقت پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے تصور میں کیا شکلیں جاگزیں ہوتی ہیں۔

پیارے بھائیو۔ جیسے ہم سانس لئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے بعینہ ہم دماغ میں کسی چیز کی شکل کے تصور کے بغیر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے۔ سنگت (رفاقت) کے اصول کے مطابق مادی اشکال سے خیالات کی تشکیل ہوتی ہے اور خیالات سے شکل کی۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر ہندو ایک بیرونی نشانی (شکل یا مورتی) کو اپنی پرستش کا مرکز بناتا ہے۔ اُس کا نظریہ یہ ہے۔ کہ وہ اس نشانی سے اپنے معبود پر دھیان لگانے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ بھی اِسیات کا قائل ہے۔ کہ مورتی پرماتما نہیں اور سرو ویاپک (ہمہ جا

موجود) بھی نہیں۔ بہر حال تمام دنیا سرو ویاپک کے کیا معانی سمجھتی ہے۔ اِس کی حیثیت ایک لفظ یا نشانی سے زیادہ نہیں کیا خدا کا کوئی سطح کا رقبہ ہے۔ اگر نہیں تو سرو ویاپک سے ہمارا مفہوم نیلے آسمان یا پھیلی ہوئی خالی جگہ سے ہی ہوتا ہے۔ ہماری دماغی ساخت یا کیفیت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے۔ کہ ہم لامحدود کا تصور نیلے آسمان یا وسیع سمندر سے کرتے ہیں۔ اس طرح پوترتا کے تصور کے لئے گرجا مسجد یا صلیب کا خیال کرتے ہیں۔ ہندوؤں نے تقدیس۔ پاکیزگی۔ حقیقت۔ ہمہ جا موجودگی (سروویاپکتا) وغیرہ کا تصور مختلف شکلوں اور مورتیوں سے وابستہ کیا ہوا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کئی لوگ گرجا کے تصور میں ہی زندگی گذار دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے تصور کا مذہب صرف دماغی ترقی اور خدمتِ انسانی ہے۔ مگر ہندوؤں کا تصور خود شناسی یا حق شناسی ہے۔ انسان میں خدائی صفات خدا شناسی سے ہی پیدا ہو سکتی ہیں) مورتیاں مندر گرجا گھر۔ کتب مقدسہ قوانین جستجو میں مددگار ارکین ہیں۔ مگر ترقی کے لئے کوشش تو اُسے خود ہی کرنی ہو گی۔ اور منزل تک پہنچنے سے پہلے کہیں ستانا نہیں۔ یہی فرمان وید کا ہے۔ کہ مادی اشیا سے بیرونی پرستش تو ترقی کے لئے سب سے پہلا قدم ہے۔ دوسرا درجہ مانسک پوجا ہے (من سے) مگر افضل ترین تو درجہ حق شناسی کا ہے خیال فرمائیے جو شخص مورتی کے سامنے سر جھکاتا ہے وہ کہتا ہے۔ اسے سورج چاند۔ ستارے حتےٰ کہ آگ بھی بیان نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ سب اُسی کے نور سے ہی منور ہوئے ہیں۔ اُس کی جیوتی سے چمکتے ہیں۔ مگر وہ دوسرے کے طریقہ پرستش کو بُرا یا گناہ نہیں کہتا اور نہ ہی دوسرے کی مورتیوں کو بُرے ناموں سے یاد کرتا ہے۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے CHILD IS THE FATHER OF MAN یعنی بچہ آدمی کا باپ ہوتا ہے تو کیا ایک بوڑھے آدمی کے یہ الفاظ موزوں ہوں گے کہ بچپن گناہ ہے۔ ؟

ایک شخص مورتی سے ہی حق شناسی کے درجہ تک رسائی حاصل کرتا ہے کیا اسے گناہ سے تعبیر کرنا درست ہو گا؟ اور اس کا اس مرحلہ سے ترقی کر کے آگے جانا بھی اس کو غلط کہنا ہو گا۔ ہندو نقطہ نگاہ سے انسانی فطرت غلطی سے حقیقت کی جانب ترقی نہیں کرتی۔ بلکہ نیچی طرف سے اوپر کی طرف حقیقت کی جستجو کرتا ہے اور کہ تمام مذاہب معمولی اشیا پرستی سے معرفت تک انسانی روح کی اُس لامحدود تک رسائی کی کوشش ہے اور اس جستجو پر اُس کی پیدائش (موروثی اثرات) و سنگت کا بھی کافی اثر پڑتا ہے اور مختلف مدارج اس روحانی ترقی کے ہیں۔ یہ تو عقاب کی پرواز ہے جو بلندی سے بلندی پر جا کر اُس پُر نور آفتاب تک پہنچا دیتی ہے۔

اختلافات میں وحدانیت قدرت کے نظام کا حصہ ہے اور ہندو اس سے بخوبی آگاہ ہے دیگر مذاہب میں چند خاص اصولات وضع کئے گئے ہیں۔ اور سماج کو جبراً ان کی پیروی پر کاربند ہونے کے احکام ہیں۔ بالالفاظ دیگر ایک ہی کوٹ ہر شخص کے لئے مقرر ہے۔ خواہ وہ جیک ہے یا جوہن ہے یا ہنری ہے۔ اگر وہ کوٹ اُس کے جسم کے مطابق طویل و عریض نہیں وہ بغیر کوٹ کے ہی ننگا پھرے۔ ہندو دھرم کے پیروؤں نے

اس کو سمجھ لیا ہے کہ اُس لامحدود کو کسی محدود کی مدد سے ہی تصور میں لایا جا سکتا ہے۔ اور اس وجہ سے مُورتی صلیب یا چاند (ہلال) تو صرف نشانیاں ہیں۔ جن پہ روحانی خیالات کو آویزاں کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر شخص کو روحانی ترقی کے لیئے اِن مورتیوں یا نشانیوں کی ضرورت ہو مگر ایسے اشخاص کو نچلے درجے کے روحانی ترقی کے خواہش مندوں کو گمراہ کہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی یہ ہندو دھرم میں لازمی شعار ہے۔ (یعنی مورتی پوجا)۔

ایک اور امر بھی میں بیان کرنا چاہتا ہوں مورتی پوجا ہندوستان میں کوئی خوفناک اور قابل نفرت رسم نہیں اور یہ کوئی گمراہی کی بھی نشانی نہیں۔ مگر یہ ایک غیر ترقی یافتہ دماغ کی اُس بلند روحانیت تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ ہندوؤں میں کئی قسم کے توہمات اور غلطیاں بھی ہوں گی۔ مگر یاد رہے ہندو اپنے مُتبرک جسم (کو تپسیا کی آگ میں جلانا جانتا ہے۔ مگر ہمسایہ کا گلا کاٹنا نہیں جانتا وہ آپ چتا پر بیٹھ کر جل جاتا ہے مگر مذہبی عدالتیں بنا کر لوگوں کو جلانا نہیں جانتا مگر اس تنگ دلی اور غیر رواداری کو مذہب کے سر تھوپنا درست نہیں جیسا کہ عیسائی کسی زمانے میں عورتوں کو جادوگرنی کہہ کر بھی جلا دیا کرتے تھے۔ تو کیا اسے عیسائی مت کے احکام پہ تھوپ دیا جائے؟ ہندوؤں کے نظریہ سے دنیا کے تمام مذاہب کے لوگ خواہ وہ مرد ہیں یا عورت۔ بلا لحاظ قومیت، حالات و احساسات ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔ ہر مذہب اس جسم عنصری میں مقید انسان کو حق شناسی تک لے جانے کی کوشش ہے اور اس کی رہبری بھی اُسی حق سے ہوتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو یہ تفرقات کیوں؟ ہندو دھرم کہتا ہے کہ یہ سب فروعی فرق ہیں اور اس وجہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ حق نے مختلف حالات و واقعات میں خود کو مختلف رنگوں میں ظاہر کیا ہے۔ یہ ایک ہی روشنی مختلف رنگ کے شیشوں میں سے چھن کر آرہی ہے۔ اور یہ اختلاف انسانوں کے ان سے موافقت کے لئے ضروری ہیں۔ مگر ہر ایک دل پہ تو اُس کی فرمانروائی ہے۔ میں تمام دُنیا کو چیلنج دیتا ہوں کہ آپ تمام سنسکرت ادب اور فلسفہ میں کوئی ایسا بیان یا فقرہ دکھائیں جس سے یہ آشکارا ہو کہ مکتی (نجات) صرف ہندوؤں کو ہی میسر ہوگی۔ دوسرے مذاہب والوں کو نہیں۔ مہرشی وید ویاس نے فرمایا ہے کہ ہم نے پُورن شخصیتیں (بھگت اور خدا رسیدہ) اپنے ذات و فرقہ کے حدود کے باہر بھی مشاہدہ کیئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہندو دھرم جس کے تمام اندازِ فکر کا مرکز ہی پرماتما ہے بدھ مت جو بُدھی کو ہی اہم قرار دیتا ہے یا جین مت جو پرماتما سے منکر ہے کیسے مل سکتا ہے۔ بدھ اور جین مت کے پیرو گو پرماتما پر زور نہیں مگر ان کے متوں کی قوت اسیات پر مرکوز ہے کہ انسان ترقی کی منازل طے کرکے پرماتما تک رسائی حاصل کر سکے۔ گو اُنہوں نے باپ کو نہیں دیکھا مگر بیٹے کو تو دیکھ لیا ہے۔ اور جس نے بیٹے کو دیکھ لیا ہے۔ اُس نے باپ کو بھی پہچان لیا ہے۔

برادران! ۔ یہ ہندو دھرم کے اندازِ فکر کا مختصر خاکہ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ ہندو مذہب کے پیرو ان تمام احکام پر مکمل طور پر کاربند نہ ہوئے ہوں۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ اگر کبھی کسی ایسے مذہب کی تشکیل ہو جس کو تمام انسان قبول کریں۔ اور جو جگہ اور وقت کی بندش سے آزاد ہو تو وہ ایسا ہی لامحدود ہوگا۔ جیسا کہ وہ پاک پروردگار ہے جس کا وہ پرچار کریگا۔ اور اس کے نور کا سورج ہر ایک انسان پر اپنی نور فشانی کریگا۔ خواہ وہ کرشن کا پیرو ہو یا عیسےٰ کا۔ پاپی ہو یا پرہیزگار۔ نہ وہ ویدک۔ بدھ مت۔ عیسائیت یا اسلام نہ ہوگا۔ بلکہ ان سب کا مجموعہ ہوگا۔ اور ترقی کے لئے اس کا میدان وسیع ہوگا۔

...وہ اپنی محبت بھری آغوش میں ہر بنی نوع انسان کو جگہ دے گا۔ خواہ وہ بالکل خونخوار وحشی ہو یا ایسا بلند اخلاق پاکباز خدا رسیدہ جس کے کردار سے لوگ اُسے انسان سے بہت بلند پایہ شخصیت سمجھنے لگیں۔ اور اس کے جلال سے غم کھائیں۔

یہ ایک ایسا مذہب ہوگا۔ جس میں غیر رواداری اور مذہبی اختلافات کی بنا کر جسمانی سزا کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اور جو انسان کی خدائی صفات کا وارث ہونے کا قایل ہوگا۔ بلا لحاظ مرد و عورت کے۔ جس کی تمام قوت اور پرچار انسان کو خدائی صفات کا حامل بنانے میں مرکوز ہوگی۔ اگر ایسا مذہب آپ پیش کر سکیں تو تمام دنیا اس کی پیروی کریگی۔ اشوک کا اجلاس صرف بدھ مت کے پیروں کا اجتماع تھا۔ اکبر کی کوشش گو نیک مقصد کے لئے تھی۔ مگر ایک بند کمرہ کا جلسہ ہی ثابت ہوئی اور یہ سعادت امریکہ کے لئے ہی مخصوص تھی۔ کہ وہ دنیا میں اس بات کا اعلان کرے کہ خدا ہر مذہب میں موجود اور قابل پرستش ہے وہ پاک پروردگار جو ہندوؤں کا برہم۔ پارسیوں کا آہورا مازدہ بدھ مذہب والوں کا بدھ یہودیوں کا خدا عیسائیوں کا آسمانی باپ ہے۔ آپ کو اپنے اس بلند مقصد میں کامیاب کرے یہ ستارہ مشرق سے طلوع ہوا آہستہ آہستہ مغرب کی طرف گیا۔ کبھی دھندلا کبھی چمکیلا حتےٰ کہ اس نے تمام دنیا کا چکر لگا لیا اور اب پھر مشرق سے نمودار ہو رہا ہے۔ سماہیو کی حدود پر پہلے سے ہزار ہا گنا منور طلوع ہو رہا ہے۔

شادباش کولمبیا! آزادی کی ماتری بھومی! یہ سعادت تیرے حصہ میں ہی آئی۔ جس نے کبھی کسی ہمسایہ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو نہ رنگا۔ اور ہمسایوں کو لوٹ کر امیر بننے کی کوشش نہ کی۔ یہ تمہارے ہی حصہ میں آیا کہ آپ انسانی تہذیب کے جلوس کو اتفاق اور رواداری کا علم (جھنڈا) ہاتھ میں لیکر رہبری کریں۔

فقط

خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ تاکہ جلدی عمل ہو سکے۔

عملی ویدانت اور آتم ساکھشاتکار

(لیکچر شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج جو انہوں نے ۱۹۰۵ء میں فیض آباد میں دیا)

اول سوامی جی نے امریکہ کے کچھ حالات بیان کر کے فرمایا۔ کہ وہاں عملی ویدانت کا برتاؤ ہے اور اسی سے وہ ملک خوشحال ہے اور عملی ویدانت وہ ہے جو اپنے آپ کو سارا ملک ہی نہیں۔ بلکہ تمام عالم محسوس کرے اور اپنے آپ کو ایک جسم میں محدود کرنا ہی قید تنہائی جانے ۔

اتنا چھوٹا نہیں حدود اربعہ پگڑی جوتا نہیں حدود اربعہ ٹوپی جوتا نہیں حدود اربعہ

میں ساڑھے تین ہاتھ کے ٹاپو (جسم) میں مقید نہیں ہوں۔ بلکہ سب کی آتما۔ سب کا اپنا آپ میں ہی ہوں۔ پاتال دیش کے لوگوں نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے ہر ایک کو تیر کی چوٹ کے تلے یا قدرت کے ڈنڈے کے زور سے منظور کرنا پڑے گا کہ سوائے آتما کے اور کوئی جگہ آنند کی نہیں ہے آنند کا مخزن اگر ہے تو وہ صرف اپنا آپ ہے اسی میں آزادی ہے اسی میں شانتی و سرور ہے۔ شراب پینا لوگ کیوں نہیں چھوڑتے؟ آپ لوگ ہزاروں جتن کرتے ہیں۔ ٹمپرنس سوسائٹیاں ہر وقت اس کے ترک کرنے کا اپدیش کرتی رہتی ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے۔ کہ اس پر بھی لاکھوں اشخاص اس زہر کو وہ شراب کو نہیں چھوڑتے؟ وجہ یہی ہے کہ یہ اپنے آتم دیو کی کچھ تھوڑی سی جھلک (آزادی) دکھلا دیتی ہے۔ قید تن سے تھوڑی دیر کے واسطے رہائی بخشتی ہے۔ ہائے آزادی! ہر ایک شخص اس کا خواہاں ہے۔ تمام اقوام ملت میں آزادی آزادی کا ہر وقت شور سنتے ہیں۔ بچے بھی اسی کے مشتاق ہیں۔ اتوار سب دنوں کی نسبت زیادہ پیارا بچوں کو کیوں لگتا ہے؟ صرف اسی واسطے کہ وہ ان کو ذرا آزادی دلاتا ہے۔ یعنی اس روز بچوں کو چھٹی ملتی ہے۔ یہ چھٹی کا دن بچوں کو ہی خوش اور محظوظ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے نام سے اسکول ماسٹروں اور دفتر کے کلرکوں کے زرد چہرہ پہ بھی سرخی آ جاتی ہے غرضیکہ ہر ایک کو آزادی کی لذت پیاری ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آزاد مطلق تو اس کی اپنی ذات ہے اپنی ذات ہر ایک کو بے شک پیاری سے بھی پیاری ہوتی ہے۔ البتہ جب کوئی پیار اپنی ذات سے یکطرف ہو کر دنیاوی قیود موجودات میں اس آزادی کے پانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو خالی ہاتھ ہی آخرکار پاتا ہے۔ اس واسطے ہر ایک تجربہ کار بول اٹھتا ہے کہ دنیا میں یا دنیاوی پدارتھوں میں حقیقی آزادی ہرگز نہیں ملتی۔ کیونکہ حقیقی آزادی تو دیش کال وستو کے احاطہ سے پرے ہٹ کر یعنی قیود زمانی مکانی

ونفسانی سے رہائی پاکر ملتی ہے نہ کہ اس کے کیچڑ میں پھنسے رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس قیود نفسانی مکانی وزمانی میں پڑکر تو سینکڑوں ملک اقوام اس آزادی کی خاطر لڑے۔ اور مرے۔ رُوس اور جاپان کی لڑائی صرف اسی آزادی کیواسطے ہُوئی۔ مگر آزادی پھر بھی دُنیا میں عنقا ہی رہی۔

پیارو! جو شخص اپنے سرُوپ یعنی آتما میں نشست رکھتا ہے۔ وہ آزاد ہی ہے کیونکہ آتما ہی منبع آزادی ہے۔ اور جو شخص اپنے سرُوپ یعنی آتما کا ساکھشات کار (انوبھو) Self realisation نہیں کرتا۔ وہ نہ اس لوک (دنیا) میں آزاد ہو سکتا ہے۔ اور نہ دُوسرے لوک (پرلوک) میں لازوال سرُورِ ذات کو حاصل کرتا ہے۔

جس جنگل میں آتم ساکھشات کار والا جاتا ہے۔ اُس میں تروتازگی آجاتی ہے جس ملک میں ساکھشات کار والا پاؤں رکھتا ہے۔ وہ ملک کا ملک خوشحال ہو جاتا ہے۔ وگیان سروپ مہاتما وہ ہی ہے جس سے پریم کا چشمہ بہ نکلتا ہے۔

سُلیمانا بیار انگشتری را

جب انگشتری مل گئی۔ پھر بھٹکنا کس واسطے؟ کہاں تو تمہارا سوراج اور کہاں تم بھکاری۔ کہاں تو تمہارا آتمانند میں دھام اور کہاں یہ ہاؤ ہو دھام؟ ؎

سورج کو سونا چاند کو چاندی تو دے چکے　　پھر بھی طواف کرتے ہیں دیکھوں جدھر کوئیں

یہ کوئی استعارہ نہیں ہے سچے واقعات ہیں۔ سیدھے سادے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ سوائے پرمیشور کے تمہارا آتما کچھ اور نہیں ہے۔

جب پرمیشور میرا آتما ہے۔ تو میں دُکھ میں کیسے رہوں؟ دُنیا میں لوگ ایسے ہو گئے ہیں۔ جن کے اندر سے یقین کے چشمے بہ نکلے ہیں۔ اور اس آب حیات سے مُلک کے ملک سیراب ہوتے چلے گئے ہیں۔ عرب میں کوئی ہو گیا ہے۔ جس کے اندر سے اس یقین کی آگ بھڑک اُٹھی۔ یہ وشواس یا یقین کبھی واسو ہم کے بھاؤ میں اور کبھی شود ہم کے بھاؤ میں پرگٹ ہوا کرتا ہے۔ وہ شیر عرب یوں سب کو دہاڑتا ہے ؎

اگر سورج ہو میری داہنی طرف۔ اور ہو چاند بھی بائیں جانب کھڑا

کہیں مجھ سے گر دو تو بس اب رکو نہ مانوں کبھی کہنا اُن کا ذرا

وہ [illegible] کے سامنے سُورج اور چاند کی کیا حقیقت ہے۔

एकमेवद्वितीयो नास्ति

ایک میوو دِتیو نا[illegible] ہے [illegible] بھی سوائے اللہ کے"

سیدھی سادھی بات [illegible] یقین کیوں نہیں آتا؟ یقین۔ وشواس شردھا اور ایمان سب مترادف ہیں اُس کا ایمان چلا گیا۔ یا وہ بے ایمان [illegible] بھاری گالی ہے پھر کیوں نہیں۔ ایمان۔ یقین۔ شردھا یا وشواس لاتے؟

کس میں؟ اُسی ایک آتم دیو میں۔ جو پرانوں کا پران اور جانوں کی جان ہے۔ اگر یہ وشواس ہو۔ تو سارے پاپ دھل جاویں۔ اگر مُلک میں ایک شخص ایسا پیدا ہو جاوے۔ تو ملک کا ملک سرسبز ہو جاوے۔ پس اپنی انانیت دُور کرو۔ خودی کو مٹادو۔ اور اس پیالے کے اندر جو آتم دیو کا آبِ حیات ہے۔ اُسی کو پان کرو۔ کس کو ضرورت نہیں ہے اس آبِ حیات کی؛ مسلمان عیسائی۔ یہودی اور ہندو سب ہی تو اس آبِ حیات کی چاہ میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

۶۔ ایکو الف تیرے درکار

الف کو جاننا تھا۔ کہ آنم بل آگیا۔ برہم ست جگت متھیا۔ یعنی خدا حق ہے اور سب کچھ ہیچ ہے؛ اُس وشواس کو لاد جو دھرو میں آیا۔ پرہلاد میں آیا۔ نام دیو میں آیا۔ اسی وشواس کی بدولت تمام شکوک و شبہات اور جھگڑے دُور ہو جاتے ہیں۔ ڈیاترے مست مہاتما ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے آندھی آرہی تھی۔ چراغ کی روشنی یا چاند کی چاندنی سے اُن کا رُخ انور ایک خراب عورت کو کوٹھے پر سے دکھائی دیا۔ اس مہر طلعت مہاتما کے نین دفعہ درشن پاتے ہی اُس عورت کے دل کی تاریکی دُور ہو گئی اور اُس کی حالت بدل گئی۔ مہاتماؤں کے درشن ہی سے وشے باسنا اور خواہشاتِ نفسانی دُور ہو جاتے ہیں۔ کسی کا مہاتما ہونا ہی ساری دُنیا کو ہل چل میں ڈال دیتا ہے۔ چاہے وہ ملک میں اُپدیش دے یا نہ دے صرف ملک کی حالت ہی نہیں۔ بلکہ ساری دُنیا کی حالت اس کے پیدا ہونے ہی سے بہتر ہو جاتی ہے جس طرح کسی جگہ کی ہوا ہلکی ہو کر اُوپر کو اڑتی ہے تو اُس کی جگہ بھرنے کو چاروں طرف کی ہوا آجاتی ہے۔ اور سارے اٹمسفیر Atmosphere کرۂ ہوا میں ہل چل پڑ جاتی ہے۔ اُسی طرح ایک مہاتما بھی ساری دُنیا کو ہلا دیتا ہے۔ اور اگر تم مہاتما کے وجود ہی کو نہیں مانتے تو پھر کیسے اُس سے لابھ اُٹھا سکتے ہو۔ اگر تم کو کسی نے سونے کی جگہ کوئی اور چیز دیدی۔ تو کیا اُس سے یہ نتیجہ نکلے گا۔ کہ سونا ہے ہی نہیں۔ یا ساری دنیا پیتل تانبا ہی ہے؛ جو سونے کو مانے ہی گا نہیں۔ وہ بھلا اُسے کہاں پائے گا؛ جہاں سچ ہے وہاں جھوٹ بھی آجاتا ہے۔ سچ کی موجودگی اصلی سونے کی بڑائی ظاہر کرتی ہے نہ کہ وجود ہی کو اُڑا دیتی ہے۔ دنیا کی تاریخ اس بات کو ثابت کرتی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص جس کی نگاہ میں برہم ہی برہم ہو۔ آنکھیں کھول کر دنیا کے بازار میں گذرے۔ تو ساری دنیا کو پریم روپ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور جس کے اندر دشمنی کی آگ شعلہ زن ہے وہ اپنے ارد گرد دشمنوں کو ہی پاتا ہے اور تمام دنیا دشمنی سے ہی بھری ہوئی اُس کو نظر آتی ہے اس واسطے او پیارے متلاشیٔ آنند! ذرا نگاہ کو پھیر۔

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ دشمن گر آئے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

جس کی ایسی نظر ہو جاتی ہے۔ اُس کے لیے دُکھ اور شوک (رنج و غم) کہاں آسکتے ہیں اور اُس کی موجودگی سے سارے دیش میں ہمت اور طاقت آجاتی ہے پس اے ریفارمرو! بتلاؤ؛ تم سا کھشات کرنا کتنا بڑا ریفارم ہے پہلے اپنے آپ کا ریفارم کرو یعنی اپنی نگاہ بلند کرو۔ پھر سارے ملک میں ریفارم (اصلاح) آپ ہی ہو جائے گا۔ آج کل دنیا میں جو سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ اُس کے پروفیسر ڈاکٹر سٹاربک Starbuck دربارہ کنورشن تبدیلیٔ

اعتقاد CONVERSION میں یوں رائے دیتے ہیں۔ کہ دماغ میں وشواس یعنی یقین سے ایک قسم کی لکیریں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ جب کوئی دوسرا پختہ اعتقاد STRONG FAITH اُسی دماغ میں جگہ لینی شروع کرتا ہے تو سابقہ لکیریں مِٹ جاتی ہیں۔ اور نئی پیدا ہو پڑتی ہیں۔ اس لئے ایک قسم کی سابقہ لکیروں کا مٹانا۔ اور اُن کی جگہ وہاں دوسری لکیروں کا پیدا ہو جانا۔ چال چلن کی تبدیلی۔ یا تبدیلیٔ باطن (اندرونی تبدیلی) کہلاتا ہے یہی اسلام وشواس ویقین ہے جس کے بغیر من کے سابقہ اثرات وداغ رفع نہیں ہوتے اور من شدھ نہیں ہونے پاتا۔ آج کل انگلینڈ اور امریکہ اسی یقین کی بدولت ترقی کر رہے ہیں۔ یونان کہاں گیا۔ اُس کا مذہب کیا ہُوا۔ رُوم اور مصر کے مذہب کیا ہُوئے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان میں مصیبتوں پر مصیبتیں آویں لیکن مذہب کی بو قایم رہے کیوں جی! مہاراجہ رام چندر جی اسی مُلک میں پیدا ہوئے تھے؟ پیارے کرشن نے اسی بھارت کی گود میں پرورش پائی تھی؟ یہ اتفاق اور اتحاد ایسے شُور بیر (دلاور، بہیرو) ہی قایم رکھ سکتے ہیں جس ملک میں بہادر نہیں وہ ملک قدیم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح رآم اور کرشن کے نام اور ویدوں کی بدولت یہ ملک قایم ہے۔

جب آنکھوں کو آپ نے بھگوان کے ارپن کر دیا۔ پھر تو وُہ آنکھیں ایشور کی ہو گئیں۔ نہ کہ آپ کی۔ اسی طرح جب آپ نے اپنے آپ کو ایشور ارپن کر دیا۔ تب آپ پرماتما کی ذات پاک ہو گئے۔ ساکھشات بھگوان رآم یا کرشن ہو گئے۔ اب پریم کی زردی گیان کی سُرخی میں بدل گئی اور نتیجہ میں آنند کی مستی ٹپکنے لگی۔

آج تین دن رآم کو جس کے یہاں آنند کی باوشاہت کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں۔ تمہارے یہاں جھاڑو دیتے ہو گئے آج تو گدی پر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ قسم ہے ایشور کی۔ ست کی۔ رآم کی۔ کہ تم میں سے ہر ایک وہی ذات پاک آتما یا خدا خاص ہے۔ جانو اپنے آپ کو چھوڑو اس داس پن کو۔ تمہاری تو سلطنت حقیقی ہے۔

واہ کیا ہی پیارا نقشہ ہے آنکھوں کا کھِل مِلا
اُس سوہنے نوجوان کا جینا سپھل ہُوا

محل اُس کا جس کی چھت پہ ہیا ہیرے جڑے ہوئے
قوس قزح و ابر کے پردے تنے ہُوئے

مسند بلند تخت ہے۔ پربت ہرا بھرا
اور شجر و پود ار کا ہے۔ چنور جھولتا

نغمے سُریلے اوم کے ہیں اُس سے آرہے
ندیاں پرندے یاد میں ہیں سُر ملا رہے

بیہوش دھن ہے گرچہ پڑا کال کی طرح
دنیا ہے اُس کے پیر کے فٹ بال کی طرح

کیسی یہ سلطنت ہے۔ عدُو کا نشاں نہیں
جس جانہ راج میرا ہوا ایسا مکاں نہیں

اوم

جاگ آتما میں

شری آنند کپور دہلی ۵

کون کہتا ہے کہ تو ناپاک ہے — کون کہتا ہے تو مشتِ خاک ہے
جھوٹ بہکاتے ہیں اربابِ غرض — سچ کہ یہ دنیا بہت چالاک ہے
اِن کی باتوں میں نہ آنا اے عزیز — آم تو سمجھا جیسے وہ آک ہے
غیر ممکن اُن کی قسمت میں سکوں — نفس جن کا سرکش و بیباک ہے
جو رہے تھے آرزوؤں کے غلام — حال اُن کا دیکھ عبرت ناک ہے
شیخ و براہمن ہوں کہ عیسا کے مرید — چار عالم میں عمل کی دھاک ہے
عاشقانِ معرفت کی نظر میں — دولتِ دنیا خس و خاشاک ہے
تم سمجھتے ہو جسے اپنا بدن — در حقیقت یہ تیری پوشاک ہے
جاگ اپنی آتما میں اور دیکھ — تو ہی آنند آپ ذاتِ پاک ہے

اوم آنند

اوم کے شیدائیو

شری آنند کپور دہلی ۵

ہر کسی کو مائلِ صدق و صفا کرتے چلو — ہر کس و ناکس کو واقف خدا کرتے چلو
بے کس و مجبور انسانوں کا غم کھاتے ہوئے — ہو سکے جتنا بھی تم سے تم بھلا کرتے چلو
حرص کے بندوں کو دے دے بے نیازی کا چلن — مالکِ کون و مکاں سے یہ دعا کرتے چلو
اک حیاتِ نو نجاتِ مستقل کے واسطے — کارسازِ دو جگت سے التجا کرتے چلو
در گزر سعیِ رفاہِ عام کی خاطر عزیز — مال و زر کیا چیز جان و دل فدا کرتے چلو
آخرت میں جز عمل کچھ کام آ سکتا نہیں — حتی المقدور سجدے و صدا کرتے چلو
راہ پر گم گشتگانِ راہ کو لاتے ہوئے — ظلمتوں کی وادیوں میں تم ضیا کرتے چلو
بس کہ اتنی ہے تمنا اوم کے شیدائیو — آگ سی دل میں لگی ہے تم ہوا کرتے چلو

پھل وہی پاتا ہے شب کو جاگتا ہے جو آنند
اُٹھ کے پچھلے پہر خالق سے دفا کرتے چلو

اوم آنند

میں کیا ہوں

دسنت بھری سنگھ جی

میں ہوں وہ ذات ناپید الکنار و مطلق بے حد
کہ جس کے سمجھنے میں عقل کل بھی طفل ناداں ہے

"میں کیا ہوں"؟ بادی النظر میں یہ ایک بے معنی سا سوال معلوم ہوتا ہے بھلا کون نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے لیکن جو شخص اس سوال کے جواب میں تھوڑی سی بھی غور کرے گا۔ فوراً سمجھیگا کہ یہ مہمل یا آسان سوال نہیں ہے بلکہ اس سے دقیق اور مشکل سوال شاید ہی دنیا میں اور کوئی ہو۔ دنیا کے مذہبوں اور شاستر کاروں کا اختلاف جس قدر اس سوال کے جواب میں ہے اور کسی سوال میں نہیں۔ اگر سوال آسان ہوتا تو جواب بھی آسان ہی ہوتا۔ اور اس میں آپس کا کچھ اختلاف بھی نہ ہوتا۔ بھلا کمرے میں میز یا کرسی رکھے ہوں۔ اور سب کو صاف صاف نظر آتے ہوں۔ تو کون انہیں میز و کرسی نہیں کہیگا؟ سب ہی کہیں گے۔ اور اس میں ذرا بھی اختلاف ممکن نہ ہوگا۔ مگر "میں" کے بارے میں اختلاف کا ٹھکانا نہیں۔ اس لیئے پہلے ہم مت متانتروں کا اختلاف دکھاتے ہیں۔ کہ یہ سب کیا غلطیاں کر رہے ہیں۔ اور بعد میں "میں" کی جو اصل حقیقت آتما ہے۔ اُسے دکھلائیں گے۔

آتما کے بارے میں بے شمار غلط فہمیاں لوگوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ بعض جسم ہی کو آتما سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ دیہہ آتم وادی چارواک اور آج کل کے طبعی لوگ ہیں۔ بعض کرم اور گیان اندریوں یعنی حواس خمسہ ظاہری احساس باطنی کو ہی آتما مانتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی بڑی ہے۔ بعض جو روحانیت میں ذرا زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ پران یعنی قوت یا انرجی کو ہی آتما جانتے ہیں۔ اسی طرح بعض وگیان وادی بودھ بدھی کو بعض من کو اور بعض گیان یعنی کانشس نس کو ہی آتما کا سروپ مانتے ہیں۔ مگر دوسرے کہتے ہیں کہ گیان یعنی کانشس نس آتما کا سروپ نہیں۔ بلکہ اندریوں اور وشے کا جب باہمی تعلق ہوتا ہے۔ تو اس تعلق سے آتما میں گیان گن یا خواص پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں آتما صروپ سے جڑ ہے اور ایسا ماننے والے نیایائیک اور ویشیشک کہلاتے ہیں۔ پھر اور ہیں۔ جو شونیہ وادی ہیں۔ یہ کارن اگیان کو ہی آتما سمجھتے ہیں۔ اسی طرح آتما کی نسبت لوگوں میں نہایت ہی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں صرف سانکھیہ اور ویدانت کی تعلیم ہے کہ آتما

گیان سروپ ہے۔ اور اُس کا جسم اور جسمانیت سے کسی طرح کا بھی تعلق نہیں وہ اَسنگ شدھ اور مکت سُروپ ہے۔

لیکن ہمیں دیکھنا ہے۔ کہ اِن مختلف سدھانتوں میں صداقت کا مادہ کہاں تک ہے اس لئے یہ سوال پہلے طے ہونا چاہیئے ہم اس موقع پر کسی طوالانی بحث میں نہیں جانا چاہتے۔ صرف ناظرین کو وہ طریقہ بتلا دینا چاہتے ہیں جس سے وہ آتما کی صداقت کو اُس کی پہچان کو خود بخود پا سکیں اور اپنی رائے خود قائم کر سکیں کہ آتما کا اشارہ کس چیز سے ہے۔

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جس وقت سے آدمی پیدا ہوتا ہے تاحیات "میں" کا خیال اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا شیر خوارگی میں۔ بچپن میں۔ جوانی میں۔ ادھیڑ پن ضعیفی اور حالت نزع میں نیز بیماری یا تندرستی میں جب دیکھو وہ "میں" جوں کا توں بنا ہوا ہے۔ بس اس "میں" کے معنی بخوبی سمجھ لو تو نہیں آتما کا سُروپ اور اُس کی اصلیت کا خود بخود پتہ لگ جاویگا۔ کیونکہ "میں" کا ہی اصلی سُروپ آتما ہے جو شخص جسم کو ہی آتما بتاتا ہے وہ کہنے کو لاکھ کہا کرے مگر وہ حقیقت میں جسم پر "میں" کا اطلاق نہیں کرتا۔ اس قسم کی آوازیں ہم ہمیشہ سنتے ہیں۔ کہ "میں دُبلا ہوں۔" "میں موٹا ہوں"۔ "میں بیمار یا تندرست ہوں"۔ اگرچہ بادی النظر میں اِن میں "میں" کا اطلاق جسم پر ہی ظاہر ہے کیونکہ دُبلا ہونا یا موٹا ہونا۔ بیمار یا تندرست ہونا فی الواقع جسم کا ہی خاصہ ہے لیکن یہ مغالطہ محض لفظی اور بیرونی ہے کیونکہ کوئی بھی شخص حقیقت میں اِس بات کو مانتا نہیں ہے۔ اگر جسم کا کوئی عضو کٹ جائے تو کسی کو یہ گیان کبھی محسوس نہیں ہوتا۔ کہ میں نصف یا چوتھائی رہ گیا ہوں بلکہ وہاں بھی "میں" اُسی طرح جُوں کا توں بنا ہوا ہے بچپن میں جو چھوٹا سا جسم ہوتا ہے وہ جوان کا ڈھائی من کا جسم نہیں ہوتا۔ لیکن دونوں صورتوں میں "میں" وہی ہے اگر اس "میں" کا اشارہ محض جسم پر ہی ہوتا۔ تو بچپن اور جوانی کا "میں" مختلف ہوتا۔ اور تماشے کی بات ہے کہ اگر تم کسی ڈاکٹر یا سائنس دان سے پوچھو تو وہ تمہیں بتلائے گا۔ کہ ہر تین یا پانچ سال کے بعد جسم بالکل نیا تیار ہو جاتا ہے کیونکہ جن پر مانوؤں سے جسم بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اجزائے جسم ہر تین یا پانچ سال کے بعد بالکل بدل جاتے ہیں ایدریں حالات "میں" کا اطلاق جسم پر ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جسم میں تبدیلی ہے اور "میں" غیر مبدل ہے اور وہ تبدیلیٔ جسم کے ساتھ بدلتا نہیں۔

اسی طرح جب آدمی کہتا ہے۔ میں کمزور ہوں میں طاقتور ہوں یعنی "میں" کا اطلاق پران پر کرتا ہے تو یہ محض لفظی اور بیرونی مغالطہ ہے کیونکہ حقیقت میں ایسا مانتا نہیں۔ وجہ اُس کی یہ ہے کہ پران میں تبدیلی یعنی زیادتی و کمی ہے اِس "میں" میں زیادتی یا کمی نہیں ہوتی۔ اس واسطے پران کبھی "میں" نہیں ہو سکتا۔ پران بدلتا رہتا ہے۔ مگر "میں" نہیں بدلتا۔

اِس طرح جب "میں" کا اطلاق کرم اندریوں یا گیان اندریوں یعنی حواس پر ہوتا ہے۔ تو وہاں بھی

یہی دھوکا ہو رہا ہے مثلاً آدمی جب کہتا ہے "میں لولا ہوں" "میں لنگڑا ہوں" "میں اندھا یا بہرہ ہوں" تو حقیقت میں اس کی مراد یہ نہیں ہوتی۔ ٹانگیں ٹوٹ جانے یا آنکھیں جاتے رہنے سے "میں" میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تبدیلی اندریوں میں ہوئی ہے۔ "میں" میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ بدستور ویسے کا ویسا ہی ہے۔

یہی حال من کا ہے من میں خیالات کے سلسلے یکے بعد دیگرے اُٹھتے رہتے ہیں۔ کبھی سنکلپ وکلپ ہے کبھی حافظہ وتخیل ہے کبھی ادراک وتعقل ہے۔ مگر یہ سب بدلنے والی چیزیں ہیں پس آدمی جب یہ کہتا ہے۔ "میں بے عقل یا بے سمجھ ہوں"۔ تو حقیقت میں اس کی مراد یہی ہوتی ہے۔ کہ ادراک تخیل۔ حافظہ۔ تعقل۔ یہ سب تبدیلی پذیر ہیں۔ آتے بھی ہیں اور جاتے بھی ہیں مگر تماشہ دیکھنے ان تمام کے اندر وہ اشارہ میں جوں کا توں ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقعہ نہیں ہوتی۔ کیفیات نفس بدلتی ہیں۔ مگر یہ نہیں بدلتا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں۔ کہ "من" کچھ اور چیز ہے۔ اور "میں" کچھ اور۔

بُدھی جس میں من کے ظہورات اُٹھ اُٹھ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اور سمندر میں لہروں کی طرح پھر پھر اُٹھتے ہیں۔ "میں" نہیں ہے۔ کیونکہ بُدھی ایک شے معلومہ ہے۔ اور "میں" معلوم کرنے والا ہے سکھپتی اور سمادھی کی حالت میں بُدھی گم ہو جاتی ہے۔ مگر "میں" تب بھی قائم رہتا ہے۔ کیونکہ دونوں حالتوں سے اُٹھ کر یہ گیان ہوتا ہے کہ میں کیسے سکھ سے سویا یا سمادھی کے کیسے آنند میں تھا اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ "میں" بُدھی سے بھی الگ ہے۔

شونیہ وادی

شونیہ وادی جو کہتا ہے "کچھ نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ اگیان سے ہی ہر ایک چیز اُٹھتی ہے اور اگیان میں ہی لَے ہو جاتی ہے۔" وہ بھی دھوکا کھا رہا ہے حقیقت میں اُس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسی حالت کا سوچنا جس میں "میں" نہ رہے احاطہ امکان سے باہر ہے —— ہم دنیا کی ہر ایک شے کو سوچ سکتے ہیں۔ کہ وہ نہ رہی اور نیست ہو گئی۔ لیکن اپنے آپ کو یہ سوچنا کہ "میں" نہیں رہا محال ہے۔ سوچو اور پھر سوچو۔ اور پھر سوچو جہاں تک ہو سکے گیان میں اس بات کو لاؤ کہ "میں" نہ رہا یا کبھی نہ تھا تو تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے آپ سے چھلانگ مار کر باہر نہیں کود سکتے۔ اگرچہ کچھ نہ رہا۔ تو اس کچھ نہ رہا کا بھی گیان کسی کو ہونا چاہیئے۔ جو ان الفاظ اور خیالات سے ظاہر ہے۔ "وہی" "میں" پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آج صبح جب میں باہر گیا۔ تو وہاں کوئی نہ تھا۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا کہنے والا تو ضرور وہاں موجود تھا۔ ورنہ تمام کی نفی اور خود کی موجودگی کی تصدیق کون کرتا —؟

پھر یہ "ہیں" کیا چیز ہے بس وہی ہے جو سب بدلنے والی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور خود نہیں بدلتا۔ جسم بدلتا ہے پران بدلتے ہیں۔ کرم اندریاں اور گیان اندریاں بدلتی ہیں۔ من اور بدھی بدلتے ہیں۔ نیز ان سب کی جو علتِ اولیٰ ہے۔ وہ بھی بدلتی ہے۔ لیکن جس انو بھو روپ حضرتِ علم پر "میں" کا اطلاق ہے وہ نہیں بدلتا۔ پر نہیں بدلتا۔ اور بدستور ویسے کا ویسا رہتا ہے۔ سب تبدیلیوں کے تماشے دیکھتا ہے۔ مگر خود تبدیل نہیں ہوتا۔ وُہی "ہیں" کا مشارٌ الیہ ہے۔ اور حقیقت میں آدمی کی آتما ہے۔

اس آتما کا سروپ یعنی ماہیت ذاتی کیا ہے۔ یہی جاننا "گیان" "علم" "کانشس نس" ہے اور کچھ نہیں۔ اُوپر ہم بتلاتے چلے آئے ہیں۔ کہ ہر ایک چیز میں خواہ وہ لطیف ہو یا کثیف برابر تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن جو ان تبدیلیوں کا جاننے والا ہے وہ غیر متبدل ہے۔ اور یہ نیم ہے کہ دیکھنے والا کبھی بھی دکھائی دینے والی چیزوں کے ردوبدل سے نہیں بدلتا۔ اس لیے عالم اور معلوم یعنی درشٹا اور درشیہ کا فرق ناظرین کو اچھی طرح ذہن میں بٹھا لینا چاہیئے۔ تمام حرکت اور تغیر و تبدل معلومات میں ہے۔ عالم کی ذات علم محض ہے۔ اس وجہ سے اس میں کسی طرح کی کبھی تبدیلی ممکن نہیں۔ وہ سدا ایک رس ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ محض شاہد درشٹا یا ساکھشی ہے۔

جو لوگ گیان کو آتما کی ذات نہیں جانتے بلکہ گن یا خواص مانتے ہیں۔ سخت بھول پر ہیں۔ اندریہ اور وشے کے تعلق سے ہمارے گیان میں چیزیں آتی ہیں۔ اور پھر ہٹ جاتی ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ گیان پیدا ہوا اور جاتا رہا۔ بلکہ گیان کے سمندر میں جو شئوں کے حباب اُٹھے تھے۔ وہ نہ رہے۔ گیان کی مثال یوں آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ فرض کرو کہ بازار میں اندھیرا ہے صرف ایک دوکان پر چراغ روشن ہے ظاہر ہے جو چیز مثلاً آدمی، گاڑی، گھوڑا۔ اور اس چراغ کی روشنی میں آتا جائے گا۔ اس کا پرکاش ہوتا جائے گا۔ اور جو جو چیز اس کی روشنی سے ہٹتی جائے گی۔ وُہ اندھیرے میں غائب ہوتی جائے گی۔ لیکن اب اندھیرے میں کوئی کہے کہ چراغ کی روشنی پیدا ہوئی تھی۔ یا اب نیست ہو گئی۔ تو وہ غلطی پر ہے چراغ کی روشنی تو جوں کی توں اُسی طرح ایک رس قایم ہے۔ ہاں اُس میں جو چیزیں آ گئی تھیں۔ ان کا پرکاش ہو گیا تھا اور اب وہ اُس پرکاش میں نہیں رہیں۔ اس لیئے نظر نہیں آتیں۔ اسی طرح گیان سدا ایک رس ہے۔ اس میں اشیئے اُٹھ اُٹھ کر پرکاشت ہوتے اور غائب ہوتے رہتے ہیں۔ مگر گیان نہ پیدا ہوتا ہے۔ نہ مرتا ہے۔

یہ شدھ گیان جس میں شئے کا ذرا بھی تعلق نہیں ہے آتما کہلاتا ہے۔ یہی جیو کا اصلی سروپ ہے اور یہی واقعی "ہیں" ہے چونکہ شدھ گیان ہے اس واسطے سدا ایک رس ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے پیدائش و موت دو تبدیلیوں کا نام ہے۔ آتما میں چونکہ تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے وہ نہ پیدا

ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔ ازلی و ابدی ہے۔ اور اسے بقا سے ہی تعلق حاصل ہے۔ نہ کٹتا ہے۔ نہ جلتا ہے نہ گلتا ہے اور نہ سُوکھتا ہے۔ جتنی تبدیلیاں ہیں۔ یعنی پیدا ہونا بڑھنا۔ پختہ ہونا۔ زوال میں آنا۔ اور مر جانا سب جسم میں ہیں۔ آتما اِن تمام کا محض ناظر و ساکھشی ہے یہ ہی "میں" کا اونچا اور اصلی اطلاق ہے اور یہی "میں کیا ہوں" سوال کا مختصر جواب اور حل ہے۔

سالِ نو

قطعہ

منبعِ دانشِ و شعور ہو سالِ نیا مطلعِ راحت و سرور ہو سالِ نیا
مدیرِ اوم، وہی خواہاں کو بھی شاہد یہ موجبِ سرور ہو سالِ نیا

رباعی

عالم و علم و معلوم ہوں میں راقم و رقم و مرقوم ہوں میں
ریاضِ عشق کی فراخ وادی میں حاکم و حکم و محکوم ہوں میں

قطعہ

یوں ایامِ بہار بھی گذر جائیں گے نقوشِ گل و خار بھی گذر جائیں گے
اے دوست کیوں ہے وقفِ غم و الم یہ سب لیل و نہار بھی گذر جائیں گے

لکھشمی چند گرو ور شاہد

بھگتی اور بھگت

از
شری لکھشمی چند گروور بی۔ اے آنرز

بھگتی کے معنی محبت اور پریم کرنے کے ہیں۔ بھگتی خالص پریم اور محبت ہے آغاز۔ وسط اور اختتام پریم ہی پریم ہے۔ پریم ایک نادر چیز ہے۔ جسکی تسلّی بخش تشریح و توضیح کوئی کارے دارد والا معاملہ ہے پریم کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ من کسی شئے کی طرف محض اس وجہ سے راغب ہوتا ہے کہ وہ شئے پیاری معلوم ہوتی ہے۔ پیاری کیوں معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ ڈھونڈنے میں عقل و خرد کو بارا نہیں۔ یہ پریم کی ابتدا ہے اور یہ بتدریج بڑھتا بنر عشق یا سودا تک پہنچ جاتا ہے۔ بھگت جذبۂ محبت و پریم میں سرشار ہو کر اکثر اپنے بھگوان کو یوں خطاب کرتا ہے "میرے پریتم تو اگر بحرِ بیکراں ہے تو میری حیثیت ایک مچھلی کی سی ہے۔ تو ایک وسیع و وشال بن ہے تو میں ہرنی ہوں۔ پھول کی صورت میں میری ہستی بھنورے جیسی ہے اور چاند کی صورت میں میں چکور ہوں۔ شمع کی حالت میں میری ہستی ایک جانباز پروانے کی سی ہے" پریم کی انتہا یہ ہے کہ پریمی اپنی جزوی انفرادیت کو پربھو کی ذاتِ اقدس میں کلیتاً جذب کر دیتا ہے نہیں نہیں پریمی کی انفرادیت خود بخود اپنے پریتم میں جذب ہو جاتی ہے۔ بھگت حقیقی شانتی کے لئے اپنے دل میں بھگوان کے واسطے بے پناہ کشش پیدا کر کے آنند اور شانتی کے مخزن کو خود اپنی طرف کھینچ لاتا ہے۔

بھگتی یوگ اور گیان یوگ میں ابتدائی مرحلہ پر محض سادھن میں ہی فرق ہے آخر میں دونوں کی معراج یا منزل ایک ہو جاتی ہے۔ بھگت اپنی بھگتی کو محض بھگتی کی نظر سے ہی دیکھتا ہے۔ بھگوان سے وہ کچھ نہیں مانگتا۔ بلکہ تن من دھن غرضیکہ سب کچھ اُس پر نچھاور و قربان کرنے کے لئے ہر دم بے تاب و بے قرار رہتا ہے۔ پریمی اور بھگت ہونا آسان کام نہیں۔ یہ جیتے جی اپنے آپ کو مارنے کے مترادف ہے۔

شری نند کشور اخگر اپنی تصنیف "درسِ حیات" میں بھگت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

(اگلا صفحہ)

بھگوان کا بھگت

جس کو دُنیا میں کسی جاندار سے نفرت نہیں — سب کا مخلص ہے جسے رنجش نہیں نخوت نہیں
جو نہ خائف ہو نہ جس سے کوئی گھبرائے کبھی — جس کا دِل رنج و مسرّت سے ہمیشہ ہے تہی
بے غرض بے عیب جو ہے پاک طینت نیک نام — بے تعلق ہے زمانے سے نہیں کچھ جس کو کام
دوست دشمن میں نہیں ہے تفرقہ اصلاً جسے — عزت و بے عزتی کی کچھ نہیں پروا جسے
جس کی سردی اور گرمی میں وُہی حالت رہے — رنج و راحت میں ہمیشہ ایک ہی صورت رہے
اپنی تعریف و ستائش کی جسے حاجت نہیں — جس کو اپنے نکتہ چینوں سے بھی کچھ نفرت نہیں
جو مصیبت کی گھڑی میں قانع و شاکر رہے — لاکھ طوفانِ الم اُٹھیں مگر صابر رہے

بھگت کہتے ہیں اُسے بھگوان کا پیارا ہے وہ
اِسقدر پیارا کہ اُس کی آنکھ کا تارا ہے وہ

اخگر

بھگتی بھاؤ

شری رگھوناتھ سہائے بی اے

عزیز من۔ کیا تیرے دِل میں کبھی یہ سوال پیدا ہُوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا فرض کیا ہے اِس میں شک نہیں۔ کہ ہر معمولی کام کچھ عرصہ یا ہمیشہ کے لئے ملتوی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خدا کی تلاش کو چھوڑ کر انسان کبھی اور کسی حالت میں بھی چین نہیں پا سکتا۔ اس لئے تو ہمیشہ پربھو پیارے کے درشن پانے کی دھن میں لگا رہ۔ اور ہر وقت اس سب سے بڑی آواز کو سُننے کی کوشش کیا کر۔

اِس پاربرہم پرماتما کے درشنوں کی خواہش جس انسان کے دل میں نہیں۔ وہ حیوان کے برابر ہے اس لئے تو بار بار اسی بات کی کوشش کر۔ کہ کسی طرح اس جوتی سروپ کا جلوہ تیری آتما میں پیدا ہو۔ اور تو اِس نورانی چمک سے اپنے پیارے پربھو کے درشن کرے۔ ورنہ تیری ہستی بالکل بے کار ہے۔ اگر تو کسی

رنج میں مبتلا ہے تو اپنا دُکھڑا اسی کے سامنے بیان کر کیونکہ اس کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جو تیرا دکھ دور کر سکے۔ اگر تجھے دُنیا کے فکروں نے پریشان کر رکھا ہے۔ تو ان کے خلاف اسی کے سامنے فریاد کر!

بچوں کی سی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اپنے تمام رازوں کو اُس کی حضوری میں کھول دے اور اس کام میں دیانت داری سے کام لے۔ اگرچہ وہ تیری ہر بات کو تیرے کچھ کہنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ لیکن پھر بھی تیرا فرض یہی ہے کہ تو اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوا اس سے رحم اور کرم کی التجا کر کیونکہ وہ دیا کا بھنڈار ہے۔ اور پاپیوں کا انستارہ کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ تیرا فرض یہی ہے کہ کسی ایسے نقص کو اپنی ہستی میں داخل نہ ہونے دے۔ کہ جو خداوند کریم کے متعلق تیرے اعتقاد کو ڈگمگا سکے۔ عزیزمن! تو یہ سمجھ لے۔ کہ ایک دوست باوفا کی طرح پرماتما تیری محبت و عقیدت کا طالب ہے۔ اور ہر کام میں خواہ وہ ادنےٰ سے ادنےٰ بھی کیوں نہ ہو۔ وہ تیرے اخلاص و عقیدت کا متلاشی رہتا ہے۔ وہ انسان جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے اس قدر امن و اطمینان حاصل کر سکتا ہے جس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔

جب تو خواب غفلت سے بیدار ہو۔ تو اپنے خیالات کے گھوڑے کی باگ اپنے پرماتما کی طرف موڑ اور اسی سے برکت کا خواہشگار ہو۔ دعا کے لئے اپنی زبان کو جنبش دے۔ اور تمام نسل انسانی کا بھلا چاہ۔ صبح کا وقت دعا اور دھیان وغیرہ کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔

اس بھگتی رس سے بھرپور اوستھا کو چند منٹوں کے لئے برقرار رکھ کر کسی تنہا جگہ میں اطمینان سے بیٹھ کر خاموشی سے اپنے دل کو دھیان میں لگا۔ اور تمام اطراف سے اپنی توجہ ہٹا کر صرف ایک جوتی سروپ پرماتما کی طرف لگا۔ ایشور پریم سے بھری ہوئی سمادھی پرارتھناؤں کے لئے ایک زبردست مددگار ہوتی ہے۔ اور دیکھے گا۔ کہ تیری دعاؤں کا ضرور کچھ نہ کچھ اثر ہو گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

ہو کے بیکل جب کوئی مجھ سے لڑاتا ہے نظر
میں بھی اُس کو دیکھتا ہوں یہ مِرا اسرار ہے

بس تو اپنے آپ کو مراقبہ یعنی سمادھی (جسے قرب الٰہی کے نام سے بھی موسوم کر سکتے ہیں) کا عادی بنا صبح کا وقت اس متبرک کام کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اس وقت تمام تفکرات دنیوی کو بالائے طاق رکھ کر اگر تو اپنے پیارے پربھو سے اپنا رشتہ جوڑنے کی کوشش کرے گا۔ تو ضرور منزل مقصود کو پہنچے گا۔

بقول شاعر

جب تصور سے تمہیں نزدیک کر لیتا ہوں میں
گوہر مقصود سے دامن کو بھر لیتا ہوں میں

اور صاف لامحدود آسمان کے سایہ تلے کھلی ہوا میں پہاڑ کی چوٹی۔ دریا کا کنارہ یا کوئی جنگل یا صحرا یا کوئی اور تنہا جگہ اس مبارک ترین مصروفیت کے لئے سب سے بہتر مقام ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ مذکورہ بالا مقامات کے سوائے عبادت الٰہی ہو ہی نہیں سکتی۔ نہیں بلکہ ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے اس قسم کی کوئی ایسی جگہ نہ مل سکے۔ تو کسی وسیع میدان میں چلا جا۔ یا کسی سڑک کے کنارے یا کسی باغ کی طرف ہی قدم بڑھا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے۔ تو اپنے گھر کی چھت پر ہی آسن لگالے اور وہاں سچے دل سے ایشور پرماتما کے قدموں میں دھیان لگا کر اپنی آتما کو اپنے پرم پتا کی یاد میں لگا کر سچی خوشی کے سمندر میں غوطہ لگا دے۔

عزیز من۔ حمد الٰہی کو اپنی دلی خوشی کی بنیاد سمجھ لے۔ ایشور اوپاسنا کو اپنی زندگی کا بہترین نغمہ تصور کر کے پرماتما کی بھگتی کے لئے اپنے دل میں ایسی زبردست امنگ پیدا کر جو کبھی مٹ نہ سکے اگر تیری اپنی لگن تجھے آنند دیتی ہے تو تمام دنیا ہی اس سے آنند لے سکتی ہے۔

تو اپنا ناصح آپ ہی ہے اور مرشد بھی خود ہی ہے دوسرے لفظوں میں یہ سمجھ کہ تیری روح ہی تیری سچی رہنما ہے۔ ایشور کی بابت سچے اور میٹھے الفاظ میں اگر کوئی شے تجھے پیغام دے سکتی ہے۔ تو وہ خود تیرا ہی دل ہے نہ کوئی بیرونی چیز ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اپنی آنکھیں کھول اور تجھے ہر طرف اس کی عظیم الشان اور حیرت افزا مسکراہٹ دکھائی دے گی اپنی پُر آرزو روح کے بازو پھیلا اور اس بے مثل ہستی سے بغلگیر ہو جا۔ یہ سخت اندھا پن ہے۔ کہ انسان اس ہستی کو جو تمام چیزوں کی نسبت اس کے نزدیک ترین ہو نہ دیکھ سکے۔ اور یہ سخت مردہ پن ہے۔ کہ ایسی ہستی سے پیار نہ کرے۔ جو سب سے بڑھ کر پیار کرنے کے قابل ہو۔

اگر تو ہر حالت میں عبادت الٰہی کے لئے بے تاب ہے تو کیوں نہیں سچے دل سے مصروف عبادت ہو جاتا۔ اگر بھگتی کی ترنگ میں اس شہنشاہ دو عالم کے دربار میں کبھی کبھی رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ تو کیوں نہیں۔ تو اس کی محبت بھری گود میں ہمیشہ کے لئے پناہ گزین ہو جاتا۔

عزیز من۔ تو اپنی پرارتھناؤں کو اپنے واسطے امرت سمجھ لے۔ اس پرم پتا کی تلاش میں ہمہ تن مصروف ہو جا۔ جسے تو نے اپنی غفلت کی وجہ سے فراموش کر رکھا ہے اسی کے واسطے اپنے دل میں زبردست خواہش پیدا کر اور جب کبھی تجھ پر غم والم کا غلبہ ہو جائے۔ تو پرماتما کی یاد میں محو ہو جا۔ یہی تمام دکھوں کا واحد علاج ہے۔ اور یہی وہ حقیقی نشہ ہے جسے گورو نانک صاحب نے نام [illegible] کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کے مقابلے میں تمام عارضی نشوں کو ہیچ سمجھا ہے۔ کیونکہ درحقیقت اس نشہ کے سوا تمام نشے عارضی ناپائیدار اور قابل نفرت ہیں۔

اوم

مقام عبرت

از گوسائیں روشن ناتھ جی

خاک سے پیدا ہوا پھر خاک میں مل جائیگا
میرا تیرا اپنا بے گانہ یہ کہنا ہے عبث
دُنیا کے جو جو مزے ہیں موت دیگی سب بھلا
بیوی بچوّں کی جو اتنی تجھ کو اُلفت ہے بنی
جب تلک تو زندہ ہے دُنیا کو لگتا ہے عزیز
اِک خُدا کے ماسوا سب لوگ ہیں جھوٹھے دشمن

اِس جہاں میں جو ہُوا پیدا فنا ہو جائے گا
وقت رحلت ہر کوئی تب بے وفا ہو جائے گا
زندگی کا لطف آخر کرکرا ہو جائے گا
موت آئے گی تو سب سے تُو وداع ہو جائے گا
مر گیا تو لاش تیرا اک بلا ہو جائے گا
رہی ایش سے اُلفت اگر تیرا بھلا ہو جائے گا

گوشہ قبر میں جب کہ سونا ہو گا
نہ ہو گی کوئی چیز نہ ہو گا کوئی دوست
وہاں نہ بستر نہ بچھونا ہو گا
ایک تم ہو گے۔ ایک قبر کا کونا ہو گا۔

ثابت قدمی

زندگی کے ہر کام اور ہر ایک طرح کی جد و جہد خواہ تجارتی ہو علمی ہو رُوحانی یا دھارمک کوئی بھی ہو اُس میں استواری، ثابت قدمی یا درڑھتا کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ جسم کے لیئے جان کی۔ اِنسان میں تمام خصائل، گن یا فضائل موجود ہوں۔ مگر ایک استواری نہ ہونے کی وجہ سے گنوں کی پورنتا اور فضائل کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ فرض کرو۔ آپ میں نیکی ہے، ذوق عمل ہے سچائی اور انصاف وغیرہ سب اوصاف ہیں لیکن اگر ان میں استواری نہیں، درڑھتا نہیں یعنی نیکی سچائی یا انصاف کے مارگ میں ذرا رکاوٹ یا تکلیف آگئی اور آپ نے استواری کا دامن چھوڑ دیا، اور نفس پرستی کے شکار ہوگئے تو نتیجہ کیا ہو گا۔ یہی کہ آپکے وہ نیکی سچائی اور انصاف وغیرہ کے گن بھی دوش بن جائینگے۔ نیز نی

جوگ ساگر

حضرت غلام جیلانی صاحب

- ہری دے نال نہ پریم کیتا ہر دیوں سورگ دا بھوگ بساریا نا نہہ
پھنسے رہن وچ کامناں پھسے ہوئے منوں کامناں نوں کڈھ ماریا نا نہہ
سورگ باش ہو بھی چاہیں ناریاں نوں تھیوں نال ہری لایا پیار یا نا نہہ
وشیاں مگر لگن وچ جیتیا ہویا پاگل سفناں سنگ دل جنم سدھاریا نا نہہ
پڑھیں لیاں بانیاں سورگ خاطر سورگ نرک توں کدی نواریا نا نہہ
جھوٹے سورگ تے پرم پھل جان بیٹھا غلام جیلانی شاہ گیان وچاریا نا نہہ

کتھا

میرے پریمی سجنو! شری گیتا میں لکھا ہے۔ کہ کامناؤں میں پھنسے ہوئے لوگ سورگ کو ہی پرم پھل جانتے ہیں۔ سورگ کے بھوگ وشے حاصل کرنے کیلئے بہت لمبی چوڑی بانیوں کا پاٹھ کرتے رہتے ہیں جن کا چت بھوگ ولاس کی پراپتی میں پھنس گیا۔ اُن کو ایشور کی پراپتی کی بُدھی نہیں رہتی۔ کیونکہ اُن کا چت سدا ہی بھوگوں میں پھنسا رہتا ہے۔

پھل کا رن سیوا کرے تجے نہ من سے کام کہے کبیر سیوک نہیں چاہے چوگنا دام

میرے پریمی سجنو! تم کامناؤں کی اچھیا تیاگ کر چھم پرماتما میں مگن ہو جاؤ۔ دُکھ سُکھ ایک سمان جان کر من میں دھیرج اور شانتی پیدا کرو۔ پرم ایشور کے جاپ میں چت لگا کر اپنے جیسی ہونے کے ابھیمان کو تیاگ کر اور جاپ کے اثر ہونے یا نہ ہونے کو ایک سا جان کر جاپ کرتے رہو۔ جو پُرش ایشور کو ہی خوش کرنے کے لئے جاپ کرتے ہیں وہ سورگ نرک کو دل سے تیاگ دیتے ہیں۔ اس لئے تم بھی اُدّم کر کے جوگ کرو۔ گیان وان پُرش وہی ہیں جو نیکی کے پھل کی اچھیا تیاگ کر جنم مرن سے نرپھے ہو کر اچھے کام کرتے ہیں۔ وہ آخر کو پرمیشور کی جوت میں سما جاتے ہیں۔ سری کرشن چندر جی مہاراج فرماتے ہیں کہ اے ارجن جو پُرش سب کامناؤں سے رہت ہو کر آتما میں ہی چت سے آنند ہو جاتا ہے۔ وہ گیانی ہو جاتا ہے۔ جو پُرش دُکھ پراپت ہونے پر بھی دُکھی نہیں ہوتا اور دُکھ میں ویاکل نہیں ہوتا اور سُکھ کی اچھیا نہیں کرتا۔ کام کرودھ موہ لوبھ ہنکار سے آزاد ہے وہ گیانی یا عارف کہا جاتا ہے۔ اور جو پُرش پھل چاہنے والا ہے وہ بہت ہی نکمّا ہے۔ اے ارجن پرمیشور کو خوش کرنے کے لئے

بھلی بُری کار کرم پھل کا اچھیا کو تیاگ دو۔ جو پُرش ایسا کرتا ہے وہ پاپ دوش سے نرلیپ رہتا ہے جیسے کنول کا پتہ جل میں ؎

پانی میں کھڑا دیکھا ہے کئی بار نیلوفر — پانی سے ہوتے ہی نہیں پھول اور پات تر
دنیا میں رہتا ہے تو تو بھی اس طرح سے رہ — دلبستگی نہ ہو تری حق کے سوا پر

جو دل ہر وقت ہی پرمیشور میں لگا ہوا ہے تو اس کا اسفقان کبھی پرمیشور ہی ہے۔ وہ گیان کے بل سے نرمل ہو کر آواگون سے رہت ہو کر پرمیشم کی جوت میں سما جاتا ہے۔ جو بھوگ اندریوں کی برتی میں اُتپن ہوتے ہیں وہ دکھ کے کارن ہیں۔ بُدھی وان پُرش اُن سے نیارا رہتا ہے اور اُن میں دل نہیں لگاتا جوگ واشسشٹ میں لکھا ہے کہ اے رام چندر جس طرح پہاڑ کو ہوا نہیں ہلا سکتی اسی طرح اگر دل کامناؤں سے باز آجائے تو کوئی وہم اس کو پریشان نہیں کر سکتا۔ اے رام چندر دل کی بیماری کے لئے معالج یعنی حکیم کی ضرورت نہیں اور نہ نبض دکھانے کی ضرورت ہے جو علاج حکیم کرتے ہیں۔ وہ کبھی فائدہ مند ہوتا ہے اور کبھی بے اثر ہوتا ہے۔ دل کی بیماری کا علاج یہ ہے۔ کہ جو چیزیں تمکو بھی معلوم ہوں اُن کو چھوڑ دو۔ جو خواہش سانپ کی طرح سر نکالے فوراً اُس کا سر کچل دو۔ اور کسی خواہش ولذت کو یاد نہ کرو۔ اور کچھ نہ ملنے پر افسوس نہ کرو۔ اے رام چندر۔ اس سخت بیماری کا یہ بہت آسان علاج ہے۔ جو نہ کرے اس پر لعنت ہے۔ وہ آدمی ہی نہیں بلکہ پیٹ کا کیڑا ہے۔ جو پاخانے کیساتھ باہر آتا ہے۔ اور پاخانے میں ہی مرجاتا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ محبوب اشیا کا چھوڑنا بڑا کٹھن ہے۔ تو آسان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ دل کا علاج دل کے اندر ہے۔ جب تک دل آرزوؤں اور خواہشات کی طرف جاتا ہے۔ گرم لوہے کے مشابہ ہے کہ حرکت کو گرمی لازمی ہے اور جب سب خواہشوں سے باز آیا تو پھر ٹھنڈے لوہے کی مثل ہے جس طرح گرم لوہے کو ٹھنڈے لوہے سے کوٹتے ہیں۔ اور اس سے برتن یا ہتھیار بناتے ہیں۔ اِس طرح پریشان دل کو نشچنت دل سے درست کرو۔ یعنی حرکت وسکون دونوں صفات دل کی ہیں۔

کبھی یہ صفت غالب ہوتی ہے کبھی وہ۔ اِن صفات کے لحاظ سے دل کو ۲ کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ حقیقتاً دل ایک ہی ہے۔ جیسے ایک بوڑھا آدمی کبھی کھیل میں لڑکوں کے سنگ ہوتا ہے اور کبھی اپنی شان پر نگاہ کر کے لڑکوں کو بھی کھیل سے روکتا ہے۔

بولو ست نام۔ ہری اوم۔ ہری اوم۔ ہری اوم

مرسلہ ہربنس لال شرما نکودر

بھگت اور بھگتی

شری ٹیک سنگھ بانسل ایم۔ اے

بھگتی کا ارتھ ہے، منش کا اپنے اشٹ میں اگادھ پریم، شردھا اور اس کا نرنتر سمرن۔ سچا بھگت اپنے اشٹ کو پانے کے لئے کبھی تپ، تیاگ اور سادھنا سے کنچت ماتر بھی وچلت نہیں ہوتا۔ اسی لئے بھگت کو سب سے اونچی پدوی پراپت ہے۔ پرہلاد، دھرو، میراں بائی، سور داس، کبیر اور گورو نانک دیو کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ بھگوان سویم فرماتے ہیں۔ میری یا دھی بھگت چھڑائے۔ بھگت کی بادھی موسے نہ چھوٹے، گورو واک ہے۔ سنتاں (بھگتاں) دے کارج آپ کھلویا، ارتھات بھگتوں کے کارج کرنے کے لئے بھگوان آپ پدھارتے ہیں۔ شری کرشن جی نے خود بھگوان ہوتے ہوئے کس پرکار ارجن کا ساتھ ایک سیوک کے روپ میں دیا۔ شری گورو نانک دیو جی کو دھوپ کی شدت سے بچانے کے لئے کبھی سانپ کے روپ میں چھایا کی تو کبھی قانونِ قدرت کے خلاف درخت کی چھاؤں اُلٹی طرف (سورج کی جانب) کر دی۔ سداماں، سین نائی، دھنا جٹ، نام دیو آدی انیک بھگتوں کے وہ وہ کام کیے، جو ایک ادنے نوکر کرتا ہے۔ یہ سب کس لئے؟ اس کا راز ایک ہی فقرے میں مضمر ہے کہ۔ بس میں ہوتے آئے سدا بھگوان بھگت کے،

بھگوان کی خوشنودی کوئی بڑے سے بڑا وکتی اپنی امیری۔ لوگوں کو امیرانہ بھوجن کھلانے یا دکھاوے کے دیگر سادھنوں (SHOWWORK) دوارا پراپت نہیں کر سکتا۔ بھگوان تو کیول پریم، شردھا اور وشواس سے ان کو ارپت کئے معمولی پھل۔ پھول۔ پتوں اور روکھے بھوجن سے اتنا ریجھتے ہیں۔ کہ امیروں کے محلوں اور نانا پرکار کے پکوانوں کو کچھ بھی مہتو نہیں دیتے۔ بھگوان دریودھن کو فرماتے ہیں۔ چنگی لگدی بدروانی چھپری راد تیرے مندراں (محلاں) توں' ایک جگہ اور آتا ہے: اوچے مندر (محل) تے سندر اٹاریاں۔ خالی تیرے نام توں بناں!

جب بھگت نام دیو جی کی بھگتی سے پربھاوت ہو کر بھگوان اس کے نواس کے لئے جھونپڑی بنانے کے لئے خود پدھارے تو نام دیو جی کو ان کی ایک پڑوسن پوچھتی ہے۔ نام دیو نوں گوانڈھن پچھدی، کس توں توں بنھائی چھپری، دسے بھگتا!'

وہ جواب دیتے ہیں۔ بیڈھی (بڑھئی) نام دی مجوری (مزدوری) منگدا، اُس توں میں بنھائی چھپری'

کچھ اور مصرعے ہیں جن سے بھگت کی مہانتا اور بھی سپشٹ روپ سے درشٹی گوچر ہوتی ہے کہا ہے،

پرتھوی نہیں وڈی شیش ناگ وڈے، جنہاں پہ پرتھوی سر تے اٹھائی ہوئی اے

شیش نہیں وڈے، مہیش (شوجی) وڈے، جنہاں شیش دی مالا گلے پائی ہوئی اے

شوجی نہیں وڈے ہے کیلاش وڈا، جس تے شواں نے دھونی رمائی ہوئی اے

کیلاش نہیں وڈا ہے راون وڈا، جس نے کیلاش تے طاقت ازمائی ہوئی اے

راون نہیں وڈا ہن رام وڈے، جنہاں راون دی کیتی صفائی ہوئی اے

رام نہیں وڈے ہن بھگت وڈے، جنہاں رام نوں کار کرائی ہوئی اے

گورو واک ہے۔ ہر جگ جگ بھگت اُپایا، پیج رکھدا آیا رام راجے۔ اس کا ارتھ ہے کہ سنسار میں بھگتی کی مریادا کو قائم رکھنے کے لئے اور بنی نوع انسان کو حقیقی آتمک گیان دینے کے لئے بھگوان خود ہی بھگتوں کو پرتھوی پر بھیجتے ہیں۔ کیونکہ بھگتوں کے عملی جیون سے ہی منش کے اندر ایسی دھارنا پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے۔ اور پھر اپنی آتما کو پرماتما کے ساتھ جوڑنے کا یتن کرے۔ بھائی گورداس جی گورو نانک دیو جی کے شبھ آگمن کا کارن بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سنی پکار دتار پربھ، گورو نانک جگ ماہنہ پٹھایا (بھیجا گیا)۔

بھگتی کا مارگ کوئی آسان یا سرل نہیں ہے جیسا کہ گورو گوبند سنگھ جی فرماتے ہیں:۔

جے تو ہے پریم کھیلن کا چاؤ، سر دھر تلی گلی موری آؤ

ایہہ مارگ پیر دھرنجے، سر دیجے کان نہ کیجے

بھگتی کی پراپتی کی راہ کیسی ہے اس کے لئے گورو صاحب یوں بھی فرماتے ہیں۔ کھنڈیو تکھی والوں نکی، لیکن جب بھگت ان سب آزمائشوں میں پورا اتر چکتا ہے، تو بھگوان خود اس پر ابر رحمت بن کر رحمتوں کی ورشا کرتے ہیں۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ پرماتما کے جو بھگت ہیں یا جنہیں بھگوان سے ادھکا ادھک پریم ہے وہ عموماً تنگ حال، مفلس یا مالی لحاظ سے بمشکل درمیانہ طبقہ (MIDDLE CLASS) سے سمبندھ رکھتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ جنہیں پربھو کے نام سے کوئی حقیقی لگاؤ یا دلچسپی نہیں ہے وہ لاکھوں اور کروڑوں میں کھیلتے ہیں، صاحب جائیداد (LAND LORDS)، کارخانوں۔ کوٹھیوں اور کاروں کے مالک ہیں۔ موٹے طور پر تو یہ تفرقہ سب کو کھٹکتا اور ناگوار سا گزرتا ہے۔ لیکن ذرا نظر تحقیق سے دیکھیں تو پرماتما کی اصل کرپا انہیں لوگوں پر ہے جو زیادہ دھنوان نہیں ہیں۔ کیونکہ بھگوان کو ہم ہمیشہ غریبی اور تنگ دامانی میں ہی یاد کر سکتے ہیں جبکہ امارت میں نہ کیول بھگوان کا نام ہی فراموش ہو جاتا ہے۔ بلکہ کئی اور بد عملی، عیاشیاں اور مکر وریا آ ڈیرا لگاتے ہیں۔ جس طرح ماں جب بچے کو اپنی پیاری گود میں لینا نہیں چاہتی۔ تو اس کے آگے چند خوبصورت

کھلونے ڈال دیتی ہے تاکہ بچہ اُن ہی ریجھ کر ماں کو یاد نہ کرے۔ بھگوان بھی ایسے لوگوں کو سونے، چاندی اور نقدی اور آرام و آسائش کے دیگر سامان مہیا کر کے ان کا من اُن ہی میں الجھا دیتے ہیں۔

حقیقی پربھو بھگتی کا ایک اور ضروری پہلو خلق خدا کی سیوا اور سہائتا بھی ہے۔ جس پرکار باپ کا ایک امیر بیٹا اگر اس کے دوسرے غریب بیٹے کی کوئی امداد نہیں کرتا تو امیر بیٹا زیادہ سے زیادہ فرمانبردار ہونے پر بھی باپ کو پیارا نہیں لگتا۔ اسی طرح بھگوان کی حقیقی خوشی حاصل کرنے کے لئے اس کی دوسری مخلوق کی مدد کرنا بھگت کہلانے والے شخص کا فرض اولین ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ خدا ان بندوں پر خوش ہوتا ہے، جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

ابو بن آدم کی کہانی تمام دنیا میں پرسدھ ہے۔ کہ کس طرح رات کی تاریکی میں اس کے کمرے میں ایک دیوتا ایک سنہری کتاب ہاتھ میں لئے نمودار ہوتا ہے۔ ابو کے پوچھنے پر کہ آپ اس میں کیا لکھ رہے ہیں، دیوتا نے کہا کہ اس میں پرماتما کے بھگتوں کے نام درج کر رہا ہوں۔ ابو نے پوچھا، کیا اس فہرست میں میرا نام بھی درج ہے؟ فرشتے نے جواب دیا، نہیں۔ اس پر ابو نے التجا کی کہ میرا نام اس زمرہ میں ہی لکھ لیں۔ کہ میں خدا کے بندوں سے بیحد محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے اس کی التجا مان کر اس کا نام سب سے آخر میں لکھ لیا۔ اگلی رات وہی فرشتہ اُسی کتاب کے ہمراہ پھر نمودار ہوا، اور اُس نے ابو کو خوشخبری دیتے ہوئے کہا کہ میں نے خداوند کریم کو مذکورہ فہرست دکھائی تو انہوں نے آپ کا نام سرِ فہرست کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ مجھے اپنے سب چاہنے والوں سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ میری مخلوق سے پیار کرتا ہے۔ سچ ہے۔

خلق گر راضی ہو تیرے خُلق سے
خالقِ ارض و سما راضی رہے۔

تیری محفل

از شری درگا داس جی

تیری محفل میں جو اک بار آ کر دل لگاتے ہیں
وہ پی کر جام وحدت دین دنیا بھول جاتے ہیں
مصائب اُن کو دنیا کے نہیں ہرگز ستاتے ہیں
پربھو کو یاد کرتے ہیں اُسی میں دل لگاتے ہیں
مجھے بھی جام وحدت تو پلا دے آ کے اے ساقی
کہ جس سے دین دنیا کی رہے نہ آرزو باقی
نشہ سے چور ہو جائیں مرے جذبات نفسانی
ستائے نہ مجھے کوئی جہاں میں نفسِ شیطانی
میرا آئینۂ دل بھی کچھ ایسا صاف ہو جائے
کہ اس میں داس کو پریتم کا سب جلوہ نظر آئے

امرت کا چشمہ

امن کی تلاش میں دُنیا ہزار ہا برس سے سرگرداں ہے۔ مہاپرُشوں نے اپنے سدھانت وقتاً فوقتاً سُنائے۔ لیکن آج تک کسی کو سمجھ نہ آئی۔ کہ امن کا گھر کہاں ہے۔ فی زمانہ بھی بہت شور و شر سنائی پڑتا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ ہم اپنی برادری کا سُدھار چاہتے ہیں۔ کئی کہتے ہیں ہم غریبوں کو ہوشیار کرنا چاہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ ہم نظام حکومت میں رائے عامہ کا وقار چاہتے ہیں۔ کئی کہتے ہیں۔ ہم اس نانک بن کے زمانہ میں دہرم پرچار چاہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہم اہل وطن کی اپنی سرکار چاہتے ہیں کئی کہتے ہیں۔ ہم لامذہب رہکر خالی نیک کردار چاہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ ہم بیکاروں کے لئے سبیل روزگار چاہتے ہیں۔ کئی کہتے ہیں۔ ہم طرح طرح کی اوشدھیوں سے صحت پائدار چاہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ ہم فانی دُنیا کے اندر جائے قرار چاہتے ہیں۔ کئی کہتے ہیں۔ ہم اس مایا کے سمندر سے نکلنا پار چاہتے ہیں ہم راگ دویش دو کالے ناگوں کی زہر سے بچنے کو آتم رس کی امرت دھارا چاہتے ہیں۔ پرشوتم کہتے ہیں۔

آتم رس جہ جانیاں ہر انگ سبھے مانڑ ــــ نانک دھن۔ دھن جن آئے تے پروانڑ

ترجمہ:۔ جن نے نج گھر میں سہج آوستھا کو پراپت ہو کر عشق الٰہی کے کیف میں سرورِ ذاتی کو جانا۔ دھن اس کی ماتا ہے۔ دھن اس کا پتا ہے۔ دھن وہ کُل ہے۔ جس میں وہ پیدا ہوا۔ کیونکہ آنا اُسی کا سپھل ہوا ہے میرے پوجیہ ناظرین! جائے غور ہے کہ جو شخص خود روگی ہے۔ خود محتاج ہے۔ خود عاجز ہے۔ خود پرادھین ہے خود جاہل ہے وہ کیا کسی کا سدھار کر سکتا ہے۔ شری گورو جی ہمیں اُپدیش کرتے ہیں۔ کہ باہر زندگی۔ علم اور آنند کی تلاش میں سوائے دکھ کے کچھ نہیں ملتا۔ اپنے گھر میں ہی گھٹ کے اندر امرت موجود ہے۔ لیکن اُس امرت کا انجھوں من کے باہر دوڑنے سے نہیں ہو سکتا ہے امرت من کی ٹھہرتا (اوڈولتا) سے پراپت ہوتا ہے۔

دِل کی صفائی ہی خُدائی ہے

پیچھے کہہ آئے ہیں۔ امرت کی پراپتی من کی ٹھہرتا میں ہے۔ اب من ٹھہر کیسے ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گورو فرماتے ہیں۔ اندر میں من کی ٹھہرتا کے لئے من کی صفائی کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑی مل تو یہ ہے یعنی مایا کے سنگرہ کرنے کا جو خیال ہے اُسے چھوڑنا ضروری ہے۔ شیخ فرید کہتے ہیں۔

فریدا جاں لب تاں نہوں کیا ــــ لب تاں کوڑا نہوں

کچھر جھت لنگھائیے　　چھپر تنے مہیوں

ترجمہ: جس دِل کے اندر لوبھ یعنی دُنیاوی پدارتھوں کی محبت ہے۔ اس میں پرماتما کا پریم کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر لوبھی پریم ربانی کی نمائش بھی کرے تو بھی ریاکاری ہے۔ محض دھوکا ہے۔ جس طرح ساون کے موسلا دھار مینہ کے آگے چھپر ٹھہر نہیں سکتے۔ اسی طرح لوبھی دِل مایا کی کشش کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ لوبھی من پدارتھوں کو دیکھ کر پھنس جاتا ہے۔

ساکت سُوآن کہیئے بہو لوبھی۔ بہو دُرمت میل بھریجے
آپن سُوائے کرہ بہو باتاں تِنھا کا وِساہ کیا کیجے

گورو ارجن دیو فرماتے ہیں۔ دُنیا کے دیوانے کتوں کی مانند لوبھی ہو کر مایا کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خبردار رہو۔ اُن کے بیہودہ کلام پر اعتبار مت کرو۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ اُن کے اندر لوبھ (حرص وہوا) کی آندھی چل رہی ہے۔ خود اُن کی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ خود دِل اُن کا ناپاک ہو رہا ہے اور ہم کو اُپدیش سُنا کر کیا صفائی کا سادھن سکھلائیں گے؟ لوبھی دِل بار بار کیچڑ میں پھنستا ہے موقعہ محل کی پہچان اُس کی نظر سے جاتی رہتی ہے جب مانشی جنم کو اپنے من ہٹ سے ہار جاتا ہے۔ تو مرتے وقت حسرت کو ساتھ لیے جاتا ہے اگرچہ لوبھی بیرونی سادھن۔ تیرتھ۔ اسنان۔ ہوم۔ یگ۔ پوجا آدی کرتا بھی ہے تو بھی اس کی اندرونی مل دُور نہیں سکتی۔ انتر کی مل مرشدِ کامل کے پرساد سے اُترتی ہے۔ جب وہ اپنے کرم سے اپنا سبد سُناتا ہے تو اس کے سمرن سے نرملتا آتی ہے اور انتر میں من آنند کا انجھوکرنا ہوا نج روپ میں اڈول ہو تا ہے۔

(آسا محلہ پہلا)

لالچ چھوڈہ اندھہو۔ لالچ دُکھ بھاری

ترجمہ: اے اندھے (پرماتما سے بے مکھ) پُرشو تمہارے دُکھوں کا کارن لالچ ہی ہے۔ اس کا تیاگ کرو۔ کیونکہ

لالچ۔ جھوٹھ وِکار موہ۔ وِیاپت مُوڑھے اندھ　　(گوڑی محلہ ۵)
لاگ پرے دُرگندھ سیوں۔ نانک مایا بندھ

ترجمہ: لالچ جھوٹ اور موہ سے بُدھی وِکاری ہو کر ست اَست کو دیکھ نہیں سکتی۔ جس طرح اندھے آدمی کو کچھ نظر نہیں آتا۔ لالچ سے ہی جھوٹ پیدا ہوتا ہے۔ لالچ ہی موہ کی کان ہے۔ تمام بندھن موڑھ لالچی انسان کو آگھیرتے ہیں! اور اسے مایاوی غلاظت کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں۔ جس طرح اندھا آدمی بھی بدبودار پانی کے گڑھے میں گرتا ہے۔ اُسی طرح لوبھی پُرش بھی دُرگندھ (بدبو) کو سُگندھ (خوشبو) جان کر وِشے وِکاروں میں ڈوب کر غرق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے جیون تتو کو ناش کر دیتا ہے۔

خُداوند یسُوع مسیح!

از پروفیسر ہیرا لال جی چوپڑہ ایم۔ اے

دسمبر کی ۲۵ تاریخ ہر سال اُس پیغمبر کی ولادت کی یاد تازہ کرتی ہے جو کہ دُنیا میں امن اور محبّت کا دیوتا تھا۔ اور جس کی وساطت سے ہر سال اس موسم میں کئی قسم کے نقش و نگار کا اضافہ ہوتا ہے اور جو اِن تمام آرائشوں میں چھُپ کر اپنی عظمت کا اظہار کرتا ہے۔ آج اُس کے قدموں میں ہم بھی اپنا خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ دو ہزار سال تک اس ساکن و جامد دُنیا میں اُس نے اپنی روشنی بخش کر تمام راہ گم کردہ اور بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھلایا ہے۔ آؤ آج اُس کی یاد میں زندگی کے چند لمحے مبارک کر لیں۔

خوشنما دُنیا میں وہ جاجنت روا مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

(۱)

ممکن ہے کہ خداوند یسوع مسیح کو اُس کے ہمعصر یہودی ایک جادوگر تصور کرتے ہوں، تالمود کے مطابق شعبدہ باز مانا جاتا ہو یا کئی فلاسفروں کے مطابق اُسے انسانوں میں بہترین انسان کا درجہ دیا جاتا ہو لیکن سوامی دویکانند کے قول کے مطابق خداوند یسوع مسیح کو اگر ماننا ہے اور اگر اُس کی پرستش کرنا ہے تو اُن کے الفاظ میں ہمارے لئے بطور ہندو کے ایک ہی راستہ کھُلا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خداوند مسیح کو خدا کا درجہ دیں کیونکہ اگر ہم اس کو عام انسان کا درجہ دے کر اور انسانوں میں افضل اور اعلیٰ شمار کر کے قابلِ عزت و احترام سمجھیں تو یہ ہماری غلطی ہے کیونکہ یہ ہماری مُتبرک کتب میں آتا ہے کہ ربانی نور کے گہوارے میں پلے ہوئے یہ شیر خوار بچے جو خود اُسی یزدانی نور کے مظہر ہیں۔ اگر ہم ان کی پرستش کریں تو وہ ہم میں سے ایک ہو جاتے ہیں۔ اور ہم اُن میں سے ایک۔ خداوند مسیح کے اقوال کا مطلب بھی یہی ہے جبکہ وہ ارشاد کرتے ہیں۔ کہ "جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ اُسے جس نے مجھے بھیجا ہے قبول کرتا ہے" یا "میں اور میرا باپ ایک ہی ہیں"۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسیحی صوفیائے کرام نے اپنی زندگی کا نصب العین ہی یہی رکھا ہے کہ تمہاری زندگی ہمارے لئے دلیلِ راہ ہے۔

یسوع عبرانی زبان کا ایک لفظ ہے جس کا مطلب ہے "دُنیا کو گناہوں سے نجات دلانے والا" مسیح

ایک درجہ ہے جو بادشاہ اور پیغمبر کو عطا کیا جاتا ہے۔ خداوند مسیح کی زندگی کا زیادہ حصہ گوشۂ تنہائی میں ہی گذرا ہے اور پبلک زندگی کے مختصر سے عرصہ نے اُس کی ذات، اُس کی زندگی اور اُس کی تعلیم میں خدا کا ظہور دکھلایا ہے۔ ہماری زیادہ سے زیادہ کوششیں اور کاوشیں خدا کے جلووں کا ادھورا اندازہ بھی لگانے سے قاصر ہیں۔ جو کہ اِن خدائی اِنسانوں کی زندگیاں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں اور اسلئے مسیحی صوفیوں کے ساتھ ہی ہمیں بھی کہنا پڑتا ہے کہ اِن لوگوں کی زندگیاں ہمارے لئے بھی شمعِ ہدایت اور دلیلِ راہ ہیں۔

(۲)

خداوند مسیح کی وِلادت ایک خدائی معجزہ تصوّر کیا جاتا ہے لیکن اس کی طفلی اور جوانی کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ انجیل سے ہمیں محض یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے والدین کے کہنے پر چلتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ عقل و فراست، قدوقامت اور خدا اور انسان کی نگاہوں میں بڑھتا رہا۔ یہ ضروری ہے کہ اُس نے اپنے باپ کی تجارت کو فروغ دیا ہوگا۔ تاکہ وہ اپنی ماں اور بھائیوں کی پرورش کر سکے۔ اگرچہ اُس کو درسی تعلیم زیادہ نہ دی گئی تھی۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ لکھ پڑھ سکتا تھا اور پیغمبروں کی مقدس کتابوں اور زبور سے خوب واقف تھا۔ اُس کے اقوال سے یہ صاف ٹپکتا ہے کہ اُسے قدرت کا کیسا عمیق مطالعہ تھا ہر طبقے کے اِنسان کے رسم و رواج سے گہری واقفیت تھی۔ اور موقع بچار اور ہوشمندی اُسے قدرت کی طرف سے بافراط بخشی گئی تھی۔ اُس بچے کی آئندہ کی عظمت لوقائی انجیل کے ایک چھوٹے سے واقعہ سے کس قدر ظاہر ہے کہ وہ بچہ علماء کے ساتھ بیٹھ کر سوالات پوچھ رہا ہے اور ہمہ تن گوش ہو کر اُن کے جوابات سُن رہا ہے اُس کے والدین جب اُسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آنکلے ہیں تو یسوع کے وہ جوابات بھی کس قدر حیرت خیز ہیں۔ جو اُس کی عمر کے بچوں سے اُمید نہیں کئے جا سکتے۔ سِن بلوغت کو پہنچ کر یسوع اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور یوحنا سے بپتسمہ لیتا ہے جو کہ توبہ اور پشیمانی کی تعلیم دے رہا ہے۔

خداوند مسیح کا اُس کے حلقے میں شامل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اگرچہ معصوم اور بےگناہ تھا لیکن وہ اُس کے حلقہ، تلمذ میں اِس لئے شامل ہُوا کہ وہ کسی قانون کو توڑنے کی غرض سے دُنیا میں ظہور پذیر نہیں ہُوا بلکہ قانون کی تکمیل کے لئے آیا ہے۔ مسیح براہِ راست خدا کے پیغام کا حامل تھا۔ اور پرانے مذاہب کے پس منظر پر اُس کی نئی تعلیم بہت اچھی طرح سے کھلی۔ انسان کی رُوحانی ارتقا کی تاریخ میں اِسی چیز کا تجربہ کئی دفعہ کیا گیا اور بھگوان کرشن، بھگوان بدھ اور بھگوان شنکر آچاریہ اِسی زمرے میں سے تھے۔

بپتسمہ کی رسم نے مسیح کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اُس کے سامنے بلند ترین معیار رکھا گیا۔ تاکہ اُس معیار سے لغزش کی گنجائش کو کبھی بھی روا نہ رکھا جائے، روحانی زندگی کے اس نئے باب نے اُس کو الٰہیات سے لطف اندوز کیا۔ اور اُس نے یزدانی اور جاودانی روشنی سے پہلے رُوح کی تنہا ذات کا بھی مشاہدہ کیا۔ جسمانی تھکاوٹ روحانی تکبر اور ہوا و ہوس اُس کے دل پر کچھ اثر نہ کر سکتے تھے۔ اور وہ

ان تمام کے درمیان سے ایک فاتح کی حیثیت میں نمودار ہُوا۔ جہاں ربانی کرم اُس کا شریک حال تھا۔ پھر مسیح کو اُس کے نیکدل شاگرد آ کر ملے۔ اُس نے اپنے تبلیغی دوروں میں کئی معجزے دکھلائے اور کئی تشنگان آب حیات کو روحانیت بخشی۔ اُس نے معجزوں کا آغاز ایک ضیافت میں پانی کو شراب میں تبدیل کرنے سے کیا۔ پھر یروشلم کے سارک مندر کو یہودیوں کے میلے کے دن ایک قدیم پیشگوئی کے مطابق ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کیا۔ جس سے ممکن تھا۔ کہ یہودیوں کے پجاری طیش میں آجائیں اس لئے وہ یروشلم سے اپنے شاگردوں کو بپتسمہ کی قدرت اور اجازت بخش کر یہودیہ چلا گیا۔ یوحنا کی اسیری کے بعد مسیح گلیل گیا۔ جہاں سے پھر کبھی اپنے آبائی وطن میں واپس نہ لوٹا۔ اب اُس کی تعلیمات کا پرچار معبدوں میں کھلم کھلا ہونے لگا۔ اور وہ محض اپنا ہاتھ رکھنے سے کئی لاعلاج مریضوں کو شفا بخشنے لگا۔ جہاں جاتا وہ لوگوں کو شفا بخشتا اور اُن کو اپنی اِس قدرت کو صیغہ راز میں رکھنے کی تلقین کرتا لیکن شفایاب لوگ مارے خوشی کے اُسے مخفی نہ رکھ سکتے اور اُس کی جسمانی و روحانی عوارض کی شفا بخشی کا شہرہ فوراً ہی سیریا کی حدود تک پھیل گیا۔

مشہور SERMON ON THE MOUNT (پہاڑی وعظ) سے پیشتر اُس نے بارہ شاگردوں کا انتخاب کیا۔ وہ تمام کے تمام گلیل کے رہنے والے تھے۔ ماسوائے (یہودہ) کے جس نے اپنے آقا کے ساتھ محض تین روپے کی رشوت لیکر بیوفائی کی اُن تمام کو خداوند مسیح نے رسولوں کا درجہ دیا۔ جس طرح ارجن کے دل کا غم بھگوت گیتا کا متحرک تھا۔ اور آج وہ بھگوت گیتا تمام دنیا کو ڈھارس دینے والا سبق ہے اور جلے دلوں کے لئے باعث اطمینان و اطمینان ہے۔ اسی طرح SERMON ON THE MOUNT (پہاڑی وعظ) محض اُن شاگردوں کے لئے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ تمام دنیا کو امن و آشتی کی تعلیم دینے والا ہے اُس کا اختصار، ہمہ گیری، وثوق، نفوذ، عظمت اور ربانی بلند خیالی نے محض سننے والوں کو تسخیر ہی نہیں کیا بلکہ انہیں بقائے دوام بھی بخشی۔ خداوند مسیح نے وہ زمانہ افلاس۔ جفاکشی، سادگی اور دیہات میں گھومنے میں گذارا جہاں وہ سنیاسیوں کی طرح خدا اور انسان کی عظمت کا پرچار کرتا رہا اور اپنے رحم کے کارناموں سے لوگوں کے دلوں پر شان ربانی کے سکے بٹھاتا رہا۔ اُس کے ہمعصر یہودی تو ایمان اسی کو سمجھتے تھے کہ معبدوں میں رسوم کو مکمل طور پر پورا کیا جائے ورنہ زندگی میں صالح افعال کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یسوع نے اُن کے اس ایمان کی ذہنیت کو بدلنے پر زور دیا اور اپنے اخلاقی اور روحانی چلن سے نیز اپنی ذاتی عظمت سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ اس سے اُس کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہُوا اور وہ یہودیوں کی طرف سے مخالفت اور نفرت کا نشانہ بنا۔ جس کے لئے اُس کے بھائی اور ماں اُسے منع کرنے بھی گئے۔ لیکن وہ اپنے سچائی کے اصولوں پر ایک چٹان کی مانند مضبوط رہا۔ اور اپنے مشن میں اُسی طرح سرگرمی سے کام کرتا رہا جس طرح وہ پہلے کرتا تھا۔ اُس نے اپنے پروگرام میں دہر کے راندے ہوئے، دنیا کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کی بہتری

اور یہودی کو بھی رکھا۔ وہ اُن کے ساتھ مل کر اُنہیں اچھا کرتا اور نیک زندگی کی طرف مائل کرتا۔ کئی لوگ اُس پر یہ اعتراض کرتے کہ یسوع سوسائیٹی کی مستوجب لوگوں کے ساتھ کیوں شامل ہوتا ہے جس کا وہ یہ جواب دیتا کہ تندرست آدمیوں کو حکیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ بیماروں کو اس کی اشد ضرورت ہے۔ مَیں نیک آدمیوں کو توبہ کی ہدایت کرنے کے لیئے نہیں آیا ہوں بلکہ گنہگاروں کی گناہوں سے بچانے کیلئے آیا ہوں مسیح رحم کو قربانی پر ترجیح دیتا۔

(۴)

جس وقت خداوند یسوع مسیح کا ظہور ہُوا۔ اُس وقت بحیرہ روم کے تمام ممالک میں کس قدر پستی چھائی ہوئی تھی۔ سلطنت رومہ کی رعایا جن میں اہل یہود بھی شامل تھے بد اخلاقی اور وہم وگمان کا شکار ہو رہے تھے۔ اور مذہب یہود خود رسوم و رواج کی پابندی اور عیاری اور مکاری کے دام فریب میں گرفتار ہو چکا تھا۔ مذہب اور سلطنت کی ناگفتہ بہ حالت اس کی دلیل تھی۔ کہ شاید کوئی مسیح اس وقت پیدا ہو کر اُن کی نجات کا باعث ہو لیکن یہودی یہ لو لگائے بیٹھے تھے۔ کہ کوئی جابر بادشاہ اس وقت برسر اقتدار ہو کر دشمنوں کی سرکشی فرو کر دے گا اور لوگوں کو رُوپے پیسے سے مالا مال کر دے گا۔ اِسی لیئے وہ رُوپے پیسے کے بھکاری اس روحانیت کے بادشاہ خداوند یسوع مسیح کی عظمت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور چونکہ وہ پُرانے قانون کی لکیر کے فقیر تھے۔ اِسی لیئے مسیح کی جسمانی اور روحانی شفا بخشی کی قدرت کو وہ شعبدہ بازی سے تعبیر کرنے لگے۔ اُن کی پیہم مخالفت کی وجہ سے مسیح کو جلدی ہی یروشلم چھوڑنا پڑا، فریسی جاسوس ہمیشہ مسیح کے تعاقب میں رہتے تاکہ موقع پا کر اس کو اپنی گرفت میں لے سکیں مسیح اپنی آنیوالی موت سے باخبر ہو کر گلیل میں وارد ہُوا یوحنا کی بیرحم موت اُس کی آنکھوں میں تاریک اور خوفناک مناظر پیش کرتی اور اِس دوران میں اکثر اوقات اُسے پہاڑیوں وغیرہ کے دامن میں چھپ کر دُعا میں مشغول رہنا پڑتا تاکہ ایکانت میں اپنی روح کے ساتھ کچھ لمحے گذار سکیں۔ اُس کے دشمنوں کا غم و غصہ بہت بڑھ جاتا جب وہ دیکھتے کہ مسیح خُدا کے باپ ہونے اور بنی آدم کا آپس میں بھائی بھائی ہونے کے دعووں کی تعلیم دے رہا ہے کیونکہ مروجہ مذہب کے مطابق ہر ایک فرقے کو اپنے اپنے خاندانی دیوتا پر ایمان لانا واجب تھا .... جب مسیح نے اُن پجاریوں کی مکاریوں کو بے نقاب کیا تو اُن کے غُصے کی آگ مشتعل ہو گئی۔ اور مسیح گلیل سے مزاں بعد چلتا بنا ::

(۵)

اب مسیح ہندو سنیاسیوں کی طرح دِن بھر تو شہروں میں تبلیغ و اشاعت کرتا اور شام کو شہر سے باہر جا کر آرام کرتا۔ اِن ایام میں اُس نے شاگردوں کو ایثار۔ عاجزی۔ انکساری، سادگی، اطمینان اور خدمت خلق کی تربیت دینی شروع کی۔ ایک موقع پر ایک تقریب کے سلسلہ میں شاگردوں کے غرور کو فرد کرنے کے لیئے اُس نے سب کے پاؤں دھوئے۔ اس واقعہ سے بھگوان کرشن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جب انہوں نے بھی بدھشٹر کے راجسویہ یگیہ میں مہمانوں کے پاؤں دھونے کی خدمت اپنے ذمہ لی تھی شب کی

تاریکی میں پہاڑ کے دامن میں اُس نے اپنے شاگردوں میں سے پطرس، یوحنّا اور یعقوب سے کہا تھا کہ میرا دل اُداس ہے اور اُس میں موت کی اُداسی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ تھوڑی دُور جانے پر وہ زمین پر دُعا کرنے کی غرض سے گر گیا۔ اور پھر اُس نے دیکھا کہ اُس کے تمام شاگرد سو رہے ہیں۔ پھر ایک ہجوم مشعلیں روشن کئے ہاتھوں میں تلواریں اور لاٹھیاں لیئے وہاں آ وارد ہُوا۔ وہاں اُس کے شاگرد یہودہ نے ایک بوسہ دے کر اُس سے بیوفائی کی۔ مسیح گرفتار کر لیا گیا۔ اور آدھی رات کے وقت ایک بیقاعدہ عدالت لگا کر اُسے موت کی سزا دی گئی۔ اُس نے اپنے قاتلوں کے لیئے دُعا مانگی اور اپنی رُوح باپ کے حوالے کر دی۔ لکھا ہے کہ اس اندھیر گردی اور ناانصافی کی وجہ سے اُس وقت دُنیا میں زلزلے اور بھونچال آئے۔ اور قدرت نے خدا کے اس بیٹے کے شہید ہونے پر ماتم کیا۔ اِس واقعہ کے تیسرے دِن یسوع کشتوں کے پشتوں میں سے اُٹھا اور چالیس دِن تک اپنے پیاروں کو دیدار دیتا رہا۔ جو ان پیاروں کے لیئے زبردست طاقت اور یکجہتی کا پیغام تھا :-

(۶)

زندگی کے اس مختصر سے خاکے میں مسیح کی عظمت خاص طور پر نمایاں ہے۔ اگرچہ وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ لیکن ہماری روحوں کو وجد میں لانے والا جذبہ وہ ہمارے لیئے چھوڑ گیا ہے۔ روحانی افعال اور حکیمانہ اقوال کا بیش بہا خزانہ جو اُس کی طرف سے ہمیں ورثے میں مِلا ہے آئندہ کی نسلوں کو تاریکی کے قعر میں سے نکلنے میں ممد و معاون ہو سکے گا۔ اور اس کا نام سطح زمین پر روشن کریں گے۔ مسیح اِنسانی مراعات کو نگاہ میں نہ لاتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ خُدا کی ذات پر بھروسہ رکھتا تھا۔ لیکن وہ ایک لا محدود اور لاانتہا ہی خزانہ روحانیت ہے اُس کی تعلیم کا راز خُدا پر کامل یقین اور توکل میں مضمر تھا۔ دُعا اور فاقے جسم اور جان کو ضبط اور قابو میں رکھنے کے ڈھنگ تھے خدائیت کے ٹھیکہ دار فریسیوں سے وہ گریز کرتا تھا۔ کیونکہ وہ کہتا تھا۔ کہ یہ لوگ لمبی لمبی قباؤں میں چلنے کے خواہشمند، مجلسوں میں صفِ اوّل کے خواہاں، ضیافتوں میں مدعو کیئے جانے پر بیوہ بیواؤں اور یتیموں کے جان و مال پر نظر رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی طویل دعائیں مصنوعی اور بے تاثیر ہوتی ہیں۔ اِن سے پرہیز لازم ہے۔ وہ عام انسانوں کی پوشاک پہن کر گھومتا تھا۔ اور وہی کھاتا تھا جو عام لوگ کھاتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے اس اصُول سے آگاہ تھا۔ کہ یہ مت دیکھو کہ کسی کے اندر کیا جاتا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ باہر کیا نکالتا ہے یعنی وہ کیسی حِکمت کی باتیں نکال کر لوگوں کے سامنے رکھتا ہے وہ اِس بات کی تلقین کرتا تھا۔ کہ تمام مستند قوانین تمام پیغمبروں اور اولیا کا احترام ہر ایک کے لیئے لازم ہے۔ وہ مذہب کی علمی مباحث میں پھنس کر رہ جانے والا نہیں تھا بلکہ عملی طور پر اخلاقی اور روحانی زِندگی کا قائل تھا۔ اور اس بات کی منادی کرتا تھا۔ کہ انسان کو خدمت کرانے کے لیئے نہیں بلکہ کرنے کے لیئے آنا چاہیئے جس کو گیتا میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ جو سب سے پیش پیش رہنا چاہیں اُنھیں ہر ایک کی خدمت لازم ہے۔ دراصل روحانی حالت کو پانے کے لیئے ہر ایک کو ضبط اور شریعت کی بھٹی میں سے نکلنا پڑتا ہے۔ تیاگ اس سنگرام کا پہلا

کا لب لباب ہے ایک نوجوان سے وہ خطاب کرتا ہے کہ جاؤ اپنا سب کچھ بیچ دو اور روپیہ پیسہ غریبوں میں تقسیم کر دو۔ تمہیں آسمان میں خزانہ ملے گا۔ صلیب لے کر میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ محبت اُس کے دین کی بنیاد ہے ایک ہمسائے سے ایسی محبت کرو جیسی تم اپنے آپ سے کرتے ہو یہ اُس کے ایسے اقوال ہیں۔ جو نہایت لطیف اور شگفتہ معانی کے متحمل ہیں۔

(۷)

اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو خداوند مسیح نے قبل از پیدائش، بوقت پیدائش، زندگی کے دوران میں موت کے وقت اور موت کے بعد ایسے حقائق سربستہ کا انکشاف کیا جو اُس کی پیغمبری پر دلالت کرتی ہیں۔ اُس کی پیدائش، زندگی اور موت عام لوگوں کی سی ہی تھیں۔ اور عام لوگوں سے الگ بھی یعنی وہ دُنیا کے لوگوں کا سا بھی تھا۔ اور اُن سے کچھ اُوپر بھی جس طرح پیغمبر خدا اور انسان کے درمیان ایک زینہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح مسیح انسان بھی تھا۔ اور خدا بھی بطور مشرقی کے مجھے اُس کے خدا ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں اور بطور مغربی میں اُسے انسانی تکمیل کی آخری حد کہوں گا اس کی بشارت کا مقصد بیشتر اپنی طرز زندگی سے سبق دینا تھا۔ نہ کہ سبق سے زندگی بنانا۔ اس لیئے اپنی ساری زندگی میں اُس نے ایک ہی دفعہ اہل عالم کو سبق کے لغوی معنوں میں سبق دیا اور وہ سرمن آن دی مونٹ ،، (پہاڑی وعظ) ہے۔ ماسوائے اس کے اُس نے سوائے اپنی زندگی کے واقعات کے کبھی کسی کو استادوں کی طرح بیٹھ کر سبق نہیں دیا۔ مسیح کا پیغام امیر دولتمندوں، غریبوں کا خون چوسنے والوں کے لیئے دل ہلا دینے والا ہے اور غریبوں مسکینوں، اپاہجوں لنگڑوں، لُولوں اور کوڑھیوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانے والا۔ وہ جانتا ہے کہ :-

رقیب اچھے یہ میں نے جانا۔ بُرا مجھے تو نے دل سے جانا بھلوں سے کرتے ہیں سب بھلائی کسی بُرے کا بھی کچھ بھلا کر

اسی لئے وہ اپنا پیغام بیشتر غریبوں اور راہ گم کردہ مسافروں کو دیتا ہے۔ تاکہ وہ روحانیت کی روشنی دیکھ کر راہ راست پر آسکیں۔ وہ تو ہر ایک کا بہی خواہ یہاں تک کہ اپنے قاتلوں کے لیئے بھی یہ دُعا کرتا ہے کہ اے باپ تو ان لوگوں کو بخش دے کیونکہ یہ لوگ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔

زندگی کے معیار کے بارے میں اُس نے بلند ترین معیار قائم کیا ہے جس کو پورا کرنے کے لیئے کوئی سہولتیں مدنظر نہیں رکھی گئیں تاکہ لوگ شروع سے ہی اُس بلند ترین معیار کے مختلف مراحل کو پورا کر سکیں۔ کسی قول و فعل کی آلودگی کو برداشت نہ کرتا ہُوا وہ خیال کی آلودگی کو بھی دُور کرنے پر مصر ہے۔

(۸)

آج اُنیس صدیاں گذرنے پر کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں۔ کہ اُن قوموں نے جنھوں نے اُس کے نام کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ کوشش کی کیا اُنھوں نے خود اس پیغمبر محبت کے پیغام کو سمجھا تو کیا آج بھی ایسے ایسے خونی جنگ وجدال کی ضرورت ہے؟ شاید عنقریب ہی اُن میں سے عقل و ہوش والے بزرگ لہو کی ندیوں

میں سے نیز کر اور حرص و آز کے پھندوں سے رہائی حاصل کر کے مشرقی تہذیب و تمدن اور الفت و محبت کے علمبردار خدا وند مسیح کے پیغام کو سمجھ کر خود بھی اطمینان و امتنان حاصل کریں اور دنیا کو بھی صلح و آشتی بہم پہنچا سکیں۔

جیون مُکت کے اوصاف!

جو تاریکی میں مثلِ برق چمکے اور ضیا کر دے
فنا کے مُدعی کو واقفِ رازِ بقا کر دے
جو طوفانی تلاطم کے جگر کو چیر کر نکلے
جنونِ فتنہ زا کو سونپ دے پھر دشتِ پیمائی
جگا کر جذبۂ جوشِ عمل کو رُوح کے اندر

جو زنگ آلود ہتھیاروں کو رگڑے اور جلا کر دے
جہالت کی فضاؤں کو حقیقت آشنا کر دے
جو گردابِ بلا کو کشتیوں کا ناخدا کر دے
شعور و عقل کو نا واقفِ بیم و رجا کر دے
سکوں کی بستیوں میں ایک ہلچل سی بپا کر دے

محبت کے ترانے چھیڑ کر نفرت کی بستی میں!
اُٹھا کے پستیوں سے آدمی کو دیوتا کر دے!

ضروری نوٹ:- (۱) پرچہ نہ ملنے پر یا بار بار گم ہونے پر آپ اپنے پوسٹ ماسٹر صاحب کو یا اپنے ضلع کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کو شکایت کریں تاکہ آپ کی ڈاک کا سلسلہ درست ہو سکے۔
(۲) پتہ والی چھپی ہوئی چٹ کا بغور ملاحظہ کریں۔ اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو ہمیں فوراً اطلاع دیں۔
(۳) پتہ تبدیلی کی اطلاع ۲۰ یا ۲۲ تاریخ تک ضرور دیں۔ ورنہ پرچہ گم ہو جانے پر ہم ذمہ دار نہ ہونگے
(۴) بار بار عارضی پتہ تبدیل کرانے سے بھی پرچہ گم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مستقل پتہ ہی تبدیل کرانا چاہیئے۔

"مینیجر"

پہاڑی وعظ

حضرت عیسیٰ مسیح کا امر اُپدیش!

CHRISTS SERMON ON THE MOUNT.

عیسائی مذہب کی دھرم پستک بائیبل یا انجیل میں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ اپنے دیش میں گھوم کر سچی ایشور اُپاسنا۔ آتم گیان اور برہم گیان کا پرچار کر رہے تھے۔ اور اپنی یوگ سِدھیوں کے ذریعہ ہر قسم کے مریضوں مثلاً اندھوں۔ کوڑھیوں۔ لنگڑوں اور موت کے منہ میں پڑے ہوئے بیماروں کو پوری شفا اور صحت دیتے جاتے تھے۔ تو اُن کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ اور دُور دُور سے بھاری تعداد میں مریض روزانہ اُن کے پاس آنے لگ پڑے اور بہت لوگ صرف اُن کا درشن کرنے اور اُن کے دیا گیان سُننے کے لئے جمع ہونے لگے ایک دن ہجوم اتنا زیادہ اکٹھا ہو گیا۔ کہ اُس بے پناہ ہجوم کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ ایک پہاڑی پر چلے گئے اور وہاں گوشہ نشین ہو کر یوگ ابھیاس میں بیٹھ گئے۔ اُن کے چیلوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ اور اُن کو سمادھی میں ٹکے ہوئے پایا۔ یہ خبر ملتے ہی وہ عظیم ہجوم بھی پہاڑی پر چڑھ کر اُن کے پاس جا پہنچا۔ حضرت عیسیٰ کی سمادھی کھل گئی۔ اور انہوں نے سب لوگوں کو اپنے چاروں طرف بٹھا کر اُپدیش کرنا شروع کیا۔ یہ اُپدیش بائیبل کی جان ہے۔ اور دُنیا بھر میں دی سرمن آن دی ماؤنٹ (THE SERMON ON THE MOUNT. یعنی "پہاڑی پر دیا ہوا اُپدیش"، کے نام سے مشہور ہے "ادم" کے پاٹھکوں کی واقفیت کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

ایشور پراپتی کا راستہ

حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔

اے غریب لوگو۔ تم مبارک ہو۔ تم دھنیہ ہو کیونکہ تم ہی کو ایشور کے راجیہ کی پراپتی ہوگی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو بھوکے ہیں۔ کیونکہ وہ مالا مال ہونے والے ہیں۔ مبارک ہیں۔ وہ جو آج روتے ہیں۔ کیونکہ یہ خوب ہنسیں گے۔ اُن کو ہنسانے کا سامان بن رہا ہے یاد رکھو کہ تمہارے لئے وہ دن بہت ہی مبارک ہوگا جب سچے دھرم پر چلنے کی وجہ سے دوسرے لوگ تم سے نفرت کریں گے۔ اگر وہ تمہیں اپنی برادری سے باہر نکالیں گے تمہیں گالیاں دیں گے۔ اور تم کو بُرے ناموں سے پکاریں گے تو وہ دن تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہوگا۔ تم خوشی میں مست ہو کر اُچھلو اور کُودو۔ کیونکہ ایشور کی طرف سے تمہیں اس کا بہت بڑا عوضانہ ملے گا۔ اُن لوگوں کے بزرگ بھی ایشور بھگتوں

اور پیغمبروں کے ساتھ ایسا ہی بدسلوک کیا کرتے تھے۔

لیکن اے امیر لوگو۔ تمہارے بُرے دن آ رہے ہیں۔ تمہارے اُوپر لعنت پڑنے والی ہے۔ کیوں کہ تم بہت سُکھ بھوگ چکے ہو بدنصیب ہیں وہ کہ جن کے گھر دھن دولت سے بھرپور ہیں۔ کیوں کہ کل کو یہ بھوکے مریں گے۔ جو لوگ آج امیری کے نشہ میں بے فکر ہو کر ہنستے پھرتے ہیں۔ اُن کے سر پر مصیبتیں۔ منڈلا رہی ہیں۔ اُن کے گھروں میں صفِ ماتم بچھے گی اور وہ روئیں گے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ایک اونٹ کے لیے سُوئی کے سوراخ میں سے گزرنا شاید ممکن ہو سکے۔ لیکن ایک امیر اور دولت مند شخص کے لیے ایشور پراپتی کرنا بالکل ناممکن ہے۔

۲۔ اگر لوگ تمہارے پاس آ کر تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ تمہاری عزت کرتے ہیں۔ تو سمجھو کہ یہ شگون اچھا نہیں ہے بلکہ کسی آنے والے دُکھ کی نشانی ہے۔ جھوٹے۔ خود ساختہ بھگت ہی اپنی تعریف اور عزت سے خوش ہوا کرتے ہیں۔

۳۔ لیکن جو میرا بہت ضروری پیغام ہے اُسے غور سے کان کھول کر سُن لو۔ اور وہ یہ ہے کہ بُری کا جواب بدی سے مت دو۔ اپنے دشمنوں سے پریم کرو۔ جو تم سے نفرت کرتا ہے تم اُس کے ساتھ نیکی کرو۔ اور جو تمہیں گالی دیتا ہے تم اُسے آشیرباد دو۔ اور جو تمہیں ذلیل کر کے تمہارے ساتھ حقارت آمیز بدسلوکی کرتے ہیں، تم اُن کی بھلائی کے لئے دُعا کرو۔

۴۔ جو تمہارے ایک گال (رخسار) پر تھپڑ مارتا ہے تم دوسرا رُخسار بھی اُس کے آگے کر دو۔ (یعنی جو شخص بااہر مجبوری کوئی ایسا کام کرتا ہے۔ کہ جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔ تو تم بڑی خوشی سے اُس کے لیے اس سے دگنی تکلیف برداشت کرنے کو تیار رہو)۔

۵۔ جو شخص دھرم کے نام پر تمہارے اوپر دعوے کرتا ہوا تمہاری قمیض اُتارنے آتا ہے تم اُسے اپنا کوٹ بھی دے دو۔ (یعنی جو شخص کسی دھارمک یا سماجک اُلجھن میں پھنسا ہوا تمہاری عقل سے فائدہ اُٹھانے کے لئے تمہارے پاس آتا ہے تو تم صرف اُس کی بات کا ہی جواب نہ دو۔ بلکہ اِس سے زیادہ جو کچھ تم جانتے ہو۔ اُسے سمجھا دو)۔

۶۔ اگر کوئی ضرورت مند شخص تم سے کوئی چیز مانگتا ہے۔ تو کبھی انکار نہ کرو۔ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرو۔ جو تم چاہتے ہو۔ کہ وہ تمہارے ساتھ کریں۔

۷۔ اگر تم اُن لوگوں سے محبت کرتے ہو کہ جو تم سے پریم کرتے ہیں۔ یا اُن کے ساتھ نیکی کرتے ہو۔ جو تمہارے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔ اور اُن کو قرض دیتے ہو کہ جن سے اِس کے عوض بہت کچھ لینے کی اُمید رکھتے ہو۔ تو تم کسی تعریف کے مستحق نہیں۔ کیوں کہ ایسا تو پاپی اور گنہگار لوگ بھی کرتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ تم اپنے پرم پِتا پرماتما کی پیروی کرو۔ وہ ناشکروں اور بدکرداروں پر بھی مہربانی کرتا ہے۔ اُن کو بھی کھانے کو دیتا ہے اور اُن کے ساتھ

بھی محبت کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی نیک و بد سب کے ساتھ نیکی کرو۔ صرف دوستوں سے ہی پریم نہ کرو۔ بلکہ دشمنوں سے بھی۔ اور کسی عوضانہ کی اُمید نہ رکھتے ہوئے ضرورت مندوں کی طرح مدد کرو۔ تمہیں اِس کا عوض پرماتما کی طرف سے بہت زیادہ ملے گا۔

۸۔ نکتہ چینی نہ کرو۔ پھر تمہاری نکتہ چینی بھی کوئی نہیں کرے گا۔ کسی کو بُرا مت کہو۔ اور تمہیں بھی کوئی بُرا نہیں کہے گا۔ دوسروں کے قصوروں کو معاف کرو تو تمہارے قصور بھی پرماتما کے دربار میں معاف ہو سکیں گے۔

۹۔ تمہیں اپنے بھائی کی آنکھ کا تِل نظر آتا ہے۔ مگر اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا۔ او پاکھنڈی پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکال لے۔ پھر دوسروں کی آنکھ کا تِل تنکا نکال سکے گا۔ (پہلے اپنے دوش دور کر)۔

۱۰۔ اب تک بزرگوں نے تم کو یہ بتایا ہے۔ کہ غیر عورت سے محبت کرنا گناہ عظیم ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ جس شخص نے کسی عورت کو صرف بُری نظر سے دیکھا ہی ہے۔ اُس نے اپنے دل میں اُس عورت سے زنا کر لی۔ اور گناہ کا مرتکب ہو چکا ہے۔

۱۱۔ جب تم دان یا خیرات کرو۔ تو اس طرح کرو۔ کہ اگر تمہارا دایاں ہاتھ دان کرتا ہے۔ تو تمہارے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ لگے۔

۱۲۔ اگر سفر میں کسی ہمراہی مسافر کے ساتھ تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اُس کے جدا ہونے سے پہلے ہی اُس کے ساتھ صلح کر لو۔ ورنہ وہ تمہارے برخلاف ہمیشہ کے لئے نفرت اور غصّے کے سنسکار لے جائے گا۔

۱۳۔ اگر تمہارا کوئی بھی بھائی کسی بات سے تم سے ناراض ہے تو سارے کام چھوڑ کر۔ یہاں تک کہ پوجا اور پرارتھنا کو بھی پیچھے رکھ کر پہلے اُس بھائی کے دل کو اپنی طرف سے صاف کرو۔

۱۴۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ کیکر کے درخت کو سیب نہیں لگتے۔ اور انگور کی بیل کو کریلے نہیں لگ سکتے۔ اسی طرح ہی جس قسم کے خیالات انسان کے دل میں ہوتے ہیں ویسے ہی اُس کے بچن اور کرم ہوتے ہیں۔

۱۵۔ اگر تمہاری دائیں آنکھ تمہیں تکلیف دیتی ہے تو اس کو نکال دو۔ اگر تمہارا دایاں ہاتھ تمہیں دُکھ دیتا ہے۔ تو اس کو کاٹ دو۔ کیونکہ بہتر ہے کہ تمہارا ایک حصہ ضائع ہو جائے۔ بجائے اِس کے۔ کہ تمہارا سارا جسم دوزخ میں پھینکا جائے۔ یعنی اپنے کسی بُرے دوست یا بندھو کا تیاگ کر دو۔ جو ایشور پراپتی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

۱۶۔ قسم کبھی نہ کھاؤ۔ پرماتما کی قسم کھانا اُس کا اپمان کرنا ہے اور اپنی قسم کھانا کم عقلی ہے۔ کیوں کہ تم تو ایک بال کو بھی سفید یا سیاہ نہیں کر سکتے۔ صرف "ہاں" یا "نہ" میں جواب دیا کرو۔

۱۷۔ کتوں کے سامنے موتی مت پھینکو اور گدھوں کے سامنے راگ مت گاؤ۔ یعنی برہم گیان کی باتیں اودھکاریوں

کے ساتھ ہی کرو۔

۱۸۔ تمہارے چلنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ کا دروازہ کشادہ ہے اور راستہ بھی چوڑا ہے۔ لیکن یہ تباہی کی طرف لے جاتا ہے اور بہت لوگ اسی راستہ پر جاتے ہیں۔ دوسرے راستہ کا دروازہ تنگ ہے اور راستہ بھی کٹھن ہے۔ لیکن یہ سچے ایشوری جیون کی طرف لے جاتا ہے۔ اور بہت کم لوگ اس کا رُخ کرتے ہیں تم ہمیشہ اسی تنگ راستہ میں ہی داخل ہوا کرو۔

۱۹۔ پرماتما سے مانگو اور وہ ضرور دے گا۔ اُس کی کھوج کرو۔ اور وہ تمہیں ضرور ملے گا۔ اُس کا دروازہ کھٹکاؤ اور وہ تمہارے لئے ضرور کھول دے گا۔

۲۰۔ جب بھی پرارتھنا کرو۔ تو لوگوں کو دکھا کر گذرگاہوں کے پاس یا مندر کے چبوترہ پر بیٹھ کر مت کرو۔ بلکہ ایک بند کمرے میں بیٹھ جاؤ۔ اور اس کا دروازہ اندر سے بند کر لو۔ پھر اپنے پتا سے پوشیدگی میں بات چیت کرو۔

۲۱۔ پرارتھنا کرتے وقت اپنے فقروں کو بار بار نہ دہراؤ۔ نادان آدمی یہ سمجھتے ہیں۔ کہ زیادہ بولنے سے پرماتما اُن کی جلدی سُنتا ہے۔ بھولے انسان تیرے پتا کو تو تیری ضروریات کا بہت اچھی طرح علم ہے تیری زبان پر آنے سے پہلے ہی وہ تیرے خیالات کو جان لیتا ہے۔ اِس لئے صرف مندرجہ ذیل پرارتھنا کیا کرو۔

"اے پرم پتا پرماتما۔ تیرا نام دُنیا میں سب سے زیادہ پوتر ہے۔ میرے اندر تیرا ہی راجیہ ہو۔ اور میں تیرے اندر ہی نواس کروں۔ میں صرف یہی چاہتا ہوں۔ کہ تیری مرضی ہی میرے اندر اور تمام سنسار میں پورن ہو۔ ہمیں شریر کے لئے روزمرہ کی روٹی اور بُدھی کے لئے روحانی خوراک عطا کر۔ ہم کسی کے قرضدار نہ ہوں۔ ہمیں بدی اور پاپ سے بچا۔ ہم تیری بادشاہت کو ہی اپنے اندر حاصل کریں۔ اے پتا۔ تو سروشکتیمان ہے اور یہ سب تیرا ہی ظہور اور شان ہے"۔

(۲۲) کوئی شخص دو آقاؤں کا داس نہیں ہو سکتا۔ یعنی پرماتما اور مایا (دھن دولت لکشمی) دونوں کی ایک ہی وقت میں سیوا نہیں کر سکتا۔

۲۳۔ اپنے کھانے پینے اور پہننے کا کبھی فکر نہ کرو۔ اسکا فکر تمہارے پتا پرماتما کو تم سے زیادہ ہے کیا جنگل کے پرندے اور حیوان وغیرہ اکٹھا کر کے رکھتے ہیں؟ یا کل کا فکر کرتے ہیں؟ ایشور پرماتما سب کو روزی دیتا ہے۔ تم بھی کل کا کبھی فکر نہ کرو۔ صرف یہی فکر کرو۔ کہ دن بھر میں کوئی بدی یا پاپ نہ ہو جائے۔

۲۴۔ ایشور کا راجیہ یا خدا کی بادشاہت (KINGDOM OF GOD) تمہارے اندر ہی ہے اِس کو کھوجو۔ اور حاصل کرو۔ باقی سب چیزیں پھر تم کو خود بخود ہی مل جائیں گی۔

۲۵۔ جو شخص ایشور پراپتی کے راستہ میں اپنی جان کو بچا کر رکھے گا۔ وہ اُسے کھو دیگا۔ اور جو پرماتما کی خاطر اپنی جان کھو دیگا۔ وہی اُس (جان کو) بچا سکے گا۔ اور کامیاب ہوگا۔

نوٹ:- ایک امریکن عیسائی ودوان نے ایشور کے راجیہ کی تشریح اس طرح کی ہے "ایشور کا راجیہ ہمارے جسم سے باہر کسی اور جگہ نہیں ہے۔ ایشور کو اپنے اندر باہر ہر وقت موجود انوبھو کرنا اور اپنے آپ کو رُوح یا آتما یعنی ایشور کا ہی عکس اور روپ سمجھنا اور دیکھنا۔ اس اونچی روحانی حالت کا نام ہی ایشور کا راجیہ یا خدا کی بادشاہت ہے" ایڈیٹر

چیتاونی

از حکیم ریلداس مظفر

ایک روز اس دُنیائے فانی سے یقیناً مُنہ موڑنا ہے اور تمام تر تعلقات کو چھوڑنا ہے۔ کوئی طاقت ایسی نہیں جو قدرت کے اس اٹل قانون کو ٹال سکے۔ یہ مال وخزانہ جو بڑی مشکل اور جدوجہد یا ناجائز طریقہ سے فراہم کیا جاتا ہے سب کا سب یہیں گڑا اور پڑا رہے گا۔ اور پھر ان رشتہ داروں کا میل ملاپ بھی اُن پرندوں کی طرح ہے۔ جو رات کو ایک درخت پر کہیں کہیں سے آکر اکٹھے ہوئے ہیں۔ اور سورج نکلتے ایک دوسرے سے قطع تعلق کرکے اُڑ جاتے ہیں۔ پھر شام ہوئی۔ اور رات آئی۔ نیا درخت اور نئے ساتھی۔ گذری ہوئی رات جن کے ساتھ بسر کی تھی وہ تعلقات ختم۔ اب پھر نئے تعلقات پیدا ہو گئے۔ مگر صرف ایک رات کے لئے۔ صبح ہوئی۔ سب پرندے اُڑ گئے کوئی اُدھر کوئی اُدھر اور کوئی کدھر۔ پھر نئی رات۔ نیا بسیرہ اور نئے ساتھی۔ (رشتہ دار) یہ سلسلہ یونہی چلا آرہا ہے اور یوں ہی چلتا رہے گا۔ نہ معلوم کب تک۔

پھر یہ زندگی؟ حیات مستعار۔ پانی کی دھار۔ ندی کی سی رفتار۔ ندی بہتی چلی جارہی ہے۔ کب سے بہہ رہی ہے کب تک بہتی رہے گی۔ کون بتلائے؟ اسی طرح یہ جیون ندیا بھی بہتی چلی جارہی ہے۔ آگے کو۔ ہر دم آگے کو۔ کوئی بھی طاقت اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں روک سکتی۔ یہ وقت مقررہ تک بہتی ہی رہیگی۔ ..... پھر یہ زندگی ہے کیا؟ جسم اور رُوح کا ملاپ۔ دونوں کے ملنے سے زندگی کا نام پایا۔ جُدا ہو گئے زندگی کی بجائے موت کا خطاب ملا۔ ......

اور موت کیا ہے؟ رُوح کا جسم کو چھوڑنا۔ یہ کیسے چھوٹتی ہے؟ جس طرح ایک آری لکڑی کے تختہ کو کاٹتی جارہی ہے۔ اور تب تک کاٹتی رہتی ہے۔ جب تک ان کو دو تختہ نہیں کر دیتی۔ (جُدا نہیں کر دیتی) اسی طرح ہمارا سانس بھی آری کی طرح آمد ورفت کے ذریعہ ہماری زندگی کو کاٹ رہا ہے یہ سانس کی آمد ورفت تب تک جاری رہے گی۔ جب تک کہ روح اور جسم کا تعلق ختم نہیں ہو جاتا۔ جونہی روح جسم سے جُدا ہوئی۔ سانس کی آری کا چلنا بند۔ کیونکہ اب اس کا کام پورا ہو چکا ہے۔ ان کو جدا کرنا تھا۔ کر دیا۔ اب کیا؟

مذکورہ خیالات ثابت کرتے ہیں کہ دُنیا اور کاردنیا ہیچ ہیں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ یہ سب کچھ

جانتے ہوئے بھی ہم اپنی زندگی کو کھیل کود عیش و آرام اور لذاتِ فانی میں ختم کرتے جا رہے ہیں۔ دن بدن فانی اشیاء مال و دولت کے افسانہ میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں۔ کہ دنیاوی مال و اسباب تو بڑھتے جا رہے ہیں لیکن زندگی کم ہوتی جا رہی ہے۔ بھلا اس نادانی کی بھی کوئی حد ہے کہ انسان دنیاوی ناپائیدار اشیاء کے اضافہ پر تو خوش ہوتا ہے۔ مگر زندگی جیسی قیمتی چیز کے گھٹنے کا افسوس نہیں کرتا۔ وائے جہالت۔ انسانی زندگی پاکر وہ کام کیا کہ جن کے ردِ عمل میں یہاں تو بے چین رہتے ہی ہیں۔ لیکن پرلوک کا بھی خیال نہ کیا یہ نہیں سوچتے۔ کہ لاکھوں یا کروڑوں روپیہ سے ایک کوڑی بھی ساتھ نہ ہوگی۔ ہزاروں کلہ زمین سے ایک چٹکی بھر مٹی بھی پلّے نہیں باندھی جائے گی۔ لاتعداد دوست۔ ہمدرد۔ خیر خواہ۔ رشتہ دار مدح خواں۔ تعلقداروں سے کوئی بھی ساتھی نہیں ہوگا۔ اگر انسان اِن باتوں پر ٹھنڈے دل سے وچار کرے تو اس فانی دنیا کی صحیح تصویر اُسے اپنے شیشۂ دل پر دکھائی دینے لگے....

انسانی جسم وہ نعمت ہے کہ جس کے ذریعہ نیک افعال کرکے انسان نجات حاصل کر سکتا ہے اور بحوالہ دھرم شاستر یہ منش جنم کئی جنموں کے شبھ کرموں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یونہی ناپائیدار اشیاء کے حصول میں ضائع کر دینا بڑی بھاری غلطی ہے۔ چاہیئے۔ کہ جہاں تک ہو سکے انسان اِس سے حقیقی مقصد حاصل کرے۔ اور یہ حقیقی مقصد کے حصول کا وقت ہے عالمِ جوانی۔ کیونکہ بچپن میں تو انسان کو اتنی سمجھ ہی نہیں ہوتی۔ کہ وہ پرلوک کے متعلق وچار کر سکے یا کوئی روحانی شغل کرے۔ اور بڑھاپا بیماری اور کمزوری کا گھر ہے۔ اس حالت میں انسان کے تمام اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں۔ دیکھنا۔ سُننا۔ چلنا پھرنا سب برائے نام باقی رہ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں انسان پرلوک کے لئے کوئی سادھن یعنی عمل نہیں کر سکتا۔ کام چاہے سوارتھ کا ہو یا پرمارتھ کا۔ دین کا یا دنیا کا یعنی لوک یا پرلوک کا اس کے لئے موزوں وقت صرف عالمِ جوانی ہی ہے مگر افسوس کہ نادان انسان اس انمول وقت کو وِشے وکاروں میں ضائع کر دیتا ہے اگر وہ اس کا جائز استعمال کرے تو اپنے مقصدِ حیات کو پالے...... نادان اور مایا میں غلطاں انسان دن رات مایا کے چکر میں پریشان رہتا ہے دھوکا۔ فریب چھل اور کپٹ وغیرہ سے دولت سمیٹنے اور کوئی بھی ناجائز کام کرتے وقت اس بات کو بھول جاتا ہے کہ مالک دیکھ رہا ہے۔ انسان بھگوان کو انتریامی اور سرودیاپک وغیرہ کہتا ہے مگر یہ کہنا صرف زبانی جمع خرچ ہوتا ہے کیونکہ فی الواقع جس انسان نے بھگوان کو انتریامی یقین کر لیا ہے۔ وہ اپنے من میں کبھی کسی کی بُرائی نہیں سوچے گا۔ اور جس نے بھگوان کو سرودیاپک یقین کر لیا ہے۔ وہ کسی بھی جگہ پر کوئی بُرا کام نہیں کرے گا۔ کیونکہ اُسے یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ مالک سرودیاپک ہے اور کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ میرے ہر کام کو دیکھ رہا ہے لیکن جو آدمی صرف زبان سے کہتا ہے کہ بھگوان انتریامی اور سرودیاپک ہے وہ اندھیرے میں ہے ایسے انسانوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ مندر میں جاکر پوجا۔ پاٹھ۔ آرتی وغیرہ کرتے ہیں۔ تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ بھگوان اُن کے ان شبھ کرموں کو دیکھ رہا ہے اور مجھے سورگ پراپت ہوگا۔ مگر جونہی مندر سے باہر آئے۔ اپنے کاروبار میں دھوکہ فریب کرنے لگے۔ شاید یہ سمجھ کر کہ بھگوان تو مندر میں ہیں۔ ہماری ان کالی کرتوتوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے ایسے عقلمند مورکھوں کو کون سمجھائے اور کس طرح سمجھائے کہ بھگوان ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ بڑے

مہرشی تپنجلی کا:-

اشٹانگ یوگ (مسلسل)

مترجم منشی سورج نارائن مہر

باب ششم پرانایام کا بیان

پہلی فصل - پران کی ماہیت

یموں اور نیموں کی مزاولت سے ضبط نفس پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور آسن کی مشق سے یوگ کا شایق یہ طاقت بہم پہنچاتا ہے کہ دھیان کرنے کے واسطے کم یا زیادہ دیر تک بیٹھ سکے۔ دونوں میں دسترس بہم پہنچ جائے تو آدمی یوگ کے چوتھے سادھن یعنی پرانایام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اسی واسطے یوگا چاریہ بھگوان تپنجلی نے پرانایام کو یم نیم اور آسن کے بعد لیا ہے۔

پرانایام کے معنی ہیں۔ پران کا روکنا۔ یہاں سوال اُٹھتا ہے کہ پران کیا چیز ہے۔ جسے روکنے اور بس میں لانے کے واسطے یوگی کو سعی و کوشش عمل میں لانی چاہیئے۔ پران کے معنی سمجھنے میں بالعموم بڑی بھاری غلطی ہو رہی ہے بالعموم یہ خیال پھیلا ہوا ہے۔ کہ پران آتے جاتے سانس کو کہتے ہیں اور ان سانسوں کے روکنے کی مشق ابتداً میں سانسوں کے روکنے سے کی جاتی ہے واقع میں پران سانس کو نہیں کہتے۔ بلکہ پران وہ قوت یا ازجی ہے جو سانس کو اندر لے جاتی اور باہر نکالتی ہے۔

دُنیا میں چاروں طرف نظر ڈالکر دیکھئے تو دو چیزیں دکھائی پڑتی ہیں۔ ایک مادہ دوسری قوت۔ انگریزی میں انہیں میٹر اور ازجی کہتے ہیں۔ اور سنسکرت میں پرکرتی اور پران۔ مادہ کثیف و لطیف حالتوں میں ملتا ہے۔ اور ہر قسم کی صورتیں اختیار کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔ پران وہ طاقت ہے جو ساکن مادے کو حرکت میں لاکر اور متحرک کو ساکن بنا کر صورتیں اختیار کراتی ہے۔ تمام چیزوں کی اصل یا ماہیت ذاتی مادہ ہے۔ اس کو حرکت دینے والی اور اس کی صورتیں بدلنے والی قوت پران ہے غرض کائنات دو چیزوں سے مل کر بنتی ہے۔ ایک مادہ ہے۔ اور دوسری پران۔ جس طرح کل کائنات میں مادہ ایک ہے۔ اسی طرح ایک پران بھی گوناگون صورتوں میں کام کرتا ہے:-

ہندوستان میں یہ اصول ہزاروں برس سے معلوم تھا۔ یورپ کے سائنس دانوں کو زمانہ حال میں معلوم ہوا ہے۔ مگر اب سب اس بات پر متفق ہیں۔ کہ پران یا ازجی کل کائنات میں ایک ہے۔ اس کی مقدار معین ہے۔ یعنی جس طرح نہ مادہ

گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے بلکہ بدلتی ہوئی صورتوں میں اس کی مقدار معین وہی رہتی ہے۔ اس طرح روشنی حرارت برق مقناطیسی قوت نمو حرارت عزیزی بناتاتی وحیوانی زندگی وغیرہ وغیرہ لاانتہا صورتیں ایک ہی پران کی ہیں۔ خاص حالتوں میں خاص اسباب مہیا ہونے پر پران کی ایک صورت دوسری میں تبدیل کی جاسکتی ہے مثلاً آگ کی حرارت سے بھاپ بنالی۔ قوت برق پیدا کرلی۔ برق سے برقی روشنی بنالی یا ریل وغیرہ چلالی۔ یہاں پران وہی ایک ہے اس کی مقدار میں فرق نہیں آیا ہے۔ ہاں خاص اسباب مہیا کرلینے سے اس کی صورتیں بدلی ہیں اور مختلف کام دینے لگی ہیں۔

ہمارے کرۂ ارضی پر جتنا پران کام کررہا ہے اُس کا سرچشمہ آفتاب ہے یہ وہ خزانۂ قوت ہے جس سے ہماری دنیا کا تمام کارخانہ چل رہا ہے۔ کبھی بڑے کپڑے کے کارخانے میں جاکر دیکھو تو ایک مکان میں بڑا بھاری انجن کھڑا پاؤ گے۔ جس میں بھٹے کی آگ کے وسیلے سے بھاپ بنتی ہے اور وہ خاص نالیوں میں نکالی جاتی ہے تو انجن کے مختلف پرزے مختلف طور سے حرکت میں آکر چمڑے کی مضبوط پیٹیوں اور رسیوں کو کھینچتے ہیں اور ان سے تمام کمروں کی کلیں کھنچکر مختلف کام کرتی ہیں۔ یہاں جس طرح انجن کا کمرہ خزانۂ قوت ہے۔ اس طرح آفتاب دنیا کے کارخانے چلانے کا مخزن قوت ہے آفتاب کی روشنی اور حرارت پانی کو بھاپ بناکر اُڑاتی اور مینہ برساتی ہے جمادات کو پکاتی ہے بناتات کو قوت نمو بخشتی ہے انسان کی زندگی ہے آفتاب نہ ہو تو ایک بھی ذیحیات زمین پر نہ رہ سکے۔ اور یہ یاد رہے کہ زمین پر کیا کل کائنات پر کوئی ایسی شے نہیں ہے جو ذیحیات نہ ہو۔

خود انسان میں پران کا ظہور تم بدیہی طور پر دیکھ سکتے ہو۔ جسم کے بھاری بوجھ کو پران ہی سہار رہا ہے اعضا کی حرکات کا باعث پران ہے۔ تم چلتے پھرتے اور کام کرتے اسی پران کی مدد سے ہو۔ کھانا کھاتے اور اُسے ہضم کرکے نمو پاتے پران سے ہو۔ جب تک یہ پران جسم میں ہے۔ آدمی زندہ کہلاتا ہے۔ جہاں اُس نے اس مٹی کے گھر کو چھوڑا اور آدمی مردہ ہے۔ اُسے ایک دن بھی کوئی گھر میں رکھنے کا روادار نہیں ہے۔ جسم میں پران تازہ اور شگفتہ ہوتا ہے تو آدمی بھی شگفتہ خوشدل طاقتور اور صحت مند رہتا ہے۔ پران مرجھایا ہوا ہوتا ہے۔ تو یوں سمجھو کہ آدمی بیمار کمزور اور نحیف ہے۔

جس طرح ہمارا بیرونی جسم خاکی ہے جو چلتا پھرتا کام کرتا سب کو نظر آتا ہے۔ اسطرح اس کے اندر پران کا ایک جسم ہے جسے پران مے کوش کہتے ہیں یہ جسم خاکی سے ذرا بڑا ہے دیکھنے والے کو اس کی کرنیں صحت مند جسم خاکی سے اوپر سوئیوں کی طرح کھڑی کھڑی نظر آیا کرتی ہیں۔ بیماری اور کمزوری کی حالت میں یہ کھڑی نہیں رہتیں۔ بلکہ مرجھائے ہوئے پھول کی پتیوں کی طرح جھکی ہوئی دکھائی دیا کرتی ہیں۔ مسمرزم اور ہپنوٹزم سے علاج کرنے والے لوگ مریض کے جسم میں یا تو اپنا پران منتقل کرکے طاقت پہنچاتے ہیں۔ یا کسی اور شخص کا۔ پران پہنچے

سے مریض آپ کو طاقت ور محسوس کرتا ہے اور روز بروز صحتور ہوتا چلا جاتا ہے پران مے کوش کا رنگ ہلکا گلابی بتایا جاتا ہے جب آدمی مرتا ہے تو یہ پران مے کوش جسم سے باہر تو آجاتا ہے مگر رہتا ہے جسم کے آس پاس ہی۔ اگر لاش کو جلا دو تو محل قیام نہ ہونے کی وجہ سے پران مے کوش بھی منتشر ہو کر اپنے ماخذ پھیلے ہوئے پران میں مل جاتا ہے اور جیو سوکشم کوشوں میں لپٹا ہوا اونچے نیچے لوکوں کو جاتا ہے اور اگر دفن کر دو تو جب تک جسم خاکی گلتا اور سڑتا رہیگا یہ بھی قبر کے اوپر رہیگا۔ اور گلنے سڑنے کا عمل اس بیں بھی ہوتا رہیگا ؛

یہ اس موٹے پران کا بیان تھا۔ جس کے سہارے ہمارا جسم خاکی قایم ہے اور جو کائنات کی چلانے والی مختلف قوتوں کی صورتوں میں بدلتا پایا جاتا ہے۔ یہ پران کی صورت کثیف ہے زیادہ لطیف پران اندریوں کی صورت میں ملتا ہے اور اس سے بھی لطیف تر انتہ کرن یعنی من چت بدھی اور اہنکار کی صورت ہیں سب سے لطیف پران کی وہ حالت ہے جو پرئے کے بعد جگت کی سرشٹی کے وقت پرکرتی کی حالت ہموار میں اضطراب پیدا کرنے سے حالت بدلنے اور خلقت عالم کے ظہور میں لانے کا باعث ہوتا ہے۔ اسی واسطے اُپنشدوں میں پران کی اُپاسنا بتاتے وقت اس کو جیشٹھ اور سریشٹھ یعنی عمر میں سب سے بزرگ اور قوت و طاقت میں سب سے افضل مانا گیا ہے۔

یہاں ایک غلطی سے بچنا چاہیئے۔ مغربی ارباب سائینس مادے اور قوت کو علیحدہ علیحدہ قایم بالذات وجود سمجھتے ہیں۔ مگر یہ غلطی ہے۔ پران مادے ہی کی ایک صورت لطیف ہے وجہ یہ کہ اس میں تبدیلی ہے اور جہاں جہاں تبدیلی ہے وہ سب چیزیں مادے ہی کی صورتیں ہیں۔ صرف کثافت و لطافت کا فرق ہے اور کچھ نہیں۔ علت کائنات مادہ یا پرکرتی ہے۔ جسے یوگ اور سانکھیہ میں پردھان کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی پردھان سے تین قسم کی چیزیں ظہور میں آتی ہیں۔ اوّل موٹی مادی چیزیں مثلاً خاک و آب وغیرہ۔ دوسرے وہ لطیف قوتیں جو ان کثیف چیزوں میں کام کرتی ہیں۔ اور تیسرے اندریاں اور انتہ کرن وغیرہ جو سب سے لطیف ہیں۔ پس پرکرتی میں تین گن یا خاصے ہوئے۔ اوّل موٹی چیزیں پیدا کرنے والا خاصہ۔ اسے تموگن کہتے ہیں۔ دوسرے لطیف قوتیں پیدا کرنے والا خاصہ۔ اس کا نام رجوگن ہے۔ تیسرے پرکاش یا علم پیدا کرنے والا خاصہ۔ یہ ستوگن ہے۔ چونکہ تینوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس واسطے یہ تینوں پرکرتی کے کاریہ یعنی مادی چیزیں ہی ہیں غیر متبدل اور ہمیشہ ایک رس رہنے والا ناظر پُرش یا آتما کہلاتا ہے جس کے بھوگ بہم پہنچانے اور موکش پد پر پہنچنے کے لئے یہ تمام تماشہ کائنات ہو رہا ہے۔ اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کثیف اور لطیف پران مادی شے ہی ہے۔ غیر مادی یعنی رُوح یا آتما نہیں ہے ؛

دوسری فصل پرانا یام کی ماہیت

پران یہ ہے۔ جس کا بیان اوپر ہوا۔ کثیف پران جس طرح ہمارے جسم کثیف کو سہارے ہوئے ہے اسی طرح تمام ستھول برہمانڈ کو سہارے ہوئے ہے اور لطیف پران یعنی اندریاں اور انتہہ کرن جس طرح ہمارے جسم میں کام کر رہا ہے۔ اسی طرح بیرونی برہمانڈ میں کام کر رہا ہے۔ غرض کیا ہمارے اندر اور کیا باہر ایک پران ہے۔ جو کثیف و لطیف ہر قسم کی حرکات کا باعث ہے۔ اگر ہم اس پران سے کام لینا اور اس پر قابو پانا سیکھ لیں۔ تو دنیا کی تمام قوتوں کو کام میں لا سکتے ہیں۔ اور ان پر غالب آ سکتے ہیں۔ جس طریقے سے انسان پران پر قابو پاتا ہے اصلاح میں اسی کا نام پرانا یام یا پران کا روکنا ہے۔

یہ پران کے روکنے کا خیال طبع انسانی میں پیدا کیونکر ہوا۔ یہ سوال پہلے ہی قدم پر اٹھتا ہے اور اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ اسی جواب سے پرانا یام کے مسئلے پر روشنی پڑے گی۔ دیکھو ہر شخص سکھ کا طالب ہے اور دکھ سے بھاگتا ہے۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ دکھ ہم سے دور رہے اور جہاں تک ہو سکھ محسوس کیا کریں۔ مگر دنیا تبدیلی کا نام ہے یہاں ایک حالت برقرار رہنی سخت دقّت کا کام ہے۔ بیرونی نظارے دمبدم بدلتے رہتے ہیں۔ اندرونی کیفیات نفس یعنی چت کی برتیاں ہر لحظہ تبدیلی پذیر ہیں ایک حالت کیونکر رہ سکتی ہے۔ یہی تکلیف اور دکھ درد کا باعث ہے۔ اس کے روکنے کو آدمی طرح طرح کی تجاویز عمل میں لاتا ہے۔ مثلاً فکر دنیوی ستاتا ہے۔ تو وہ کتاب لے بیٹھتا ہے۔ باغ یا بازار میں سیر کو نکلتا ہے شراب بھنگ یا اور طرح کی نشہ بازی میں غم غلط کرتا ہے۔ موسیقی شاعری شطرنج چوسر یا اور سینکڑوں قسموں کے کھیلوں میں مصروف ہوتا ہے نئے مشغلے پیدا کرتا ہے۔ نئے شوق اٹھاتا ہے۔ غرض تمام اچھے یا برے شوقوں مشغلوں اور مصروفیت کی تہ میں یہی من کا وکشیپ یا اضطراب قلب ہے۔ جو انسان کو ہر طرف کھینچے کھینچے لئے پھرتا ہے۔ مگر شانتی اور سکھ ہے کہ ڈھونڈھا نہیں ملتا۔ جس طرح شہد کی مکھی ایک پھول سے دوسرے پر جاتی ہے اور کہیں ٹکتی نہیں۔ اسی طرح آدمی بھی ہر قسم کے مشغلے اور شوق کا رس چکھتا ہے۔ اور تھوڑے عرصے میں جب وہ رس مزا نہیں دیتا تو اور طرف جھکتا ہے۔ یہی حال برابر چلا جاتا ہے :۔

اکثر لوگوں کا تو انجام یہی ہوتا ہے کہ مشغلے بدلتے بدلتے اور شانتی و سکھ کی تلاش بے سود کرتے کرتے آخر بے نیل مرام دنیا سے ناکام چلے جاتے ہیں۔ ہاں بعض خوش نصیب جن کے پچھلے کرم اچھے ہیں۔ جن پر ایشور کی کرپا ہے۔ جنہیں ست سنگ میسر ہو گیا ہے اپنے پرانے سنسکاروں کی وجہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ کہ دنیوی مشاغل سے صرف یہی شانتی اور سکھ نہیں مل سکتا۔ پس ان بدلتے ہوئے نقشوں سے ہٹ کر وہ قیام پذیر شے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بیرونی اشیا سے نظر ہٹا کر اندرونی آتما کی طرف دھیان لگانا شروع کرتے ہیں۔ کہ باہر تو سکھ اور شانتی ہے نہیں۔ اندر

دیکھو وہاں ملے تو ملے :۔

من کو لشیوں سے خالی کیجئے تو اس کا چنچلتا یا اضطراب دُور ہوتا ہے اور شکر وشانتی رونما ہوتی ہے۔ غرض شانتی اور شکھ اضطراب قلب میں نہیں ہے بلکہ یکسوئی قلب میں ہے یکسوئی دھیان سے بہم پہنچتی ہے مگر دھیان کرنے بیٹھئے تو عجیب تماشہ نظر سے گزرتا ہے۔ من اور طرف سے خالی ہوتا ہے تو دھیان ہر پھر کر سانسوں کی طرف جاتا ہے آتے جاتے سانس ہیں۔ کہ بے اختیار توجہ کو کھینچتے ہیں۔ اور جس چیز پر دھیان جما کر چت کو یکسو کرنے کا ارادہ کر کے بیٹھے تھے۔ اس پر دھیان کو جمنے نہیں دیتے۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ ہر شخص بذات خود تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے آتے جاتے سانس جب اس طرح رکاوٹ ثابت ہوئے تو ہمارے قدیم آچاریوں کو یہ خیال آیا کہ اور چیزوں پر دھیان جمانے کی بجائے اِن رکاوٹ ڈالنے والے سانسوں پر دھیان کیوں نہ جمائیں۔ اس طرح سانسوں پر ہی توجہ دینی شروع ہوئی۔ قاعدہ ہے کہ چت جس شئے پر یکسو ہوگا۔ اس کی ماہیت کھلیگی۔ اور اُس کے متعلق جو سدھیاں اور شکتیاں ہیں۔ وہ رونما ہوں گی۔ اس طرح دنیا کا ہر سائنس پیدا ہوا ہے۔ اب ہو رہا ہے اور آئندہ ہوتا رہے گا۔ بھاپ بجلی مقناطیسی قوت وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ سے آجکل یورپ و امریکا میں جو کلیں ایجاد ہوئی ہیں اور جو عجیب و غریب کام اُن سے لئے جا رہے ہیں۔ ان کا اصل اصول یہی دھیان دینا تھا۔ جو ارباب علوم طبیعی نے دیا ہے اور سدھیوں اور شکتیوں کا ظہور کر دیا ہے۔ یہ طبعیات کا حال تھا۔ ماہران النفس و ماہران علم الحیات نے اپنے اپنے علوم پر دھیان دیا اور ان میں عجیب سدھیاں حاصل کر لیں۔

سانسوں پر دھیان دے کر پران کا علم دریافت کرنا ہندوستان میں شروع ہوا۔ اور یہیں کمال کو پہنچا۔ اب یورپ اور امریکہ میں بھی اس طرف توجہ شروع ہوئی ہے اور کچھ لٹریچر نکلا ہے مگر وہ سب یہیں کا جُھوٹن ہے ہمارے آچاریوں نے پرانایام کی مزاولت پیہم سے پران کے رموز دریافت کئے۔ ایک کو ایک سدھی بہم پہنچی۔ دوسرے کو دوسری۔ یہاں تک کہ پرانایام بجائے خود ایک سائنس ہو گیا۔ جن لوگوں نے ہٹ یوگ کی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ بتا سکیں گے کہ پرانایام لا انتہا طریقوں سے کی جاتی ہے۔ گھر گھر کی پرانایام علیحدہ ہے مت مت کی پرانایام جدا ہے بیٹھ کر کرتے ہیں۔ کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ جُھک کر کرتے ہیں۔ لیٹ کر کرتے ہیں۔ غرض اس کی ورزشیں ویسی ہی مختلف ہیں جیسے جمناسٹک کی ہوتی ہیں۔

جسطرح جمناسٹک کی مختلف ورزشوں سے مختلف قوائے جسم نمو پاتے اور طاقت پکڑتے ہیں۔ اسی طرح پرانایام کی مختلف ورزشیں مختلف فایدے دیتی ہیں۔ بعض ورزشیں کھانا ہضم کرتی ہے۔ بعض کوئی خاص مرض دور کرتی ہے۔ بعض صحت کے واسطے مفید ہے بعض زور و طاقت کے لئے سود مند ہے۔ غرض کسی سے کسی قسم کی سدھی بہم پہنچتی ہے کسی سے کسی قسم کی۔ فقیر مہر کی ایک مہاتما سے ملاقات تھی جو بہت ہی نحیف و ضعیف تھے۔ اور کسی قسم کی ورزش نہیں کیا کرتے تھے۔ مگر غذا اچھی کھاتے تھے۔ اور اُسے بخوبی تمام ہضم کر لیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے تعجب آیا۔ اور میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کھانا ہضم کیونکر ہوتا ہے مسکرا کر کہنے لگے۔ بھائی کھانا کھانے والا اور ہضم کرنے والا پران ہے

جہاں کچھ سانس کھینچے اور کہاں نا ہضم ہُوا۔

پرانا یام کی اصلی غرض دھیان جمانے کی قابلیت بہم پہنچانی ہے جسم و جسمانیات کے متعلق جو سدھیاں بہم پہنچتی ہیں، وہ ضمنی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص پرانا یام کا عامل ہوگا۔ اس پر ضرور بالضرور خاص خاص سدھیوں کا انکشاف بھی ہوگا۔ مگر ان میں پھنس جانا اصل مقصد کو نظر انداز کر دینا ہے۔ یہ تو بعینہ ایسی بات ہے کہ کسی پنڈت نے اپنا مضمون صاف کرنے اور اوروں کو فیض پہنچانے کی غرض سے گیتا یا اُپنشد کی کتھا باچنی شروع کی اور اس پر کچھ روپے چڑھائے گئے۔ اب یہ پنڈت محض روپیہ کمانے ہی کی غرض سے ہمیشہ کتھا باچا کرے تو پرمیا کے فیض یعنی اپنی روحانی ترقی سے محروم رہ جائیگا۔ بعینہ یہی حال اُن لوگوں کا ہُوا کرتا ہے جو نفس پر قدرت پانے اور دھیان جمانے کی غرض سے تو پرانا یام شروع کرتے ہیں۔ اور پھنس جاتے ہیں، جسم و جسمانیات کے متعلق سدھیوں اور شکتیوں کے حاصل کرنے میں ؛؛

ہٹ یوگی پرانا یام کو نفس پر قابو پانے اور دھیان جمانے کا وسیلہ نہیں سمجھتے بلکہ بجائے خود معراج تصوّر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں جو کچھ ہے۔ پرانا یام ہی ہے۔ ناظرین نے لوگوں کے چشم دید واقعات پڑھے یا سُنے ہوں گے کہ فلاں راجہ مہاراجہ کے ہاں ایک یوگی آیا۔ اُسے مہینہ بھر یا چالیس روز کوٹھے میں بند کر کے اور تیغہ دیکر رکھا یا قبر کھود کر اور اس میں بٹھا کر دفن کر دیا۔ مدّت معینہ کے بعد جو کھولا گیا تو وہ زندہ و سلامت نکلا اور گھی یا تیل کی مالش کرنے اور دودھ یا گھی پلانے سے ہوش میں آگیا۔ اور پھر دو پہر یا ایک دو روز میں معمولی کاروبار کرنے کے لایق ہوگیا اور انعام و اکرام لیکر رخصت ہُوا۔ یہ لوگ ہٹ یوگی کہلاتے ہیں۔ انہیں پرانوں کے سائنس اور پرانا یام کے طریق سے واقفیت ہے۔ مگر اُسے یہ "آتم اُنتی" کے کام میں نہیں لا رہے ہیں جس سے روحانی ترقی کے مدارج اعلےٰ پر چڑھیں اور شانت پد حاصل کریں۔ بلکہ مداری یا بازیگروں کی طرح روپیہ کمانے یا نام و شہرت حاصل کرنے کے واسطے استعمال کر رہے ہیں۔ انہیں لوگوں نے پرانا یام کے رموز و نکات دریافت کر کے اُسے کھانے کمانے کا سائینس بنا لیا ہے ؛

راج یوگی یا ویدانتی اس غرض سے پرانا یام نہیں کرتا۔ بلکہ پرانا یام کا ابھیاس وہ اس مطلب سے کرتا ہے کہ دھیان صرف سانسوں پر رہے اِدھر اُدھر بھٹکتا نہ پھرے۔ یاد رہے کہ پرانا یام صرف یوگیوں کے ہی ابھیاس کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ وید کے ماننے والے ہندوؤں کے ہر فرقے میں مروج ہے۔ ہم لوگوں کے لئے وید کی بدھی ہے کہ ہر روز سندھیا کرنی چاہیئے۔ سندھیا اپنے سروپ کا چنتن ہے۔ مگر اس سروپ چنتن پر دھیان جمانے کی غرض سے آتے جاتے سانسوں کو بھی روکا جاتا ہے۔ اور ایک سانس میں منتر کا منتر پڑھا جاتا ہے یہ پرانا یام ہی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ نئے ویشنو پنتھوں۔ شو شکتی وغیرہ کے پنتھوں۔ دادو پنتھیوں۔ جوگی بیراگیوں نانک پنتھیوں وغیرہ وغیرہ میں پرانا یام برابر کی جاتی ہے۔ ہاں حال ہی میں ایک نیا پنتھ اور جاری ہوا ہے اس

میں جہاں پرانی باتوں میں ادر تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ وہیں پرانا یام کو بھی بالکل متروک کر دیا گیا ہے۔
ویدانت گو سروپ چنتن کا شاستر ہے مگر پرانا یام کی اہمیت کو مانتا ہے۔ یوگ واسشٹ محض گیان کی کتاب ہے۔ جس میں کرم بھگتی اُپاسنا وغیرہ کسی کی تعلیم نہیں دی گئی۔ مگر نروان پرکرن کی پہلی کہانی جس میں وشِشٹ جی کی کاک بھشنڈ سے مُلاقات ہوئی ہے۔ وہاں اُس پرانا یام کی بخوبی توضیح کی گئی ہے۔ جو ویدانتی گیانی کرتے ہیں۔

باقی پھر

خیالِ خُوشی اُور کامیابی

از لالہ کاشی رام جی چاولہ

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان جیسا سوچتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے۔ اگر وہ سوچتا ہے کہ میں خوش رہوں اور زندگی میں کامیاب ہوں تو اُسے خوشی اور کامیابی دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر اُس کے دل میں اُداسی اور ناکامی کے خیال اُٹھتے رہتے ہیں۔ تو وہ ناخوش اور ناکامیاب ہے۔

کئی لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم تو اکثر خوشی اور کامرانی کے خیالات بھی دل میں پیدا کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی نہ خوشی ہی نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی کامیابی۔ اس لئے وہ بسا اوقات کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ اصول غلط ہے۔ ورنہ ہم کیوں شاد و کامیاب نہ بنتے اور اس لئے وہ یہ بات بھی کہتے سُنے گئے ہیں کہ خوشی اور یقیناً خوش نصیبی پر منحصر ہے جن کی قسمت اچھی ہے وہی لوگ شادماں اور کامراں بنتے ہیں۔

اس قسم کے اعتراض پر غور کرنا ضروری ہے۔ اگر واقعی ایسے لوگ باوجود شادمانی اور کامرانی کے خیالات رکھنے پر بھی اپنی مراد حاصل نہیں کرتے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ بجز حکما اور دانا لوگوں نے اس بارے میں صدیوں تک بڑے غور و خوض سے تجربات کئے ہیں۔ اُنہوں نے یہ اصول سو فیصدی درست پایا ہے کہ جو آدمی حقیقتاً خوشی اور کامیابی کے خیال سے اپنے من کو بھر کر رکھتا ہے اس دنیا کی کوئی طاقت اِن دونوں اغراض کے حصول سے محروم نہیں رکھ سکتی۔ تب یہ سوال اُٹھتا ہے کہ رکاوٹ کہاں اور کیوں پڑتی ہے؟ اچھی طرح کھوج کرنے سے پتہ لگ جاتا ہے۔

کہ نقص کسی اور جگہ نہیں ہے سبھی خرابی ان خیالات میں ہی ہے جن کو وہ لوگ خوشی اور کامیابی کے خیالات تصور کرتے ہیں۔ دراصل ان خیالات کی گہرائی میں ایسا جذبہ نہیں ہوتا۔

ہمارے من کے دو حصّے ہیں۔ ایک بیرونی اور دوسرا اندرونی ہر ایک خیال پہلے بیرونی حصہ میں اٹھتا ہے لیکن وہ اپنا پھل تب دیتا ہے جب وہ اندرونی حصّہ میں بیٹھ جائے اور اندرونی حصہ میں تبھی جاگزیں ہوتا ہے جب اس میں پوری طاقت ہو اور کوئی مخالف ہوا اُسے کمزور بنا کر اثر نہ دے۔ یہ بات ایک دو مثالوں سے واضح کی جاتی ہے۔

ایک آدمی سویا ہوا ہے اس کے پاس ایک دُوسرا آدمی بیٹھ کر کوئی باتیں اس کو سنا رہا ہے وہ لفظ تو سوئے ہوئے آدمی کے کانوں میں جا رہے ہیں لیکن وہ ان کو سُن نہیں رہا دوسرا آدمی اگر وہی لفظ با زور الفاظ میں اونچی آواز سے کہے۔ تو سویا ہوا آدمی فوراً بیدار ہو جائے گا۔ اور ان لفظوں کو سُن لے گا۔ اس طرح سے بیرونی من میں جو کمزور خیالات اُٹھتے ہیں، وہ اندرونی من میں جگہ نہیں پاتے۔ جب ان خیالات کے ساتھ زبردست خواہش بھی ہو۔ اور پُوری طاقت رکھتے ہوں تب وہ اندرونی من کو بیدار کرکے وہاں جگہ پا لیتے ہیں۔ اور پھر ان کے حسب خواہش پھل بار آور ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑ سکتی۔

رکاوٹ کس طرح پڑتی ہے، یہ بات بھی ایک مثال سے واضح کی جاتی ہے ایک طالب علم امتحان میں کامیاب ہونا چاہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے خیال آتا ہے۔ کہ اگر امتحان نہ دینا پڑے تو اچھا ہے۔ اب یہ دو متضاد خیالات اس لڑکے کے دل میں ہیں۔ یہ دونوں خیالات ایک دُوسرے کی طاقت کو ضائع کرینگے جو خیال زیادہ زور پکڑ گیا۔ وہ اندرونی من کو جگا کر وہاں جاگزیں ہو کر کامیاب ہو جائیگا۔ اگر امتحان نہ دینے کا خیال بالاتر ہو گیا۔ تو وہ لڑکا ضرور بیمار ہو جائے گا۔ یا کسی دُوسری وجہ سے امتحان نہ دے سکیگا۔ اب اگر وہ بعد میں شکایت کرے کہ میں تو کامیابی کا خیال دل میں لاتا تھا۔ لیکن وہ خیال بار آور نہ ہُوا، تو اس کی خوش فہمی ہے، جب اسی خیال کے ساتھ دُوسرا خیال اُٹھتا تھا۔ اور وہ زیادہ جاندار تھا۔ تو وہ کامیابی کے خیال کو کیسے اوپر آنے دیتا۔

"بس یہی سمجھ لیجئے کہ جس طرح اس لڑکے کو اپنی ناکامی کے متعلق غلط فہمی ہوئی اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی ہوتی ہے جب ایک خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ تو وہی زیادہ زور پکڑ کر پہلے خیال کو دبا کر خود اندرونی من میں پہنچ کر کامیابی کی بجائے ناکامیابی کو لا کر کھڑا کرتا ہے۔ مثلاً اکثر لوگ اس قسم کا خیال دل میں لاتے ہیں۔

میں کامیاب تو ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن راستہ میں مشکلات بڑی ہیں، وہ میرے آرام میں مخل ہوں گی، کیا اچھا ہو کہ کوئی اور میری مدد کرے مگر کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ کوئی مدد کرے یا نہ کرے۔ بلکہ شاید کئی لوگ تو میری مخالفت پر ہی تل جائیں گے۔ اور مجھے ناکامیاب بنانے میں اپنا زور لگائیں گے۔"

اب دیکھئے اس خیال میں کتنا ہیر پھیر زیر و زبر اور پیچ و تاب ہے، ایک تو کامیابی کی خواہش ہے۔ دُوسرا تکلیف نہ اُٹھانے کی تیسرے کسی غیر کی مدد کی چوتھے اور کی مدد کے متعلق شک کا خیال ہے اور اور پانچویں مخالفت کا، ایسی صورت میں کون کہہ سکتا ہے کہ کون سا خیال زور پکڑ جائے۔ اور عملی جامہ

بہن لے۔ ایک کتھا آتی ہے۔ کہ ایک آدمی نے منتر سدھی کی کہ جو کچھ میں چاہوں۔ وہ ہو جائے ایک بار جنگل میں جاتے ہوئے اُسے سخت بھوک لگی اُس نے سوچا۔ کہ کیا اچھا ہو کہ نہایت لذیذ اور نفیس کھانوں کا تھال یہاں آجائے۔ چونکہ منتر سدھی ہو چکی تھی، اس کی خواہش کے مطابق تھال حاضر ہو گیا۔ پھر اُس نے سوچا کہ زمین پر بیٹھ کر ایسا اچھا کھانا کھانے سے کیا لطف آئے گا، کیا اچھا ہوتا اگر ایک نہایت پُرتکلف بچھا ہوا پلنگ بھی مل جاتا ویسا پلنگ بھی حاضر ہو گیا۔ اب اُس نے سوچا دھوپ میں بیٹھ کر کھانے کا کیا مزا ہو گا، ایک چھوٹا سا سجا ہوا کمرہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس کے خیال کرنے کی دیر تھی کہ کمرہ بھی تیار ہو گیا۔ اب اسے خیال آیا کہ میں جنگل میں اکیلا بیٹھا ہوں۔ اگر کوئی شیر آجائے اور مجھے کھا جائے تو کیا ہو بس اس کے خیال کرنے کی دیر تھی۔ کہ ایک دھاڑتا ہوا شیر نمودار ہو کر اسے ہڑپ کر گیا۔ ہے تو یہ محض کہانی لیکن خیال کی طاقت کو اچھی طرح سے واضح کرتی ہے جس قسم کا خیال طاقت پکڑ جائے وہی عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیئے اگر ہم واقعی خوشی اور کامیابی کے خواہاں ہیں۔ تو ہمیں اپنے اندرونی من میں اس قسم کے زبردست خیالات اپنی مقصد براری کے لیئے اُٹھانے ہوں گے۔ کہ وہ اندرونی من میں سرائیت کر جائیں۔ پھر حصول مدعا میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔

یہاں اگر بدقسمتی سے کوئی اُلٹا خیال بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ بالاتر ہو گیا۔ تو ناکامی میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اسی لئے بھگوان کرشن نے گیتا میں فرمایا ہے کہ جو شک کرنے والا انسان ہے۔ اُس کی تباہی لازمی ہے اس فرمان کی تہ میں یہی سر رعانت ہے کہ شکی مزاج انسان کے دل میں کمزور خیال اُٹھ کر اندرونی من میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں پہنچ کر اُس آدمی کی بربادی کا باعث بن جائیں گے۔

اندریں حالات اپنی بہتری و بہبودی کے طالب کو نیچے اس طرح سے سوچنا چاہیئے "میں پرماتما کا پُتر ہوں پرماتما سچد آنند ہیں۔ وہ ہمیشہ آنند سے بھرپور رہتے ہیں۔ اس لئے آنندت رہنا میرا ادھیکار ہے آنند میری وراثت ہے وہ مجھے مل کر رہیگی۔ پرم پتا پربھو نے جو آگیا ئیں مجھے شاستروں میں دی ہیں۔ میں ایک فرمانبردار بیٹے کے طور پر اُن سب کا پالن کروں گا۔ اور آنند کی وراثت پاؤں گا، پربھو کا پُتر ہو کر میں دُنیا میں ناکام کیسے رہ سکتا ہوں، پرمیشور نے مجھے ہاتھ پاؤں اور بدھی سنسار میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دی ہیں۔ میں ان سب کا ٹھیک استعمال کر کے ان سے پورا فائدہ اُٹھا کر کامیابی کے مندر میں پہنچوں گا۔ پرشارتھ کرتا ہوا میں آگے بڑھتا جاؤں گا۔ اور منزل مقصود پہ پہنچکر ہی دم لوں گا"

وقت سے پہلے مقدر سے زیادہ

آگے غرور چلتا ہے پیچھے پیچھے شکست

شری ساون شاہ - تارا گڑھی

سپاہیوں کے بہت زور دینے اور کئی طرح سے ڈرانے دھمکانے پر بھی جب فقیر نے اپنی جھونپڑی خالی کرنے اور زمین سرکار کو دینے سے اِنکار کر دیا اور کسی طرح بھی نہ مانا تب جمعدار نے یہ سوچ کر کہ فقیر سے جھگڑنا اور زبردستی کرنا مناسب نہ ہوگا، بڑے اہلکاروں کو اطلاع کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی اختیار کر لی۔

فقیر کی جھونپڑی اور اُس کے ساتھ کی زمین، زیرِ تعمیر شاہی قلعہ کی چار دیواری کے اندر پڑتی تھی۔ جیسے شاہی حکم کے مطابق یہ سپاہی خالی کروانے آئے تھے۔ لیکن فقیر نے کسی ڈر یا لالچ سے اپنی زمین خالی کرنا منظور نہ کیا۔ سپاہی واپس پلٹ گئے۔

بات بڑے اہلکاروں سے ہوتے ہوتے بادشاہ کے کانوں تک پہنچی۔ بادشاہ اکبر نے جلال میں آکر کہا۔ "فقیر ہے تو کیا ہوا۔ اگر وہ زمین کے بدلے نقد۔ یا کوئی دُوسری زمین لے کر جگہ خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، تو اُسے اُٹھا کر باہر پھینک دو۔ اور جھونپڑی گرا دو۔" حکم لکھا گیا۔

اُسی رات ..... رات آدھی کے قریب جا چکی تھی۔ بادشاہ اکبر اپنی آرام گاہ میں مسہری پر سو رہے تھے۔ پہرے کے سپاہی، غلام اور باندیاں دروازوں کے باہر پوری مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ آرام گاہ میں دیوارگیروں میں لگی بلّوری ہانڈیوں میں رنگ برنگی موٹی شمعیں اطراف میں روشنی پھیلا کر عجیب بہار دکھا رہی تھیں۔ مسہری کے ریشمی پردے ہوا کے جھونکوں سے سرسرا رہے تھے۔ رات آدھی کے قریب جا چکی تھی۔ بادشاہ گہری نیند میں سرشار، غافل سو رہے تھے۔ مسہری کے چاروں طرف زمین پر بچھے قالینوں پر بادشاہ کی خلوت میں حاضر رہنے والی خوبصورت باندیاں سو رہی تھیں۔ گہرا سنّاٹا چاروں طرف طاری تھا۔ تبھی بادشاہ چیخ مار کر گھبرائے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ سو رہی باندیاں آواز سُنتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئیں — "کیا ہوا حضور؟" باندیوں میں سے ایک نے ادب سے پوچھا۔

بادشاہ بُری طرح ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ اِدھر اُدھر چاروں طرف دیکھ کر بولے — "وہ فقیر کہاں گیا — ہے"

"کون سا فقیر عالیجاہ! یہاں تو کوئی نہیں آیا۔"

بادشاہ نے پھر ایکبار اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سنبھل کر بولے :- "چوبدار کو حاضر کرو"۔

باندی نے دروازے پر جاکر چوبدار کو اطلاع دی۔ چوبدار نے حاضر ہو کر دست بستہ آداب کیا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ بیربل کو پیغام دو کہ ہم اسی وقت اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔

"جو حکم" کہہ کر چوبدار واپس پلٹ گیا اور تب تھوڑی دیر بعد بیربل نے حاضر ہو کر آداب کہا اور بولا۔

"نیاز مند حاضر خدمت ہے۔ ارشاد کیجئے! مزاج مبارک کیسا ہے؟"

بادشاہ نے بیربل کو مسہری کے پاس چوکی پر بیٹھنے کا اشارہ کرکے باندیوں کی طرف دیکھا اور تخلیہ کا حکم دیا۔ باندیوں کے باہر چلے جانے کے بعد بیربل سے مخاطب ہو کر کہا :- "بیربل! تمہیں آدھی رات کو بے آرام کرنے اور حاضر ہونے کی تکلیف دینے کا ہمیں افسوس ہے۔ لیکن بات کچھ ایسی آبنی کہ ماسوائے تمہارے اس عقدہ کو سلجھانے والا دوسرا کوئی نظر نہیں آتا"۔

بیربل نے عاجزی سے سر جھکا کر کہا :- "جہاں پناہ! بندہ اس عزت افزائی و عنایت کا تہ دل سے ممنون ہے۔ ارشاد کیجئے ایسا کیا معاملہ حضور کے پیش نظر ہے"۔

بادشاہ نے بدستور ڈر سے اور سہمے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ "بیربل! تھوڑا عرصہ پیشتر ہم آرام کی نیند پڑے سوتے تھے کہ اچانک یوں معلوم ہوا کہ کوئی فقیرانہ صورت آسمان سے اُتر کر ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی اور جھڑک کر بولی :- "خدا نے تجھے شہنشاہیت عطا کی اور تو اس قدر مغرور و خود سر ہو گیا ہے کہ اب فقیروں کو ستانے لگا ہے۔ یاد رکھ! اگر تو نے میری جھونپڑی گرائی اور زمین چھیننے کی کوشش کی تو تجھے، تیری شہنشاہیت اور تیرے خاندان کو غارت کر دوں گا" یہ کہہ کر اس فقیر نے ایک ہاتھ سے پکڑ کر مجھے یوں مسہری سے اٹھا لیا جیسے کوئی بچہ اپنے کھلونے اٹھا لیتا ہے۔ اور پھر یہ کہہ کر کہ "خبردار رہنا" مجھے مسہری پر پٹک کر آسمان میں پرواز کر گیا۔

قدرے رُک کر بادشاہ پھر بولا :- "بیربل! یہ خواب نہیں حقیقت ہے اور میں نے باہوش و حواس کھلی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا ہے"۔

بیربل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا :- "جہاں پناہ! آپ کا فرمانا درست ہے۔ بیشک وہ فقیر ولی خدا پرست درویش ہے۔ کل جب آپ دربار میں اس فقیر کی جھونپڑی گرانے کا حکم دے رہے تھے میں تبھی عرض کرنا چاہتا تھا کہ ایسا حکم نہ دیا جائے۔ لیکن آپ کے ارشاد کر دینے اور حکم لکھوا دینے کی وجہ سے خاموش رہ گیا"۔

بادشاہ نے کہا :- بیربل! واقعی ہم سے بھول ہو گئی۔ ہمیں فقیروں کا احترام کرنا واجب تھا۔ لیکن اب اس غلطی کا تدارک کیسے ہو؟

بیربل نے کہا کہ تدارک یہی ہے کہ اس حکم کو فوراً منسوخ کر دیا جائے اور اس فقیر کی جھونپڑی میں خود تشریف لے جاکر آپ اُس سے رحمت کے طلبگار ہوں

بادشاہ نے قدرے سکون و اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا :- "بات ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرنا مناسب ہے۔ بیربل! تم سواری کا انتظام کرو۔ میں دن نکلتے ہی وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

بیربل نے تعمیلِ ارشاد کا وعدہ کر کے سر جھکایا اور اٹھ کر چلا گیا۔

دوسرے دن ۔۔۔ دن نکلتے ہی بادشاہ سواری سے اتر کر ننگے پاؤں فقیر کی جھونپڑی پر پہنچے۔ ندامتہ شامتہ رکھ کر عاجزی سے فقیر کے دامن کو بوسہ دے کر بولے :- "آپ کی نظرِ عنایت کا ملتجی قصوروار حاضر ہوا ہے۔"

فقیر نے جو آسن پر بیٹھے یادِ الٰہی میں مشغول تھے، بادشاہ کو آیا دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ میں پکڑی مالا کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔ "کل تم بادشاہ تھے اور ہم فقیر۔ لیکن معلوم ہوتا ہے رات ہی رات میں ہم بادشاہ ہو گئے اور تم ...... ؟"

بادشاہ نے سر جھکا کر کہا۔ "میں حضور کے در کا سوالی عاجز و مسکین۔"

فقیر نے مسکراتے ہوئے کہا :- "اکبر بادشاہ! خدا کی جس پر خاص عنایت ہو اور جسے وہ قابل گردانتا ہو، اسے وہ اپنی خلق کا بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ بادشاہ رعایا کے لئے باپ کا درجہ رکھتا ہے اور رعایا کی پرورش کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن تمہارا رویہ حاکمانہ اور پُرغرور تھا۔ تم خدا کو بھول گئے تھے۔ اس لئے مجھے تمہاری بھول سدھارنا پڑی۔"

بادشاہ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر تھیں۔ رُندھے ہوئے گلے سے بولا۔ "یا فقیر! یہ عاجز اپنے گناہ سے واقف ہے اور شرمندہ و تائب ہو کر ہدایت پانے کے لئے حاضر ہوا ہے۔"

بہت دیر تک فقیر بادشاہ کو علماء و فقراءِ دین کی حکایتیں اور اقوال سنا کر نصیحت کرتا رہا۔ بادشاہ سرشاری کے عالم میں سننے میں محو رہا۔ تب آخر رخصت کی اجازت طلب کرتے ہوئے بادشاہ نے عرض کی :

"قبلہ! میں چند روز حضور کی صحبت کا نیاز حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ خود حاضر ہو کر فیضیاب ہو سکتا سلطنت کی بھاری ذمہ داریوں کی وجہ سے سخت مشکل ہے۔ معذور و مجبور ہوں۔ اگر آپ کچھ دنوں کے لئے میرے خانہ تار کو منور کر سکیں اور نیازمند کے غریب خانہ پر تشریف لے جا کر نواز سکیں تو عین نوازش ہوگی۔"

فقیر نے مسکرا کر کہا :- "ہم تمہاری عرض منظور کرتے ہیں اور کل ہی تمہارے یہاں آویں گے۔ سواری بھیج دینا۔"

بادشاہ نے سر جھکا کر شکریہ ادا کیا اور دامنِ فقیر کو بوسہ دیکر واپس لوٹ آیا۔

فقیر کی سواری شاہی محل میں پہنچی۔ بادشاہ بمعہ درباری امرا و وزرا خود دروازے پر استقبال کے لئے حاضر تھا۔ فقیر کے لئے شاہی محل میں ایک خوبصورت کمرہ کو حجرہ فقیر بنا کر آراستہ کیا ہوا تھا۔ فقیر

کو وہاں لیجا کر بٹھا یا گیا۔

بادشاہ صبح سے شام تک فقیر کی خدمت میں حاضر رہ کر دینی و دنیوی درس لینے میں مشغول رہنے لگا۔ فقیر اور بادشاہ ہر وقت اکٹھے بیٹھے حق و معرفت کے رموز و اسرار کا ذکر کرتے رہتے اور یہ سلسلہ کئی دن تک بدستور جاری رہا۔ بات یہاں تک بڑھی کہ بادشاہ کی توجہ معاملاتِ سلطنت و ملکی کاروبار سے یکسر ہٹ گئی۔

فقیر کے حجرہ میں دن بھر عالموں، فلاسفروں اور فقیروں کے اقوال دہرائے جاتے۔ مختلف دینی مسائل پر بحث جاری رہتی۔ فقیر کو اپنی فقیری اور بادشاہ کو اپنی بادشاہت بھول گئی۔ بیربل و دیگر اراکین سلطنت سخت پریشان تھے۔ نہایت ضروری معاملات پر بادشاہ کی منظوری لینا ہوتا تو کئی کئی دن پریشانی اٹھانی پڑتی۔ بادشاہ توجہ ہی نہ دیتے۔ آخر سب نے مل کر بیربل سے کہا کہ آپ ہی اس کا کچھ علاج کرو۔ یہ مرض دینی تو اب لاعلاج ہوتا جارہا ہے اور مزید یہی حالت رہی تو سلطنت کا خدا حافظ۔

بیربل نے سوچ وچار کر تجویز مرتب کی اور ساتھیوں کو مناسب تیاری کا حکم دیکر فقیر کے حجرہ میں حاضر ہوا اور دست بستہ عرض گذاری کہ یا فقیر اللہ! حضور کو محل میں آئے بہت دن گذر گئے۔ ہمارے بادشاہ سلامت آپ کے چشمۂ وحدت سے آبِ معرفت پی کر عالمِ سرشاری میں رہتے ہیں۔ اگر حضور کی عنایت ہو تو ہم درباری مصاحب بھی حضور کے فیض سے فیضیاب ہونا چاہتے ہیں۔

فقیر نے بیربل کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولے:۔ "بتا تو کیا چاہتا ہے؟"

بیربل نے بدستور سر جھکا کر کہا:۔ "ایک مجلسِ عام ہونی چاہیئے جس میں حضور کا دیدار ہر خاص و عام کرکے زندگی اور بقا کو سنوار سکے۔ میں نے اس سلسلے میں انتظام کر لیا ہے۔ صرف حضور کی منظوری عنایت کرنے کی بات رہ گئی ہے۔ ارشاد ہو تو ......"

فقیر جو بادشاہ کے پیر و مرشد بن چکے تھے اور خود کو بہت بڑا شاہی فقیر سمجھنے لگے تھے، مسکرا کر بولے:۔

"ہم تیری دلی مراد سمجھ گئے۔ جا! جا کر انتظام کر۔ ہم سرپرستی کرنا منظور کرتے ہیں۔ تاہم کیا اس مجلسِ عام میں قوال وغیرہ بھی بلوائے ہیں یا خالی دیدار ہی"

بیربل نے مسکرا کر کہا:۔ حضور کی خوشنودی کے لیے مشہور گائیکہ جو کہ رقص و سنگیت میں ملکہ رکھتی ہے اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کرکے مزاج حضور سے دعا برکات پانے کے لئے حاضر رہے گی۔

فقیر نے تن کر کہا:۔ "غلام زادے! ہم تیری عرض قبول کرتے ہیں۔ بتا ایسی مجلس تو کس دن کیا چاہتا ہے؟"

بیربل نے کہا:۔ "آج رات ہی طالبانِ دیدار منتظرِ فیض ہیں ——" فقیر نے منظوری دے دی۔

مجلسِ عام کا اہتمام خوب شان سے کیا گیا تھا۔ خوبصورت شامیانے میں ایک طرف تختِ زرنگار پر فقیر صاحب اور ان کی بغل میں بادشاہ اکبر بیٹھے تھے۔ درمیان میں جگہ خالی تھا۔ اور سامنے کی طرف دو رویہ

قطاروں میں اکابرانِ سلطنت فروکش تھے۔ جابجا رنگین شمع دان روشن تھے۔ خوبصورت باندیاں ہاتھوں میں صراحی اور پیالے لیے ہوئے مے ارغوانی تقسیم کر رہی تھیں۔ درمیان کی خالی جگہ میں ایک طرف سازندے بیٹھے ساز ملا رہے تھے اور بیچ میں تختِ شاہی کے سامنے حُسن و ناز کی پُتلی ایک خوش ادا نازنین عجیب دلرُبا انداز میں گھٹنے ٹیکے ایک ہاتھ کو ماتھے سے لگا کر آداب بجا لا رہی تھی۔ اُس نازنین کا خوبصورت چہرہ، نشیلی آنکھیں، گھونگھرالے بال اور باریک ململ کے لباس میں جھانکتا ہُوا سڈول جسم محفل کی توجہ کو اپنی طرف کھینچے ہُوئے تھا۔

سازندوں کے ساز ملا لینے کا اشارہ پاکر وہ حسینہ بل کھاتی، گھونگھروؤں کی جھنکار پہ بہتی ہُوئی ناچنے لگی۔ اُس کی شربتی آنکھوں میں وحشی ہرنیوں جیسا الھڑپن اور معصومیت تھی۔ اُس کے پاؤں کی جھانجھر میں پہاڑ کی بلندیوں پر سے پھسلنے والی ندیوں کا اضطراب تھا۔

ادا و ناز کے جلوے بکھیرتی ناچ کا ایک گھیرا پُورا کر کے وہ درمیان میں آ کھڑی ہُوئی اور دلربانہ انداز میں غزل کہنے لگی:۔ ؎

اے چشمِ کرم آس لگا رکھی ہے تجھ سے ۔۔۔ شکوہ ہی سہی شکوہ بیجا تو نہیں ہے
ہر روز نئے رنج و الم ملتے ہیں دل کو ۔۔۔ صد شکر مجھے وہ ابھی بھُولا تو نہیں ہے

محفل میں "واہ واہ" "غضب کر دیا" کی آوازیں گونج اٹھیں۔ چند لوگ آخر کے بول دہرا رہے تھے ـــ "وہ ابھی بھُولا تو نہیں ہے"

حسینہ نے پھر اُسی قاتلانہ انداز میں آگے کا بول کہا:۔ ؎

آہیں میرے لب پہ میری آنکھوں میں آنسو ۔۔۔ یہ تیری محبت کا تقاضا تو نہیں ہے

"مرحبا! صد مرحبا! محبت کا تقاضا۔ کیا بول کہے ہیں ـــ تیری محبت کا تقاضا ـــ جیو۔ کمال کر دیا" کی آوازیں گُونج اُٹھیں۔

ناچنے والی داد خواہی کا شکریہ ادا کرتی، ناچتی ناچتی فقیر صاحب کے آگے دو زانو ہو کر جھک گئی۔ اور آداب بجا لا کر بولی:۔

؎ سجدہ میرا ایمان ہے مگر حرمتِ سجدہ ۔۔۔ کہتی ہے تیرا نقشِ کفِ پا تو نہیں ہے
پھر بھی تو نہیں تیرے سوا کوئی سہارا ۔۔۔ سچ ہے مجھے تجھ پہ بھروسہ تو نہیں ہے

محفل میں "واہ واہ" کا ڈونگرہ برس گیا۔ لوگ جھوم جھوم کر غزل کے بول دہرا رہے تھے۔ لیکن فقیر....؟ ناچنے والی کے بار بار سامنے آکر آداب بجا لانے کی وجہ سے اُس کا عندیہ نہ سمجھ کر سخت پریشان تھا۔ آخر یہ کیا چاہتی ہے؟ بہت سوچا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

تبھی ناچنے والی نے پھر سامنے آکر آداب کیا اور جھک کر یہ بول کہے:۔

؎ حسرت ہے نہ ملنے کی جو مل جائے تو حسرت ۔۔۔ کچھ اِس کے سوا حاصلِ دُنیا تو نہیں ہے۔

بادشاہ نے غزل کی ادائیگی سے خوش ہوکر اپنے گلے سے موتیوں کی مالا اُتار کر ناچنے والی کی طرف بڑھائی۔ مالا لے کر شکریہ ادا کرنے کے بعد حسینہ پھر فقیر کے سامنے آئی اور گھٹنوں کے بل جُھک کر سجدہ کرتے ہوئے نازک اُنگلیاں ماتھے سے لگائیں۔

فقیر نے اس کی طرف دیکھا اور بولا :- " ہم تیرے ناچنے اور گانے سے بہت خوش ہوئے۔ مانگ کیا مانگتی ہے۔ ہم تیری ہر مراد پوری کریں گے ـــــ " یہ کہہ کر دُعا کا ہاتھ بلند کیا۔ لیکن ناچنے والی سر جُھکائے خاموش اسی انداز میں بیٹھی رہی۔

فقیر نے پھر کہا :- " مانگ تجھے جو مانگنا ہے۔ ہم فقیر کامل ہیں اور تیری ہر مانگ پوری کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جو تو مانگے گی تجھے ضرور عطا کیا جائے گا۔"

حسینہ تب بھی کچھ نہ بولی۔ سر جُھکائے سجدہ کے انداز میں خاموش بیٹھی رہی۔ فقیر نے غصہ میں آکر زوردار آواز میں کہا :- " غلام زادی! بول تجھے کیا چاہیئے۔ فقیر کی جھولی میں دُنیا جہان کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ تو جو مانگے گی، ہم تجھے ضرور دیں گے "

حسینہ نے آنکھیں اوپر اُٹھائیں اور بولی :- اے ولی اللہ! اگر آپ قدرت رکھتے ہیں تو " وقت سے پہلے اور مقدر سے زیادہ " جو کچھ مجھے دے سکیں دے دیجئے "

" کیا کہا ؟ " فقیر سوال سُن کر بھونچکا رہ گیا۔ ایسے معلوم ہوا جیسے بچھو نے کاٹ کھایا ہو۔ ایکدم چیخ کر بولا ـــــ " کیا کہا ؟ ـــــ وقت سے پہلے ...." اور ساتھ ہی لرزتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ کر زمین پر دوزانو ہوکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ـــــ " او خدا! معاف کر .... معاف کر .... میں بھول گیا " یہ کہہ کر زمین سے اُٹھا اور بھاگتا ہوا محفل سے نکل گیا۔

بادشاہ حیران و پریشان یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ فقیر کے اس طرح بدحواس ہوکر بھاگ جانے سے خود بھی محفل سے نکل کر فقیر کے پیچھے بھاگا۔ محفل میں موجود لوگ بھی پیچھے چلے۔ کافی دُوری پر جاکر دیکھا، فقیر ایک ویران جگہ پر گھٹنوں کے بل زمین پر اوندھا گِر کر ناک رگڑ رہا ہے۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے ہیں اور بار بار ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتا اور منہ سے بڑبڑا رہا ہے۔ بادشاہ نے قریب جا کر عرض کی ـــــ یا حضرت! مجھ غلام سے کیا غلطی ہوئی جو آپ یوں اُٹھ کر چلے آئے ؟

فقیر نے بدستور زمین پر ناک رگڑتے اور آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا۔ " اے بادشاہ! میں خدا کو بھول گیا تھا اور اپنی تو توڑ غرور کرکے بڑے بول بولنے لگا تھا۔ تو میں تو خدا کی عنایت تھیں۔ خدا نے مجھے یاد دلایا ہے کہ تو ایک عاجز فقیر ہے۔ اب میں اپنی بھول بخشوا رہا ہوں "

یہ کہتے کہتے پھر زمین پر گِر کر ماتھا رگڑنے لگا۔ بادشاہ اور درباری کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

چھوڑ باتیں، خدا خدا کر

شری آنند کپور

بہارِ دُنیا ہے چند روزہ، نہ چل یہاں سر اُٹھا اُٹھا کر
قضا نے تجھ سے کروڑوں نقشے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر
کہاں ہے رام اور کہاں ہے راون، کہاں ہے کنس اور کہاں مُراری
چلے گئے سب جہانِ فانی سے اپنے ڈنکے بجا بجا کر
دانا، سیانے ہر اک زمانے میں آئے لوگوں کو راہ دکھانے
زمیں کی گودی میں سو گئے سب دوسروں کو جگا جگا کر
کمالِ حیرت نہیں ہے تم کو یقین اپنی روانگی کا!
کہ تم سے پہلے بزرگ سارے گئے ہیں سب کو رُلا رُلا کر
کرو تیاری کہ سفر بھاری ہے دور منزل تیار گاڑی
بڑھے چلو یارانِ منزل قدم قدم سے مِلا مِلا کر
اگر بھٹکتے پھروگے یارو، تم آرزوؤں کی وادیوں میں
تماشہ دیکھیں گے دُنیا والے، تمہارا تم کو نچا نچا کر
یقین رکھو یقین والو ہے فتحیابی امرِ یقینی
اگر گناہوں پہ ہوگے نادم چلوگے نظریں جھکا جھکا کر
اگر کروگے بڑھاپے میں بھی تم حرکتیں نوجوانوں کی سی
جدھر جاؤگے کرینگے بچے تالی بجا بجا کر
آؤ تن من کو صاف کرلیں۔ زندگی کو شفاف کرلیں
داغ دوئی کے دھولیں آؤ، وفا کے آنسو بہا بہا کر
اِک طرف ہے آنند ازلی، ہے اِک طرف نشاطِ دُنیا
ملی ہے عقلِ سلیم تجھ کو تو دودھ پانی جدا جدا کر
آؤ آنند کمال کرلیں وقت کا استعمال کرلیں
کمائی اپنی حلال کرلیں۔ چھوڑ باتیں، خدا خدا کر


سونا بیش قیمت ہے
گولڈ کوائن
ذائقے میں انمول ہے اور لاجواب بھی !
صحت بخش
بیش بہا اور لطیف ذائقے والا
موہنز
گولڈ کوائن
سیبوں کا اصلی مشروب ہے
اس کا کوئی جواب نہیں۔
اس کے ہر گھونٹ میں لذت ہے۔
یہ آپ کی صحت کا ضامن ہے۔
ایک بار پینے کے بعد آپ اس کے
ہمیشہ کے لئے شیدائی ہو جائیں گے
APPLE JUICE
MOHUN'S
Gold Coin
APPLE JUICE
MMB-NP-634
موہن میکن بریوریز لمیٹڈ۔ موہن نگر
قائم شدہ: ۱۸۵۵ء

حُکم رضائی چلنّا نانکؔ لکھیا نال

از قلم پوجنیہ مہاتما شری کرشن سنگھ جی ٹھاکر۔ نانک کٹی۔ باغ نندی M.P.

بھگتی مارگ کا یہ ایک بہت ہی اُونچا سدّھانت صاحب شری گورو نانک دیوجی نے فرمایا ہے کہ اصل میں بھگتی کیا ہے؟ بھگتی میں کتنی بھاونا ہے یہی بات جاننے کی ہے۔ یہاں پر گورو نانک دیوجی نے ایک خاص بات جو کہی ہے وہ ہے حُکم اور رضا کا اکٹھا ہونا۔ حکم تو کوئی بھی نوکر مان سکتا ہے۔ اگر مالک حُکم کرتا ہے تو نوکر کا کام کرنے کو من ہو یا نہ ہو۔ مگر وہ مالک کا حُکم ہے۔ اُس کی تعمیل کرنا نوکر کا بس فرض ہے۔ مگر وہی حُکم رضا سے مانا جائے ارتھات جو تو حُکم کرتا ہے اُس میں ہی میری رضا ہے۔ میں وہی چاہتا ہوں جو تو چاہتا ہے۔ حُکم میں رضا کا مِل جانا ایک اُونچے قسم کا پیار اور سچی سیوا ہے۔ تن سے، من سے اور دھن سے سیوا کرنا اور اپنی رضا سے خوشی خوشی سیوا کرنا یا ایک آدمی کو حکومت کا حُکم ہوتا ہے کہ اتنا پیسہ تم خزانہ میں جمع کرواؤ۔ ہمارا من ہو یا نہ ہو، مگر ہم جمع کروا دیتے ہیں۔ یہ سیوا نہیں ہے، بندش ہے۔ مگر ایک دوست آکر کہتا ہے کہ مجھے ایک ہزار روپیہ فوراً چاہیے۔ اُس میں بھی ہمارا من دینے کو ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ پھر بھی ہم دوستی کو نبھانے کے لئے پیسہ دے دیتے ہیں۔ یہ بھی سیوا نہیں ہے۔ اگر کسی دوست کو ضرورت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اُس کی امداد کی جاوے۔ ہم اپنی خوشی سے اُس کی صرف امداد ہی نہیں کرتے، اُس کو پیسہ دے کر واپس نہ لینے کا وِچار تک بھی من میں نہ آنے دیویں۔ یہ ایک طرح کی سیوا ہے۔ لیکن یہاں پر اور ہی طرح کی بھاونا ہے کہ جیسا مالک کا حُکم ہے ویسی ہی ہماری رضا ہے۔ ہماری مرضی اپنی کچھ نہیں ہے۔ ہماری مرضی اُس کے حُکم کے مُطابق ہی ہے " راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہے " یہ بھگتی بھاؤ کا راستہ ستگورو شری گورو نانک دیوجی نے بتایا ہے۔ اِس میں کتنا گہرا اور اُونچا دونوں طرح کا پریم بتایا ہے۔ اپنے آپ کو اُس کے حُکم میں ہی لین کر دیتا ہے۔ اگر مالک کسی طرح کا دُکھ ہی دینا چاہتا ہے تو اُس میں بھی اپنی رضا کا ہونا بڑا مشکل سا ہے۔ مگر ایک ایشور کا پیارا بھگت یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُس میں اپنا پن کچھ نہیں ہے۔ اگر اصلیت کو دیکھا جائے تو سب کچھ مالک کا ہی ہے۔ اور اُس کے حُکم میں ہی ہم کو رہنا پڑتا ہے۔ مگر ہم مجبور ہو کر رہتے ہیں اور دُکھی ہوتے ہیں۔ حُکم میں تو رہنا ہی پڑتا ہے۔ اگر اُس حُکم میں اپنی رضا مِلا دیویں تو ہمیں دُکھ کس بات کا ہے؟ ہم سُکھی ہو جاتے ہیں اور بھگتی بھی کر پاتے ہیں۔ اُس کے حُکم کے مُطابق اپنی مرضی بنا لینا ہی سب سے اُونچے درجے کی بھگتی ہے۔ سب جگہ ہر کام میں اُس کا سمرن ہے۔ سب کچھ اُس مالک کا ہے۔ لیکن ہم اُس کا نہ مان کر اپنا حق جتاتے ہیں اور اُس حق جتائی ہوئی کسی بھی شئے پر اپنی مرضی

رکھتے ہیں۔ جب ہماری مرضی کے خلاف کچھ بھی ہوتا ہے۔ بنتا یا بگڑتا ہے، ہم دُکھی ہو جاتے ہیں۔ بھگتی تو ہونا الگ رہا، اپنے لئے دُکھ پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر اے اِنسان! سب کچھ اُس کے حکم میں ہو رہا ہے۔ اُس کے حکم میں ہی سب پیدا ہو رہے ہیں اور سب مر رہے ہیں۔ اُس کے حکم میں ہی سب کچھ بن رہا ہے اور بگڑ رہا ہے۔ تُو اپنی مرضی کو اُس کے حکم میں مِلا دے۔ بس تُو ایک سچّا بھگت بن جائے گا۔

ہم لوگوں کی بُدھی محدود ہے۔ ہم جو کچھ سوچیں گے، وہ ایک دائرے میں ہی سوچ سکیں گے۔ اچھے بُرے کی تمیز ہم برابر کر نہیں سکتے۔ وہ مالک بے انت عقلوں کا مالک ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ ٹھیک کر رہا ہے۔ مگر یہ بات ہمارے دماغ میں نہیں بیٹھتی۔ کیونکہ ہم نے اپنے آپ کو مالک سے زیادہ عقلمند سمجھ رکھا ہے۔ اِسی لئے ہم اپنی مرضی رکھنا چاہتے ہیں۔ جب ہماری سمجھ میں یہ بات آ جائے گی کہ ہم تو تچھ بُدھی کے ہی مالک ہیں، اور وہ تچھ بُدھی بھی اُس مالک پرم پِتا پرماتما کی بخشش ہے تو ہم اپنی مرضی کا اِستعمال شاید چھوڑ سکتے ہیں اور اپنی مرضی کو مالک کے حکم میں ڈھالے بِنا ہم بھگت نہیں بن سکتے۔ بھگتی تو بس پریم کا رس ہے۔ اور اُس رس کو ایشور کے پیارے بھگت ہی پی سکتے ہیں۔ جنہوں نے اپنا کچھ نہ مان کر سب کچھ مالک کے اَرپن کر رکھا ہے۔ اَرپن کرنے کی بھاونا ہی اُن میں ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ سب کچھ مالک کا ہے ہی۔ بھگت کی بھاونا ایک اُونچے درجہ کی بھاونا ہے اور وہ اِسی بھاونا سے ہی بھگت ہے۔ اِسی بھاونا کے کارن ہی وہ دُکھ سُکھ کا خیال نہیں کرتا۔ اور مالک کے حکم کو سمجھتا ہے۔ وہ اپنی اُونچی بھاونا کے کارن ہی مالک کا بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو مالک کے چرنوں میں لین کر دیتا ہے۔

مالک کے حکم میں اپنی مرضی مِلا دینا کوئی یوگ سادھن نہیں ہے۔ یہ مَن کی سادھنا ہے۔ مَن کی ہر ایک مرضی کو ختم کرنا ہے۔ مَن کا سارا پرواہ یعنی مَن کی ساری کی ساری چال ایشور کی طرف ہی موڑ دینی ہوتی ہے۔ ایک قِسم کا مَن کا یوگ ہے۔ مَن کا کوئی بھی خیال اِیشور کے حکم کے مُطابق ہی خیال ہوتا ہے۔ ارتھات مالک کا حکم ہی، مالک کی مرضی ہی ہمارا مَن ہو جاتا ہے۔

اِس طرح کی بھگتی ہم کہیں بھی رَہ کر، گھر میں یا جنگل میں رَہ کر کر سکتے ہیں۔ مگر جِتنا کہنا آسان ہے اُتنا کرنا مُشکل ہے۔ مَن ہر طرح سے اپنی مرضی کرنا چاہتا ہے۔ اِس بھگتی میں ہمیں اپنا مَن سمجھانا ہے۔ اِسی لِئے شری گورُو مہاراج نے یہ کہا ہے:-

"پہلے مَن پربودھے اَپنا پاچھے اور رِجھاوے"

ارتھات پہلے اپنے مَن کو سمجھا کر پیچھے اَوروں کو اُپدیش کرے۔ یہی شری گورُو مہاراج صاحب شری گورُو نانک دیو جی کا بھگتی مارگ ہے۔

مئے وحدت

شری سنت بُوڑ سِنگھ جی مہاراج ہیر

(۱)

اگر اپنی ہی ہستی کا تجھے احساس ہو جائے
جسے تُو دُور کہتا ہے، وہ تیرے پاس ہو جائے

تُو جو کہہ دے وہ ہو جائے تیری آواز ایسی ہو
تُو بے پر کے ہی اُڑ جائے تیری پرواز ایسی ہو

خزانے دیکھ کر اپنے تُو مالا مال ہو جائے
بآلِ عشق سے آباد ہو خوشحال ہو جائے

تیرے اوصاف پر ہی ہر کوئی شیدا ہُوا اب تک
تجھے کوئی مارنے والا نہیں پیدا ہُوا اب تک

تُو مستی کا سمندر ہے جگت سب تیری مایا ہے
جو آیا ہے جہاں میں تجھ سے مستی لے کے آیا ہے

انوکھی لے ہے پوشیدہ تیری مستی کے سازوں میں
کروڑوں راز ہیں پنہاں تیری مستی کے رازوں میں

تیری خاموشیاں بن کے گویا گیت گاتی ہیں
وہ خاموشی کے نغموں سے جہاں میں وجد لاتی ہیں

تُو ہر اک رنگ میں آباد ہو مسرور رہتا ہے
مئے وحدت کی مستی میں ہمیشہ چُور رہتا ہے

جو کہتا ہیر ہے بالکل تو دل کی بات کہتا ہے
تو اِسم و جسم سے آزاد ہو آباد رہتا ہے

(۲)

پریتم کی بستی

جہاں لے جا رہا ہُوں میں وہاں پریتم کی بستی ہے
وہاں بے فکر ہیں سارے، وہاں مستی ہی مستی ہے

وہاں مذہب کے جھگڑوں سے بہت بیزار ہیں سارے
وہاں اُلفت کی مے پی کر ہُوئے سرشار ہیں سارے

وہاں اِنسان کو اِنسان ہی ہر اِک سمجھتا ہے
وہاں کا بچّہ بچّہ گیان کی بستی میں بستا ہے

وہاں رَل مِل کے سارے پریم کے نغمے سُناتے ہیں
وہاں تو مَن کے مندر میں ہی منموہن کو پاتے ہیں

وہاں ساقی سے پی کر ہر کوئی مخمور رہتا ہے
خودی کو چھوڑ کر ہر دم نشے میں چُور رہتا ہے

کِسی کو مارنا کیا ہے، وہاں تو آپ مرتے ہیں
سروں کو رکھ ہتھیلی پہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں

وہاں اِنسان کے اِنسان سارے کام آتے ہیں
وہاں اِک دُوسرے کا درد سُنتے اور سُناتے ہیں

وہاں نِج دھام میں جا کر سبھی آرام کرتے ہیں
کسی کو نہ ڈراتے ہیں کسی سے نہ وہ ڈرتے ہیں

وہاں اندیش نہ ہے کوئی وہاں آنند ہیں سارے
وہاں بربادیوں سے دور ہو آباد ہیں سارے

وہاں اِک جان ہو کر نفرتوں کو چھوڑ دیتے ہیں
وہاں خود غرضیوں کے جال کو بھی توڑ دیتے ہیں

وہاں سُولی پہ چڑھ کر پھر بھی ہر دم سچ کہتے ہیں
وہاں اِک دوسرے سے پریم اور اُلفت سے رہتے ہیں

سماکرشبد میں وہاں پر سُرت مسرور رہتی ہے
پیارے کی پریتی کے نشے سے چُور رہتی ہے!

وہاں کی خامشی میں اِک عجب انداز ہوتا ہے
کروڑوں راز ہیں اُس میں جو واں پر راز ہوتا ہے

مِلا کر آنکھ ساقی سے جبھی دو گھونٹ پیتے ہیں
ملیں اِک جوت میں یکدم مہا آنند لیتے ہیں

وہاں پر نام کی مہما، انامی کے اشارے ہیں
وہاں تو نام کے جلوے سے رہتے مست سارے ہیں

وہاں کے رہنے والے پریم کی تصویر ہوتے ہیں
تصور میں وہ رکھ کے جوت آخر بیر ہوتے ہیں

رسالہ "اوم" دلّی کے اغراض و مقاصد

۱۔ زمانۂ حال کی زبان میں برہم گیان کی تعلیم دینا۔

۲۔ بھگتوں، یوگیوں، گیانیوں اور دوسرے مہاپرشوں کے اُبھارنے والی زندگیوں کے مؤثر حالات پیش کرنا۔

۳۔ عالمگیر اور ابدی سچائیوں کی اشاعت کے ذریعہ تعصب اور تنگدلی کو دُور کرنا۔

۴۔ ماضی و حال کے بلند ترین خیالات اور نہایت گہرے رُوحانی تجربات پیش کرنا۔

۵۔ تمام قوموں اور نسلوں کے درمیان انسانی وحدت دِکھلا کر باہمی رواداری، قدر شناسی اور اتحاد کی سپرٹ کو بڑھانا۔

قواعد و ضوابط

۱۔ رسالہ "اوم" ہر انگریزی ماہ کی ۲۹ ر یا ۳۰ ر تاریخ کو نہایت باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے۔

۲۔ اگر کسی صاحب کو کوئی پرچہ وقت پر نہ ملے تو وہ اُسی ماہ کی ۱۰ ر یا ۱۵ ر تاریخ تک چِٹھی لکھ کر طلب کر سکتے ہیں۔ اِس کے بعد تعمیل نہ ہوگی۔

۳۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ اور اپنا نام و پورا پتہ خوشخط لکھنا چاہیئے۔ خریداری نمبر پتہ والی چِٹ پر درج ہوتا ہے۔ وہاں سے نوٹ کر لینا چاہیئے۔

۴۔ منی آرڈر ارسال کرتے وقت اپنا خریداری نمبر، اپنا نام اور پورا پتہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں درج کرنا چاہیئے۔

۵۔ منی آرڈر بنام رسالہ "اوم" دلّی کے نام بھیجنا چاہیئے۔ کسی ذاتی نام پر ارسال نہ کریں۔ اور چیک بھی بنام "اوم" دلّی "THE "OM" DELHI" ہونا چاہیئے۔ دلّی سے باہر کے چیکوں پر بنک کمیشن 4/- روپے علاوہ ارسال کریں۔ یا دلّی کے کسی بنک کا ڈرافٹ ارسال کر سکتے ہیں۔

دفتر رسالہ "اوم" اندرون بازار اجمیری گیٹ، مکان نمبر 4062 دہلی 110006

گلزارِ مسرّت

از مہاتما بھاگ مل جی سائینی

اِنسان کی ذات کے لحاظ سے تو جُز کی کُل سے کامل وحدت ہے۔ کیونکہ جُز و کُل دونوں کی زندگی کا سرچشمہ ایک ہی حقیقت ہے۔ جو خود ہی جُز و کُل کی صُورت اختیار کر رہی ہے مگر ظہُور کے لحاظ (جسم) سے اِنسان کبھی کُل نہیں ہو سکتا۔ اور جسمانی پہلو کے تعلق میں اُسے کُل کے قوانین (قدُرتی قوانین) کو لازمی اور لابدی طور پر ماننا پڑیگا۔ کیونکہ اِن کے رُوبرُو کسی شخصی اِرادے کی دَال نہیں گلتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ چاند سُورج، ستارے وغیرہ اپنی حرکتوں میں ہماری شخصی خواہشوں اور اِرادوں کی مُطلق پرواہ نہیں کرتے۔ یعنی اُن کے چڑھاؤ، اُتراؤ میں حضرت اِنسان کا کچھ بس نہیں چلتا۔ اِس سلسلے میں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کُل کے قوانین ہمارے اپنے ہی بڑے دُوسرے رُوپ (کُل) کے قوانین ہیں۔ اِن کی پیروی اپنے آپ کی ہی پیروی ہے۔ کسی غیر ہستی کی نہیں۔

قدُرت کی ہر شئے مُقررّہ قوانین کے زیرِ اثر اپنا جُملہ برتاؤ کر رہی ہے۔ بدیں وجہ جسمانی زندگی کو قایم رکھنے کے لئے قدُرتی قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔ جہاں ذرا بھی غلطی کی، جسم کا قایم رکھنا تو درکنار رہا، خود زندگی ہی ہَوا ہو جاتی ہے۔ منشائے قدُرت کی پیروی سے ہی طنبوُرہ زندگی سے سرُور بخش اور غیر فانی راگنیاں نکلتی ہیں۔ اگر تم خوش و خرّم رہنا چاہو تو ضرُوری ہے کہ تم منشائے قدُرت کو معلُوم کر کے اُس کے سامنے اپنا سر جُھکاؤ۔ یعنی اپنے شخصی اِرادے اور عمل کو قوانینِ قدُرت کے موافق بناؤ۔ کیونکہ کُل کے اٹل اصُولوں کی پیروی دراصل اپنے ہی اصُولوں کی پیروی ہے۔ کسی غیر خُدا کی نہیں۔ کیونکہ غیر تو کچھ موجُود ہی نہیں۔

حضرت اِنسان کے خود ساختہ قوانین (رسم و رواج) وغیرہ کی ہم نافرمانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں دُھول ڈال کر ہم اپنے بچاؤ کی صُورت پیدا کر سکتے ہیں لیکن ناقابلِ شکست یا ناقابلِ تردید قوانینِ قدُرت سے نہ ہم بچ سکتے ہیں اور نہ ہی اُنھیں دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔

اگر تمہیں حقیقی خوشی سے پیار ہے تو اپنے دِل کی تختی سے بے معنی واہمات کی لکیریں صاف کر دو مقلد ہونے کی بجائے محقق بنو۔ کھُلے دِل و دماغ سے یہ معلُوم کرنا چاہیئے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اِنسان جن حالات میں پیدا ہُوا ہے یا رکھا گیا ہے، اُن حالات میں ہمیشہ کے لِئے رہنے کے لِئے مجبُور نہیں کیا گیا۔ ادنٰے سے ادنٰے اور اعلٰے سے اعلیٰ تر حالات میں اُڑنے کی آزادی کا حق اُسے پیدایشی ہے۔ یعنی زندگی

ی بکھری ہوئی کڑی منسلک کرنے میں ہر وقت آزاد ہے۔ اور بھی صفائی سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان یہ حالات و خیالات سے نکلکر وسیع تر زندگی کی پاکیزہ ترین ہواؤں میں سانس لینے میں ہر وقت آزاد ہے۔ محض تقدیر کا رونا روئے جانا تو غفلت اور جہالت کا ایک بہانہ ہے۔ تقدیر کی تدبیر حضرت انسان کی کوشش بلیغ سے ہو سکتی ہے۔

عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ تقدیر تبدیل نہیں ہوسکتی۔ لیکن موجودہ فلسفہ بتاتا ہے کہ تقدیر تبدیل ہوسکتی ہے۔ نیچر کا یہ اٹل قانون ہے کہ جس شے کے حصول کے لئے آپ کے دل میں مضبوط اور زبردست خواہش ہوگی قدرت کی مجملہ طاقتیں تمہاری خواہش صادق کو پورا کرنے میں کمربستہ ہو جائیں گی۔ تقدیر میں اٹل وشواس رکھنے کی بجائے قدرت کے ناقابل شکست اور ناقابل تردید قانون پر وشواس کرنا کہیں بہتر ہے۔ تقدیر میں اٹل وشواس زندگی کی کمر توڑ دیتا ہے۔ تقدیر کو بدلنے کے لئے ہمیں اپنی بازی عزم بالجزم اور جوانمردی سے کھیلنی پڑیگی۔ انسان کی بنیادی ہستی آتما میں طاقت کا ناقابل اختتام ذخیرہ ہے۔ جس قسم کی طاقت اور قابلیت کی ضرورت ہے وہ سب کی سب پیدا کی جا سکتی ہے جو شخص اپنی دنیا خود بنانے میں تل جاتا ہے، گردوپیش کے حالات اس کی راہ میں ہرگز ہرگز رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ ان پر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ محض ایک صادق خواہش کی ضرورت ہے۔ گلزار انسانیت کے ایک شگفتہ پھول کا قول ہے کہ بحر بیکراں کو ڈھونڈنے والے ایک دریا کا کون راستہ روک سکتا ہے؟ طلوع ہونے والے سورج بھگوان کے آگے کون حائل ہوسکتا ہے؟

"Forward now though Heaven falls"

ترجمہ :- اب آگے کی جانب بڑھنا ہے، خواہ فلک ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑے۔

جو اپنی دھن کے پکے ہیں ــــ وہی کچھ کر دکھاتے ہیں
سمندر چیرتے ہیں ــــ کوہ سے دریا بہاتے ہیں

جو لوگ طاقت خواہش کے تمام وکمال قوانین سے واقفیت نہیں رکھتے وہ پرانی دھرانی زندگی کے ناقابل برداشت بوجھ کو اپنے کندھوں سے ہرگز ہرگز نہیں اتار سکتے۔ ہماری دنیا ہماری اپنی خواہشوں اور اندرونی ارادوں پر انحصار رکھتی ہے۔ حقیقی زندگی ہر ایک انسان سے امید رکھتی ہے کہ وہ اپنی خود پیدا کردہ خواہش اور کوشش سے اپنی کشتی حیات کو آگے ہی آگے دھکیل کر تقدیر کے بھنور سے باہر نکلے۔ ایک آزاد سوچنے والے مفکر کا قول ہے کہ سست الوجود اور تقدیر کے شائق انسان کیڑے مکوڑے کی مانند پیدا ہوتے اور پاؤں تلے روندے جا کر فنا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ترک تدبیر و عمل کا دوسرا نام موت ہے۔ اس لئے وہ مردہ بشکل زندہ ہیں۔ وہ فضول اور نکمے واہمات اور شغلوں میں اپنا کل کا کل سرمایۂ حیات لٹا رہے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ اپنے زریں وقت اور شعور کو فضول گنوا رہے ہیں۔ ان کی عقل سلیم نہیں سقیم ہے۔ تقدیر کے مسئلے مسائل سست الوجود اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے والے لوگوں کے لئے کچھ قیمت رکھتے ہیں۔ یا یوں کہ

قسمت سست الوجود نکموں اور محنتوں کے لئے مایۂ ناز ہے۔ یہ لوگ پڑے پڑے زندگی کے دن گزار رہے ہیں اور ہر دم اس خیال میں چُور یا سر تا پا مستغرق رہتے ہیں کہ جو قسمت میں ہوگا، ہو کر ہی رہے گا۔ تقدیر میں لکھی ہوئی شے خود بخود آن کر ملے گی۔ تقدیر کے شائق لوگ مکڑی کی مانند نکمے خیالات کا تانا اپنے اردگرد تنتے رہتے ہیں۔ اور یہی تانا ناقص تقدیر کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ پھر اس خود تنے ہوئے جال سے انسان بمشکل نکل سکتا ہے۔

پیارو! ان بوسیدہ توہمات کو حرفِ غلط کی مانند مٹا دو۔ ورنہ یہ مکڑی کے جالے کی کمزور تاریں لوہے کی زنجیروں میں بدل جائیں گی۔ ہماری فطرت میں سستی اور کاہلی کے خیالات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ نکالے نکلتے نہیں اور اب یہ ہماری ذات کا حصہ ہو گئے ہیں۔ تقدیر کے اٹل ہونے کا خیال دروغ بے فروغ ہے۔ جس انسان کا ارتقا رُک جاتا ہے، وہ انسان تقدیر کا غلام ہی ہو کر رہتا ہے۔

جوانمرد اور بہادر لوگ خدائے حقیقی کو اپنی دعاؤں کے سننے کی ہرگز تکلیف نہیں دیتے۔ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اُن کے حصول کے قوانین کی پیروی کے ذریعہ اپنی شخصی جد وجہد کی قیمت ادا کر کے حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اصل حقیقت یا خدائے حقیقی رضاؤں اور خواہشات سے بالاتر ہستی ہے۔ اور اس کے اٹل قانون کا منشا یہ ہرگز نہیں کہ حضرت انسان کسی فرضی ہستی کے آگے جھکتا رہے۔ جس وقت انسان صحیح خواہش اور جد وجہد کے قوانین سے واقف ہو کر دلی رضامندی اور رغبت کے ساتھ اُن پر عمل پیرا ہوتا ہے تو جلیل القدر ہستیاں اپنے قدموں پر سرنگوں دیکھتا ہے۔ دُنیا کی تواریخ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہی ہے کہ میدانِ تدبیر وعمل کے شہسواروں نے اپنی قسمت کی خوبصورت عمارت کو خود ہی تعمیر کیا ہے۔ اور دُنیا میں جو کچھ بھی ترقی ونشو ونما نظر آ رہی ہے، وہ محض اُن کی تدبیر اور کوشش کا ہی نتیجہ ہے۔ غایت درجہ کی محنت اور تربیت سے ہر فعل نہایت شاندار صورت اختیار کر سکتا ہے۔ تقدیر کے تعلق میں ہمیشہ کے لئے کچھ بھی یقینی اور اٹل نہیں۔ تقدیر تبدیل ہو سکتی ہے۔ جس قسم کی اعلیٰ تقدیر کی ضرورت ہے، وہ پیدا کی جا سکتی ہے۔ حصول مدعا اٹل قوانین ہیں۔ اُن کی موافقت کرنے سے جو چاہو حاصل ہو سکتا ہے۔

پرچہ نہ ملنے کی اطلاع!

رسالہ "آدم" ہر انگریزی ماہ کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو شائع کیا جاتا ہے۔ جن صاحب کو وقت پر پرچہ نہ ملے، وہ ۱۰ تاریخ کے بعد اور ۱۵ تاریخ کے اندر ہمیں مطلع کریں۔ ہم دوبارہ پرچہ مفت بھیج دیں گے لیکن اس کے بعد تعمیل نہیں ہوگی۔ جو صاحب دو دو تین تین ماہ کے بعد پرچہ دوبارہ طلب کرتے ہیں وہ حق بجانب نہیں سمجھے جا سکتے۔ قواعد کی پابندی لازمی ہونی چاہیے۔ نیز سٹاک میں پرچہ ختم ہو جانے پر ہم تعمیل بھی کیسے کر سکتے ہیں؟ — مینیجر

دھرم اور اُس کا پھل

دھرم پرایَن پُرش دُوسروں کی بھلائی کرنے میں ہمیشہ تتپر رہتے ہیں۔ دُوسروں کو دُکھ دیکھ وہ اپنے سُکھ کی کبھی خواہش نہیں کرتے۔ دُوسروں کی بھلائی سے ہی پرم گتی پراپت ہوتی ہے۔ دھرم شیل پُرش بھلائی بُرائی کا وِچار کرکے نیک پُرشوں کا سنگ کرتا ہے۔ ست سنگ سے دھرم بُدھی بڑھتی ہے اور اس کے پربھاؤ سے اُس کا جیون دھرم مے بن جاتا ہے۔ وہ دھرم سے ہی دھن کی پراپتی کرتا ہے۔ وہی کام کرتا ہے جس سے اچھے گُن پیدا ہوں۔ دھرماتما پُرشوں سے ہی اُس کی مِترتا ہوتی ہے۔ وہ دھرم سے دھن کماتا ہے اور دھن کو دھارمک کاموں میں لگا کر اِس لوک اور پرلوک میں سُکھ بھوگتا ہے۔ وہ دھرم کا پھل سُکھ پاکر پھر ست اور اَست کا وِچار کرکے ویراگیہ وان ہو کر اور وِشیوں سے ہٹ کر جگت کو ناشوان سمجھ کر نشکام کرم کے دوارا موکھش کی پراپتی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ جو منش پاپوں کو تیاگ کر ویراگیہ کو دھارن کرتا ہے، وہی صحیح معنوں میں موکھش پد کو پراپت کرتا ہے۔

کام کے

شری ساحر سُنامی ایم۔ اے

عیب نہ ہوں اپنے عمل ہی کام کے ... کیوں گلے ہوں گردشِ ایّام کے
کام کوئی وقت پر آتا نہیں ... آجکل اسباب ہیں بس نام کے
اور ہوں گے جن کو ہو کوئی غرض ... ہم تو شیدا ہیں ہری کے نام کے
جن کی فطرت میں ہو عزم و حوصلہ ... ہیں وہی حقدار زرّیں جام کے

دُوسروں کے کام جو آتے رہیں!
بس وہی انساں ہیں ساحر کام کے!



دنیا بھر میں مشہور
1919
قائم شدہ
KITCHEN KING
ایم ڈی ایچ
مصالحے
ایم۔ڈی۔ایچ مصالحے جو ہندوستان میں پچپن سالوں سے مشہور
ہیں اب انگلینڈ۔امریکہ۔کنیڈا اور ہانگ کانگ جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں
بھی پسند کئے جاتے ہیں۔یہ مصالحے گورنمنٹ سے منظور شدہ ہیں۔
'ایگ مارک' ان کے خالص ہونے کی گارنٹی ہے۔
ہمیشہ ایم۔ڈی۔ایچ ٹریڈمارک دیکھ کر ہی خریدیں۔
CHAT MASALA
CHANE KA MASALA
دیگی مرچ۔ جل جیرا۔ گرم مصالحہ۔ کچن کنگ وغیرہ۔
مہاشیاں دی ہٹی پرائیویٹ لمیٹڈ
۹/۴۴ انڈسٹریل ایریا، کیرتی نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۵۔ فون 585122
چیف سٹاکسٹ:۔ روویک سٹورز، ۱ جسل خاں روڈ۔ نئی دہلی۔ فون 562569
سٹاکسٹ:۔ مسرز کشن چند سورج پرکاش کھاری باؤلی۔ دہلی-۶۔ فون 262217

January : 1977 Regd. No. of the Newspaper R. N. 660/57
Vol. 44 Monthly 'OM' Delhi P.O. Regd. No. D. (D) 68